انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین

دار الاشاعت کراچی

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

مستند حوالوں سے ازواجِ مطہراتؓ، بناتؓ طاہرات اور اکابر صحابیاتؓ کے سوانح زندگی اور اُن کے علمی، مذہبی، اخلاقی کارناموں کی تفصیل

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

سیر الصحابیات / اسوۂ صحابیات / اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

جلد ششم

حصہ دہم، یازدہم(11) و دوازدہم(12)

بمعہ رسالہ
مسلمان عورتوں کی بہادری
از
سید سلیمان ندوی

تحریر و ترتیب
مولانا سعید انصاری صاحب مرحوم
سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۴ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : ۴۷۷ صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیب روڈ لسبیلہ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست مضامین سیر الصحابیات

فہرست مضامین اسوۂ صحابیات

فہرست مضامین

اہلِ کتاب صحابہؓ وتابعین



فہرست اسماء



دیباچہ طبع اول

بسم اللہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ. هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (جمعه)

اسلام کا مقصد وحید تمام دنیا کو ایک سطح پر لانا تھا۔ اس کی شہنشاہی میں پست و بلند، شاہ و گدا، امیر و غریب، وضیع و شریف، عالم و جاہل، عورت و مرد سب میانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس نے اپنی تعلیمات، احکام و قوانین کے ذریعہ سے تمام دنیا کو مساوات کا پیغام سنایا۔ جس سے مذہب، اخلاق، تمدن اور سیاست کا قالب بدل گیا اور اس میں وہ نئی روح حرکت کرنے لگی جس کے پیدا کرنے کو اسلام اپنا فرض اولین خیال کرتے تھے۔

اسلام سے پہلے دنیا نے جس قدر ترقی کی تھی، صرف ایک صنف (مرد) کی اخلاقی اور دماغی قوتوں کا کرشمہ تھی۔ مصر، بابل، ایران، یونان اور ہندوستان مختلف عظیم الشان تمدن کے چمن آرا تھے۔ لیکن ان میں صنف نازک (عورت) کی آبیاری کا کچھ دخل نہ تھا۔ اسلام آیا تو اس نے دو صنفوں (مرد و عورت) کی جدوجہد کو وسائل ترقی میں شامل کر لیا اس لئے جب اس کے باغ تمدن میں بہار آئی تو ایک نیا رنگ وبو پیدا ہو گیا۔

عورت کو دنیا نے جس نگاہ سے دیکھا وہ مختلف ممالک میں مختلف رہی ہے۔ مشرق میں عورت مرد کے دامن تقدس کا داغ ہے، روما اس کو گھر کا اثاثہ سمجھتا ہے یونان اس کو شیطان کہتا ہے تورات اس کو لعنت ابدی کا مستحق قرار دیتی ہے، کلیسا اس کو باغ انسانیت کا کانٹا تصور کرتا ہے۔ یورپ اس کو خدا یا خدا کے برابر مانتا ہے لیکن اسلام کا نقطہ نظر ان سب سے جداگانہ ہے، وہاں عورت نسیم اخلاق کی نکہت اور چہرہ انسانیت کی غازہ سمجھی جاتی ہے۔

امام بخاریؒ نے صحیح میں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کو بالکل ہیچ سمجھتے تھے۔ مدینہ میں نسبتاً ان کی قدر تھی، لیکن جب اسلام آیا اور خدا نے ان کے متعلق آیتیں نازل کیں تو ہم کو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی[1] عرب

---

(۱) بخاری شریف ج ۱ ص ۸۶۹

جاہلیت کے رسم دختر کشی پر نظر ڈال کر پیغمبر اسلام ﷺ کے اس قول پر

یا انجشة اروید ك بالقوارير (انجشہ! دیکھنا یہ آبگینے ہیں)

غور کرو تو تم کو حضرت عمرؓ کے قول کی صحیح تشریح معلوم ہو گی۔

اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ عورتوں کے چند حقوق متعین کر دیئے بلکہ ان کو مردوں کے مساوی درجہ دیکر مکمل انسانیت قرار دیا۔ صحیح بخاری میں وارد ہوا ہے:

الرجل راع علیٰ اهله وهو مسئول والمرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة

مرد اپنے اہل کا راعی بنایا گیا ہے اور اس سے ان کے متعلق جواب طلب ہو گا اور عورت شوہر کے گھر کی راعیہ ہے اور اس سے اس کے متعلق بازپرس ہو گی (ج ۲ ص ۷۸۳)

سنن ابن ماجہ میں اس کی مزید تشریح ہے:

ليس تملكون منهن شيئاً غير ذالك الا ان ياتين بفاحشة مبينة

تم کو عورتوں پر بجز مخصوص حقوق کے کوئی دسترس حاصل نہیں ہے، لیکن ہاں جب کوئی گناہ کریں۔

اس بناء پر اسلام میں عورت کی جو قدر و منزلت قائم ہوئی وہ بلحاظ نتائج دیگر اقوام و مذاہب سے بالکل مختلف تھی، تمام دنیا اپنی قومی تاریخ پر ناز کرتی ہے اور بجا طور پر کرتی ہے، لیکن اگر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ ان افسانہائے پارینہ میں صنف نازک کی سعی و کوشش کا کس قدر حصہ تھا؟ تو دفعتہً ہر طرف خاموشی چھا جائے گی اور فخر و غرور کا سارا ہنگامہ سرد ہو کر رہ جائے گا، یونان بلاشبہ اپنی "ربات النوع" کو پیش کر سکتا ہے ہندوستان متعدد عصمت و عفاف کی دیویوں کے نام لے سکتا ہے، یورپ کا "گولڈن ڈیڈس" چند جنگ آزما عورتوں کو منظر عام پر لا سکتا ہے لیکن کیا ان کی وجہ سے دنیا نے کچھ بھی ترقی کی ہے؟ اور تمدن کا قدم ایک انچ بھی آگے بڑھ سکا ہے؟ تاریخ ان سوالات کا جواب نفی میں دیتی ہے۔

قومی تاریخ کو چھوڑ کر اگر دنیا کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرو تو صاف نظر آئے گا کہ اس کے اوراق بھی صنف نازک کے عظیم الشان کارناموں سے خالی ہیں مصر اس سلسلہ میں آسیہؓ بنت مزاحم کو پیش کرے گا، تورات مریم اخت ہارون کو آگے بڑھائے گی ناصرہ مریم عذرا کو سامنے لائے گا ان خاتونوں کی مذہبی بزرگی اور عظمت مسلم ہے لیکن کیا ان مقدس اور پاک خاتونوں کا کوئی مذہبی یا اصلاحی کارنامہ تاریخ نے بھی یاد رکھا ہے؟

بخلاف اس کے اسلام نے جن پردہ نشینوں کو اپنے کنار عاطفت میں جگہ دی انہوں نے دنیا میں بڑے بڑے عظیم الشان کام انجام دیئے ہیں جو تاریخ کے صفحات میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ کتاب خاص صحابیات کے حالات میں ہے اس لئے ہم صرف ان ہی کارناموں کو پیش کریں گے جو صحابیات سے متعلق ہیں، کیونکہ یہ صنف نازک کا پہلا قدم تھا جو ترقی کی راہ میں اٹھایا گیا۔

صحابیاتؓ کے کارنامے تمدن کے تمام عنوانات پر منقسم ہیں اور ہم ان کو اجمالاً اس مقام پر لکھنا چاہتے ہیں۔

مذہبی کارنامے :

مذہبی خدمات کے سلسلے میں سب سے اہم خدمت جہاد ہے اور صحابیاتؓ نے جس جوش، جس خلوص، جس عزم اور جس استقلال سے اس خدمت کو ادا کیا ہے اس کی نظیر مشکل سے مل سکے گی۔ غزوہ احد میں جب کہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے حضرت ام عمارہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں، کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں ابن قمیہ جب دراتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہ نے بڑھ کر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا انہوں نے تلوار ماری، لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی(۱) جنگ مسیلمہ میں انہوں نے اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ بارہ زخم کائے اور ایک ہاتھ کٹ گیا (ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۴)

غزوہ خندق میں حضرت صفیہؓ نے جس بہادری سے ایک یہودی کو قتل کیا اور یہودیوں کے حملہ کو روکنے کی جو تدبیر اختیار کی وہ بجائے خود نہایت حیرت انگیز ہے۔ (۲) غزوہ حنین میں حضرت ام سلیمؓ کا خنجر لیکر نکلنا ایک مشہور بات ہے (۳) جنگ یرموک میں، جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھی حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ، حضرت ام ابانؓ، ام حکیمؓ، خولہؓ، ہند اور ام المومنین حضرت جویریہؓ نے بڑی دلیری سے جنگ کی تھی اور اسماءؓ بنت یزید نے جو انصار کے قبیلہ سے تھیں خیمے کے چوب سے نو رومیوں کو قتل کیا تھا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۳)

نہ صرف بری بلکہ بحری لڑائیوں میں بھی صحابیاتؓ شرکت کرتی تھیں ۲۸ ہجری

---

(۱) ابن هشام ص ۸٤ (۲) زرقانی ج ۲ ص ۱۲۹ (۳) صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۳

میں جزیرہ قبرص پر حملہ ہوا تو حضرت ام حرامؓ اس میں شامل ہوئیں۔(۱)

میدان جنگ میں اس کے علاوہ صحابیاتؓ اور خدمات بھی انجام دیتی تھیں مثلاً (۱) پانی پلانا (۲) زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا (۳) مقتولوں اور زخمیوں کو اٹھا کر میدان جنگ سے لے جانا (۴) چرخہ کاتنا (۵) تیر اٹھا کر دینا (۶) خورد ونوش کا انتظام کرنا، پکانا (۷) قبر کھودنا (۸) فوج کو ہمت دلانا، چنانچہ حضرت عائشہؓ ام سلیمؓ ام سلیطؓ نے غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلایا تھا (۲) ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتیں زخمیوں کی تیمار داری کرتی تھیں اور اس مقصد کے لئے وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوا کرتی تھیں (۳) ربیعؓ بنت معوذ وغیرہ نے شہداء و مجروحین کو قتل گاہ سے اٹھا کر مدینہ پہنچایا تھا (۴) ام زیاد الشجعیہ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوہ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی وہ تیر اٹھا کر لاتی اور ستو پلاتی تھیں (۵) حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہؓ کے لئے کھانا تیار کیا تھا (۶) اعواث اور امارث وغیرہ کی جنگوں میں جو خلافت فاروقی میں ہوئی تھیں، بچوں اور عورتوں نے گورکنی کی خدمت انجام دی تھی (۷) اور جنگ یرموک میں جب مسلمانوں کا میمنہ ہٹتے ہٹتے حرم کی خیمہ گاہ تک آگیا تو ہندؓ اور خولہؓ وغیرہ نے پر جوش اشعار پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلائی تھی۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۶۳)

اشاعت اسلام بھی مذہب کی ایک بہت بڑی خدمت ہے اور صحابیات نے اس سلسلے میں خاص کوششیں کی ہیں چنانچہ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب کی دعوت پر حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تھا۔(۸) ام سلیمؓ کی ترغیب سے ابو طلحہؓ نے آستانہ اسلام پر سر جھکایا تھا۔(۹) عکرمہ اپنی بیوی ام حکیمؓ کے سمجھانے پر مسلمان ہوئے تھے (۱۰) اور ام شریک دوسیہؓ کی وجہ سے قریش کی عورتوں میں اسلام پھیلا تھا جو نہایت مخفی طور پر اس خدمت کو انجام دیتی تھیں۔ (مؤطا امام مالک کتاب النکاح)

اسلام کی حفاظت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیاتؓ میں سب سے زیادہ اس خدمت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ادا کیا ہے ۳۵ھ ہجری میں جب حضرت عثمانؓ

---

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۹ (۲) صحیح بخاری (۳) ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۲
(٤) بخاری کتاب الطب هل یداوی الرجل المرأة (۵) ابوداؤد ج اول ص ۲۷۰
(٦) صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۵ (۷) طبری ج ٦ ص ۲۳۱۷ (۸) اسدالغابہ ج ۵ ص ۵۶۳
(۹) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۹ (۱۰) اصابہ ج ۸ ص ۱۰٦

شہید ہوئے اور نظام مذہب درہم برہم ہوگیا تو انہوں نے اصلاح کی آواز بلند کی، جس پر مکہ اور بصرہ کے لوگوں نے لبیک کہا۔

نماز کی امامت بھی ایک اہم کام ہے اور متعدد صحابیات نے اس کو کبھی کبھی عورتوں کے مجمع میں انجام دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ ام ورقہؓ بنت عبداللہ اور سعدہؓ بنت قمامہ عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔ ام ورقہؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ انہوں نے اپنے مکان کو سجدہ گاہ بنالیا تھا جہاں وہ ہمیشہ امامت کرتی اور اذان دیتی تھیں (۱)
(عورت کی اقتداء عورت کے پیچھے درست ہے مگر حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے)

سیاسی کارنامے:

صحابیاتؓ نے متعدد سیاسی خدمتیں بھی انجام دی ہیں چنانچہ حضرت شفاء بنت عبداللہ اس درجہ صائب الرائے تھیں کہ حضرت عمرؓ ان کی تحسین کرتے اور ان سے مشورہ لیتے تھے۔ (۲) حضرت عمرؓ نے بسااوقات بازار کا انتظام بھی ان کے سپرد کیا ہے۔ (۳)

ہجرت سے قبل جب قریش نے کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنا چاہا تو رقیقہؓ بنت صیفی نے جو عبدالمطلب کی بھتیجی تھیں، سرور عالم ﷺ کو اس ارادہ کی اطلاع دی تھی (۴) چنانچہ آپ ﷺ خوابگاہ میں حضرت علیؓ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ (۵)

عورت کے سیاسی اختیارات اس قدر وسیع ہیں کہ وہ دشمنوں کو پناہ دے سکتی ہے اور امام اس کے امان کو برقرار رکھ سکتا ہے سنن ابی داؤد میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے زمانے میں ام ہانیؓ نے جو حضرت علیؓ کی ہمشیرہ تھیں ایک مشرک کو پناہ دی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا (۶)

قد اجرنا من اجرت و آمنا من امنت
"تم نے جس کو پناہ یا امان دی ہم نے بھی دی"

علمی کارنامے:

اسلامی علوم یعنی قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض میں متعدد صحابیات کمال رکھتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ اور ام ورقہؓ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ (۷) ہند

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۹۴ (۲) کتاب الام شافعی ج ۱ ص ۱۴۵ واسد الغابہ ج ۵ ص ۳۷۴ (۳) ایضا ص ۴۸۷ (۴) اصابہ ج ۸ ص ۳۲ (۵) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۵ (۶) ابو داؤد ج ۱ ص ۲۷۴ (۷) فتح الباری ج ۹ ص ۷۴۷

بنت اسدؓ ام ہشام بنت حارثہؓ رائطہ بنت حیانؓ اور ام سعدؓ بنت سعد ابن ربیع بعض حصوں کی حافظ تھیں ام سعدؓ قرآن مجید کا درس بھی دیتی تھیں(۱)

تفسیر میں حضرت عائشہؓ کو خاص کمال تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری کے آخر میں ان کا تفسیر کا معتدبہ حصہ منقول ہے۔

حدیث میں ازواج مطہرات عموماً اور حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ خصوصاً تمام صحابیات سے ممتاز تھیں(۲) حضرت عائشہؓ کی روایات ۲۲۱۰ ہیں اور حضرت ام سلمہؓ نے ۳۷۸ حدیثیں روایت کی ہیں ان کے علاوہ ام عطیہؓ اور اسماء بنت ابوبکرؓ ام ہانیؓ اور فاطمہؓ بنت قیس بھی کثیر الروایہ گزری ہیں۔

فقہ میں حضرت عائشہؓ کے فتاویٰ اس قدر ہیں کہ متعدد ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں (۳) حضرت ام سلمہؓ کے فتاوے سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے حضرت صفیہؓ حفصہؓ ام حبیبہؓ جویریہؓ میمونہؓ فاطمہ زہراؓ ام شریکؓ ام عطیہؓ اسماء بنت ابوبکرؓ لیلیٰ بنت قائفؓ خولہؓ بنت تویتؓ ام الدرداءؓ عاتکہؓ بنت زید سہلہؓ بنت سہیل فاطمہؓ بنت قیس زینبؓ بنت ابو سلمہؓ ام ایمنؓ ام یوسفؓ ام سلمہؓ کے فتاوے ایک مختصر رسالے میں جمع کئے جا سکتے ہیں۔

فرائض میں حضرت عائشہؓ کو خاص مہارت تھی اور بڑے بڑے صحابہ کرامؓ ان سے فرائض کے متعلق مسائل دریافت کرتے تھے۔ (۴)

اسلامی علوم کے علاوہ اور علوم میں بھی صحابیات دستگاہ رکھتی تھیں مثلاً علم اسرار میں حضرت ام سلمہؓ کو پوری واقفیت تھی(۵) خطابات میں اسماءؓ بنت سکن کا خاص شہرہ تھا۔(۶) تعبیر میں اسماءؓ بنت عمیس مشہور تھیں(۷)

طب اور جراحی میں رفیدہ اسلمیہؓ ام مطاعؓ ام کبشہؓ حمنہ بنت جحشؓ معاذہؓ لیلیٰؓ امیمہؓ ام زیادؓ ربیع بنت معوذؓ ام عطیہؓ ام سلیمؓ کو زیادہ مہارت تھی۔ رفیدہؓ کا خیمہ جس میں جراح خانہ تھا۔ مسجد نبوی ﷺ کے پاس تھا۔(۸)

شاعری میں خنساءؓ سعدیؓ صفیہؓ عاتکہؓ امامہ مریدیہؓ ہندؓ بنت حارث زینبؓ بنت عوام اروی عاتکہؓ بنت زید ہندؓ بنت اثاثہ ام ایمنؓ قتیلہؓ عبدریہ کبشہؓ بنت رافع میمونہؓ

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۸۶ (۲) ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ (۳) علام المؤقعین ابن قیم ج ۱ ص ۱۳ (۴) ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۲۶ (۵) مسند (۶) اصابہ ج ۸ ص ۱۲ (۷) ایضاً ص ۹
(۸) ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۳

بلویہ ام رقیہؓ زیادہ نامور ہیں۔ خنساء کا جواب آج تک عورتوں میں نہیں پیدا ہوا۔ ان کا دیوان چھپ گیا ہے۔

عملی کارنامے :

اس سے مراد صنعت و حرفت ہے جس میں حیاکت، فلاحت، کتابت، تجارت اور خیاطت وغیرہ داخل ہیں اسد الغابہ اور مسند امام احمد بن حنبل کی متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیاتؓ عموماً کپڑا بنا کرتی تھیں، جو ان کو اور ان کی اولاد کو کافی ہوتا تھا۔(۱)

کاشت کاری تمام صحابیات نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ مدینہ یا دیگر سرسبز مقامات کے باشندوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ مدینہ میں عموماً انصار کی عورتیں کاشت کاری کرتی تھیں مہاجر عورتوں میں حضرت اسماء کا بھی یہی مشغلہ تھا۔(۲)

لکھنا بہت سی صحابیات جانتی تھیں۔ حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کو اس میں خاص طور پر شہرت حاصل ہے، جنہوں نے ایام جاہلیت میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا شفاءؓ کے علاوہ حضرت حفصہؓ ام کلثومؓ بنت عقبہ اور کریمہؓ بنت المقداد بھی لکھنا جانتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو اگرچہ پڑھنا آتا تھا لیکن لکھنا نہیں آتا تھا۔(۳)

صحابیات میں بعض عورتیں تجارت بھی کرتی تھیں چنانچہ حضرت خدیجہؓ کی تجارت نہایت وسیع پیمانہ پر شام سے تھی۔ حولاءؓ ملیکہؓ ثقفیہؓ اور بنت مخربہؓ عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں۔(اسد الغابہ ج ٥ ص ٤٣٢، ٥٤٨)

سینا عام تھا، چنانچہ فاطمہؓ بنت شیبہ وغیرہ کے حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات پر انصار کی لڑکیاں گیت گالیتی تھیں، بلکہ کبھی کبھی شادی بیاہ اور خوشی کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے سامنے بھی اشعار گائے ہیں اور فریعہؓ بنت معوذؓ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ مدینہ میں ایک بی بی تھیں جن کا نام ارنبؓ تھا۔ آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت عائشہؓ نے ان کو انصار کی بعض شادیوں میں گیت گانے کو بھیجا ہے ارنبؓ کا تذکرہ اصحابہ میں آیا ہے۔(اسد الغابہ ج ٨ ص ٤)

---

(۱) اسد الغابہ ج ٥ ص ٢٩٨ و مسند ج٥ ص ١٦٦ (۲) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸٦ (۳) فتوح البلدان بلاذری ص: ٤٧٧، ٤٨٧ (٤) اصابہ ج ٨ ص ٦١

ازواج مطہرات میں حضرت ام سلمہؓ لحن کے ساتھ قرآن پڑھتی تھیں اور خاص آنحضرت ﷺ کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں۔ (مسند ج ۶ ص ۳۰۰، ۳۰۲)

ان صنعتوں کے علاوہ بعض صحابیات اور کام بھی جانتی تھیں، مثلاً حضرت سودہؓ طائف کی کھالیں درست کرتیں اور ان کو دباغت دیتی تھیں (۱) حضرت زینب بھی دست کار تھیں۔ (اسد الغابہ ایضاً ص ۴۶۵)

اس تمام تفصیل کے بعد اب ہم کو اس کتاب کے متعلق عرض کرنا ہے۔

انتخاب و ترتیب:

یہ کتاب صحابیاتؓ کے حالات میں ہے اور سیر الصحابہؓ کی آخری جلد ہے صحابیاتؓ کے حالات میں اگرچہ بعض مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے تاریخ النساء کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو ناپید ہے۔ (۲) اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تمام کتابوں میں ان کا خاص طور پر تذکرہ کیا گیا۔ چنانچہ ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ، ابو نعیم (متوفی ۴۰۳ھ) قاضی ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) اور ابو موسیٰ اصفہانی (المتوفی ۵۸۱ھ) نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

قاضی ابن عبدالبر کی کتاب کا نام استیعاب ہے، اس میں ۳۹۸ صحابیاتؓ کے حالات ہیں جن میں مکررات ہیں اصابہ میں لکھا ہے کہ استیعاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے خیال میں تمام صحابہؓ کا استقصاء کر لیا تھا، حالانکہ اگر صحابہ کو چھوڑ کر صرف صحابیات کو لیا جائے تب بھی یہ خیال غلط ٹھہرتا ہے، طبقات الصحابہؓ میں جو محمد بن سعد زہری کاتب واقدی کی تصنیف ہے، اور تیسری صدی کے اوائل میں لکھی گئی ہے ۶۲۷ عورتوں کے حالات درج ہیں، جن میں ۹۳ غیر صحابیات ہیں۔ ابن سعد نے اپنی کتاب کی آٹھویں جلد مستقل عورتوں کے حالات میں لکھی ہے۔

قاضی صاحب کے بعد علامہ ابن اثیر جزری المتوفی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی، جس میں عورتوں کے حالات کا ایک حصہ مخصوص کیا اس میں ۱۰۲۲ صحابیاتؓ کے نام ہیں۔ جن میں مکررات کے علاوہ ۶۷ مجہول عورتیں بھی ہیں۔

نویں صدی میں حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ نے اسماء الرجال پر دو

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۰ (۲) ایضاً ص ۴۷۲

نہایت ضخیم کتابیں لکھیں۔ تہذیب التہذیب اور اصابہ فی تمیز الصحابہؓ تہذیب کی بارہویں جلد کا ایک حصہ عورتوں کے حالات میں ہے جس میں ۳۲۲ عورتوں کے تذکرے ہیں۔ ان میں مکرر نام بھی آگئے ہیں اور تابعیات کے حالات بھی البتہ اصابہ کی آٹھویں جلد خاص صحابیاتؓ کے حالات میں ہے جس میں ۱۵۴۵ عورتوں کا تذکرہ ہے' اس میں مکررات بھی ہیں اور کنیتیں بھی۔ اصابہ میں صحابیات کی سب سے بڑی تعداد مذکور ہے۔ (یہ تعداد تخمینی ہے)

تاہم ان تمام کتابوں میں چند خصائص مشترک ہیں (۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسماء الرجال کے مصنفین کا مقصد محض ناموں کا استقصاء ہوتا ہے ان کو اپنے مقصد کے لحاظ سے اس سے بحث نہیں ہوتی کہ جو واقعات ہاتھ آئے ہیں' ان سے کوئی مفید تاریخی نتیجہ نکل سکتا ہے یا نہیں ؟ کیونکہ یہ بحث ان کے فن سے خارج ہے (۲) کثرت سے ان کو ایسے نام لکھنے پڑتے ہیں جن کے حالات دوسرے طریقوں سے بالکل معلوم نہیں ہوتے یہ وہ نام ہیں جو برسبیل تذکرہ کسی حدیث میں آگئے ہیں (۳) بعض جگہ صرف کنیت یا لقب لکھ دیتے ہیں کہ اس سے زیادہ ان کا کوئی حال ان کو معلوم نہ ہو سکا (۴) کہیں بالکل مبہم تذکرہ کرتے ہیں مثلاً امرأت (ایک عورت) اور اس کے بعد کوئی واقعہ لکھتے ہیں' اس سے زیادہ کا علم ہی نہیں ہوتا (۵) عموماً جن عورتوں کے حالات پہلے لکھے جاتے ہیں ان کا کنیتوں اور القاب میں دوبارہ تذکرہ کرتے ہیں جس سے تکرار پیدا ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ ایک اور مشکل یہ ہے کہ ان تمام کتابوں میں کوئی خاص ترتیب ملحوظ نہیں ہے' تہذیب میں تو تابعیات تک کے حالات ہیں البتہ طبقات ابن سعد اس نکتہ چینی میں شامل نہیں ہے' وہ ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے پہلے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں' پھوپھیوں' ان کی لڑکیوں اور ازواج مطہراتؓ کے تراجم ہیں پھر قریش اور عام مہاجرات کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد انصاریاتؓ کے حالات ہیں' جن میں ہر خاندان کا ذکر جدا جدا ہے۔ آخر میں ان عورتوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بجائے ازواج مطہراتؓ سے روایت کی ہے اور یہ حصہ صحابیاتؓ سے بالکل الگ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ صحابیات کے استقصاء اور ان کی سیرتوں کی ترتیب کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا' لیکن موجودہ زمانہ میں فن سیرت نگاری نے جو ترقی کی ہے ان کے لحاظ سے یہ تمام کتابیں ناکافی تھیں' نیز مسلمانوں کا موجودہ تنزل ان کی کتابوں کو

نئے آب و رنگ سے پیش کرنے کا داعی تھا۔ اس بناء پر ہم نے کتب اسماء الرجال کے ساتھ صحاح ستہ اور مسند امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا مطالعہ کر کے مفید معلومات کا اضافہ کیا اور بالکل جدید انداز سے صحابیات کی سیرتیں مرتب کیں۔

اسماء الرجال کی کتابوں میں مناقب پر زیادہ زور دیا جاتا تھا' ہم نے ان کے بجائے مذہبی' سیاسی' علمی اور اخلاقی کارناموں پر زیادہ توجہ کی اور ان کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جو ایک مردہ قوم کے قالب میں جان ڈال سکتی ہیں۔ یہ وہ خیال تھا جس نے خود بخود صحابیاتؓ کی تعداد کو گھٹا دیا' جس سے ہمارا دائرہ انتخاب بھی بہت کچھ محدود ہو گیا۔

اس کتاب میں ۴۵ صحابیات کی سوانح عمریاں ہیں جو شرائط مذکورہ کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور اس بناپر یہ کتاب فن اسماء الرجال میں داخل ہونے کے بجائے صحابیاتؓ کی تاریخ بن گئی ہے جس میں ان کے محاسن کمال کا ایک خال وخط نظر آتا ہے۔

واقعات کے انتخاب میں خاص احتیاط مدنظر رکھی گئی ہے اور ان کو روایت و درایت کی کسوٹی پر جانچ لیا گیا ہے' اسی بناء پر بہت سے واقعات جو عام کتابوں میں متداول ہیں' اس کتاب میں نہیں ملیں گے۔

اس میں ناظرین کو صحابیات کے حالات میں بعض ایسی روایتیں ملیں گی جو مسائل فقہیہ کے معارض ہیں۔ اس لئے یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ کتاب تذکرہ و تراجم کی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس پاکیزہ جماعت کی زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے مسائل فقہیہ کی تشریح اور روایات مختلفہ کی تطبیق و ترجیح اس کا موضوع نہیں ہے۔ اس لئے اختلافی مسائل فقہیہ میں اس کتاب کو اپنے عمل کے لئے سند بنانا صحیح نہ ہوگا۔

ناظرین کی سہولت کے لئے اس قسم کی مندرجہ روایات پر نوٹ دے دیئے گئے ہیں۔

ان تمام باتوں کے ساتھ ممکن بلکہ اغلب ہے کہ مجھ سے تحریر میں کچھ فرد گزاشتیں ہو گئی ہوں لیکن انسان اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے۔

وقد قال اللہ تعالیٰ :— لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلاَّ وُسْعَھَا

سعید انصاری
دار المصنفین اعظم گڑھ
۵ محرم ۱۳۴۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

از علامہ سید سلیمان ندویؒ

دارالمصنفین نے سیر الصحابہ کا جو سلسلہ لکھا اور شائع کیا تھا' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں اس کو مقبولیت بخشی اور بہت سے سعادت مندوں کو اس سے علمی و عملی فائدے پہنچائے اس سے امید ہے کہ اس سلسلہ کے لکھنے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ اجر آخرت بھی ملے گا۔

اس سلسلہ کو دارالمصنفین کے حسب ذیل رفقاء نے لکھ کر پورا کیا ہے۔

(۱) مولانا عبدالسلام صاحب ندوی

(۲) مولانا حاجی معین الدین صاحب ندوی مرحوم سابق صدر مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ' پٹنہ

(۳) مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی

(۴) مولانا سعید احمد انصاری صاحب

یہ سیر الصحابیات آخر الذکر رفیق کے قلم سے نکلی ہے اور یہ پہلی دفعہ آج سے ۲۴ برس پہلے ۱۳۴۲ھ میں چھپی تھی' اور اب وہ دوبارہ شائع کی جا رہی ہے۔ اس دوسرے ایڈیشن پر ہمارے ایک اور رفیق مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی نے نظر ثانی کی ہے' حوالوں کی تصحیح بعض غلطیوں کی اصلاح اور بعض مطالب میں مناسب ترمیم بھی انہوں نے کی ہے جس کے لئے وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ یہ کتاب اس کے بعد اپنی افادیت میں پہلے سے بہتر اور انشاء اللہ مؤلف اور مصحح دونوں کے لئے خیر جاری ثابت ہو گی۔

مسلمان عورتیں زمانہ کے نئے حالات سے بدل رہی ہیں ان کے سامنے سعادت مند خواتین کا کوئی اسوہ موجود نہیں اس لئے ان کا راہ سے ہٹنا دور از عقل نہیں۔ لیکن اگر

ہماری بہنیں اور بیٹیاں اس کتاب کو اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ دینداری، خدا ترسی، پاکیزگی، عفت اور اصلاح و تقویٰ کے ساتھ وہ دنیا کو کیونکر نباہ سکتی ہیں اور دنیا و آخرت دونوں کی نیکیوں کو اپنے آنچل میں کیسے سمیٹ سکتی ہیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی
ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ
۴ شعبان ۱۳۶۳ھ

(۱) حضرت خدیجہؓ

نام و نسب :

خدیجہ نام ام ہند کنیت، طاہرہ لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ ﷺ کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا اور لوی بن غالب کے دوسرے بیٹے عامر کی اولاد تھیں۔

حضرت خدیجہؓ کے والد اپنے قبیلہ میں نہایت معزز شخص تھے مکہ آکر اقامت کی۔ عبدالدار ابن قصی کے، جو ان کے ابن عم تھے، حلیف بنے اور یہیں فاطمہ بنت زائدہ سے شادی کی۔ جن کے بطن سے عام الفیل سے ۱۵ سال قبل حضرت خدیجہؓ پیدا ہوئیں۔(۱)

سن شعور کو پہنچیں تو آپ پاکیزہ اخلاق کی بناء پر طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔(۲)

نکاح :

باپ نے ان صفات کا لحاظ رکھ کر شادی کے لئے ورقہ بن نوفل کو جو بر ادر زادہ اور تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے، منتخب کیا، لیکن پھر کسی وجہ سے یہ نسبت نہ ہو سکی اور ابو ہالہ بن بناش تمیمی سے نکاح ہو گیا۔(۳)

اسی زمانہ میں حرب الفجار چھڑی، جس میں حضرت خدیجہؓ کے باپ لڑائی کے لئے نکلے اور مارے گئے۔(۴) یہ عام الفیل سے ۲۰ سال بعد کا واقعہ ہے۔(۵)

تجارت :

باپ اور شوہر کے مر جانے کے بعد حضرت خدیجہؓ کو سخت دقت واقع ہوئی ذریعہ معاش تجارت تھی جس کا کوئی نگران نہ تھا۔ تاہم اپنے اعزہ کو معاوضہ دیکر مال تجارت بھیجتی تھیں۔ ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو ابو طالب نے آنحضرت ﷺ

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۸، ۱۰ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۶۰ (۳) استیعاب ج ۲ ص ۳۷۸
(۴) طبقات ج ۸ ص ۹ (۵) ایضاً ص ۸۱ ج ۱ ق ۱

سے کہا کہ تم کو خدیجہؓ سے جا کر ملنا چاہیئے ان کا مال شام جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ تم بھی ساتھ جاتے۔ میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ میں خود تمہارے لئے سرمایہ مہیا کر دیتا۔

رسول اللہ ﷺ کی شہرت "امین" کے لقب سے تمام مکہ میں تھی اور آپ ﷺ کے حسن معاملت، راست بازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاق کا عام چرچا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ "آپ میرا مال تجارت لیکر شام کو جائیں، جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی" آنحضرت ﷺ نے قبول فرمالیا اور مال تجارت لیکر میسرہ (غلام خدیجہؓ) کے ہمراہ بصرہ تشریف لے گئے، اس سال کا نفع سالہائے گزشتہ کے نفع سے مضاعف تھا۔(۱)

حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آتی ہیں :

حضرت خدیجہؓ کی دولت و ثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا لیکن کارکنان قضاو قدر کی نظر انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی۔ آنحضرت ﷺ مال تجارت لیکر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہؓ نے شادی کا پیغام بھیجا۔ نفیسہ بنت منیہ (یعلی بن امیہ کی ہمشیر) اس خدمت پر مقرر ہوئی آپ ﷺ نے منظور فرمایا(۲) اور شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ حضرت خدیجہؓ کے والد اگرچہ وفات پا چکے تھے، تاہم ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں۔ اسی بناء پر حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے ہوئے خود براہ راست تمام مراتب طے کئے۔

تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام روسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ عمرو ابن اسد کے مشورہ سے ۵۰۰ طلائی درہم مہر قرار پایا اور خدیجہ طاہرہؓ حرم نبوت ہو کر ام المؤمنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔ اس وقت آنحضرت ﷺ پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ یہ بعثت نبوی ﷺ سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔(۳)

---

(۱) طبقات ج اق: ۱ ص ۸۱ (۲) ایضاً ص: ۸۲ (۳) اصابہ ج۸ ص ۶۰

اسلام:

پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت ﷺ پیغمبر ہوئے اور فرائض نبوت کو ادا کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا، وہ سننے سے پہلے مؤمن تھیں کیونکہ ان سے زیادہ آپ ﷺ کے صدق دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔

عن عائشة انها قالت اول ما بدئ به رسول الله ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة في النوم فكان لا یری رویا الاجاء ت مثل فلق الصبح، ثم حبب الیه الخلاء و كان یخلوا بغار حراء فیتحنث فیه وهو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اهله و یتزود لذلك ثم یرفع الی خدیجة فیتزود لمثلها حتی جاء الحق وهو فی غار حراء فجاء ه الملك فقال اقرأ فقلت ما ان بقارئ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی الثانية حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقارئ قال فاخذ نی فغطنی الثالثة ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ و ربك الاكرم۔

فرجع بها رسول الله ﷺ یرجف فؤ اده فدخل علی خدیجة بنت خویلد فقال زملونی زملونی فزملوه حتی ذهب عنه الروع فقال لخدیجة واخبرها الخبر لقد خشیت علی نفسی فقالت خدیجة كلا والله ما یخزیك الله ابد اانك لتصل الرحم و تحمل الكل و تكسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علیٰ نوائب الحق فانطلقت به خدیجة حتی اتت به ورقة بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی ابن عم خدیجة و كان امرأ تنصر فی الجاهلیة و كان یكتب الكتاب العبرانی فیكتب من الانجیل بالعبرانیة ماشاء الله ان یكتب و كان شیخاً كبیراً قدعمی فقالت له خدیجة یا ابن عم اسمع من ابن اخیك فقال له ورقة یا ابن اخی ماذا تری فاخبر رسول الله ﷺ خبر مارای فقال له ورقة هذا الناموس الذی نزل الله علی موسیٰ یلیتنی فیها جذعاً یلیتنی اكون حیا اذ یخرجك قومك فقال رسول الله ﷺ او مخرجیّ هم. قال نعم، لم یات رجل قط بمثل ما جئت به الاعودی و ان

بدر کنی یوملك انصرك نصرا مؤذرا ثم لم ینشب ورقة ان توفی وفتر الوحی (۱)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی کی ابتداء رؤیائے صادقہ سے ہوئی۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے سپیدہ صبح کی طرح نمودار ہو جاتا تھا اس کے بعد آپ خلوت گزین ہو گئے۔ چنانچہ کھانے پینے کا سامان لیکر غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں تحنث یعنی عبادت کرتے تھے جب سامان ہو چکتا تو پھر خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے اور پھر واپس جاکر مراقبہ میں مصروف ہوتے' یہاں تک کہ ایک دن فرشتہ غیب نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے پڑھ' آپ نے فرمایا میں پڑھا لکھا نہیں' اس نے زور سے دبایا' پھر مجھ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھ تو میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا لکھا نہیں' پھر اس نے دوبارہ زور سے دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا پڑھ' پھر میں نے کہا میں پڑھا لکھا نہیں' اسی طرح تیسری بار دبا کر کہا پڑھ اس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا' جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے' آنحضرت ﷺ گھر تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا مجھ کو کپڑا اوڑھاؤ' مجھ کو کپڑا اوڑھاؤ' لوگوں نے کپڑا اوڑھایا تو ہیبت کم ہو گئی۔ پھر حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا "مجھ کو ڈر ہے" حضرت خدیجہؓ نے کہا آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' بے کسوں اور فقیروں کے معاون رہتے ہیں' مہمان نوازی اور مصائب میں حق کی حمایت کرتے ہیں' پھر وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو مذہباً نصرانی تھے عبرانی زبان جانتے تھے اور عبرانی زبان میں انجیل لکھا کرتے تھے' اب وہ بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے' حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ اپنے بھتیجے (آنحضرت ﷺ) کی باتیں سنو۔ بولے ابن الاخ تم نے کیا دیکھا'؟ آنحضرت ﷺ نے واقعہ کی کیفیت بیان کی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا کاش مجھ میں اس وقت قوت ہوتی اور زندہ رہتا جب اپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے ؟ ورقہ نے جواب دیا ہاں۔ جو کچھ آپ پر نازل ہوا جب کسی پر نازل ہوتا ہے تو دنیا اس کی دشمن ہو جاتی ہے اور اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو تمہاری وزنی مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کا بہت جلد انتقال ہو گیا اور وحی کچھ دنوں کے لئے رک گئی۔

---

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۲

اس وقت تک نماز پنجگانہ فرض نہ تھی، آنحضرت ﷺ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ بھی آپ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھیں۔ ابن سعد کہتے ہیں(۱)

مکث رسول الله ﷺ و خدیجة یصلیان سرا ماشاء الله

آنحضرت ﷺ اور خدیجہؓ ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھتے رہے۔

عفیف کندی سامان خریدنے کے لئے مکہ آئے اور حضرت عباسؓ کے گھر میں فروکش ہوئے صبح کے وقت ایک دن کعبہ کی طرف نظر تھی، دیکھا کہ ایک نوجوان آیا اور آسمان کی طرف قبلہ رخ کھڑا ہو گیا۔ پھر ایک لڑکا اس کے داہنی طرف آکر کھڑا ہوا۔ پھر ایک عورت دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ نماز پڑھ کر یہ لوگ چلے گئے تو عفیف نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آنے والا ہے حضرت عباسؓ نے جواب دیا ہاں! پھر کہا جانتے ہو یہ نوجوان کون ہے یہ میرا بھتیجا محمد ہے، یہ دوسرا بھتیجا علیؓ ہے، اور یہ محمد کی بیوی (خدیجہؓ) ہے میرے بھتیجے کا خیال ہے کہ اس کا مذہب پروردگار عالم کا مذہب ہے، اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے حکم سے کرتا ہے دنیا میں جہاں تک مجھ کو علم ہے اس خیال کے صرف یہی تین شخص ہیں۔(۲)

عقیلی اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس کے ضعیف ہونے کی کوئی وجہ نہیں روایت کے لحاظ سے اس میں کوئی خرابی نہیں روایت کی حیثیت سے اس کے ثبوت کے متعدد طرق ہیں، محدث ابن سعد نے اس کو نقل کیا ہے۔ بغوی، ابو یعلیٰ اور نسائی نے اس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، حاکم، ابن خثیمہ، ابن مندہ اور صاحب غیلانیات نے اسے مقبول مانا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے صرف نبوت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغاز اسلام میں آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں آنحضرت ﷺ کو جو چند سال تک کفار مکہ اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہؓ کا اثر کام کر رہا تھا اوپر گزر چکا ہے کہ آغاز نبوت میں جب آپ ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "مجھ کو ڈر ہے" تو انہوں نے کہا "آپ متردد نہ ہوں خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا" دعوت اسلام

---

(۱) طبقات ج ۸ ص ۱۰ (۲) ایضاً ص ۱۰، ۱۱

کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تو حضرت خدیجہ
نے آپ کو تسلی اور تشفی دی۔ استیعاب میں ہے۔(۱)

فکان لا یسمع من المشرکین شیئاً یکرہ من ردعلیه و تکذیب
الافرج الله عنه بما تثبته و تصدقه و تخفف عنه و تهون علیه ما یلقی من قومه

آنحضرت ﷺ کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ بھی
حضرت خدیجہؓ کے پاس آکر دور ہو جاتا تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی باتوں کی تصدیق کرتی
اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔

سن ۷ نبوی میں جب قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ تدبیر سوچی
کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے چنانچہ ابو طالب مجبور
ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہوئے حضرت خدیجہؓ بھی
ساتھ آئیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے (۲)

وھی عند رسول الله ﷺ و معه فی الشعب

اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ شعب ابی طالب میں تھیں۔

تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے
پتے کھا کھا کر رہتے تھے تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہؓ کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ
جاتا تھا، چنانچہ ایک دن حکیم بن حزام نے جو کہ حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہوں
اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس بھیجے، راہ میں ابو جہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا
اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آگیا۔ وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا ابو جہل سے کہا، ایک
شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے۔(۳)

وفات:

حضرت خدیجہؓ نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان ۱۰ھ نبوی
(ہجرت سے تین سال قبل)(۴) انتقال کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ کی تھی۔ چونکہ
نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی، اس لئے ان کی لاش مبارک اسی طرح دفن

---

(۱) طبقات ج ۲ ص ۷۴۰ (۲) سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۲
(۳) سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۱۹۲ (۴) بخاری ج ۱، ص ۵۵۱

کردی گئی۔

آنحضرت ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اور اپنی سب سے بڑی غمگسار کو داعی اجل کے سپرد کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی قبر حجون میں ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔(۱)

حضرت خدیجہؓ کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت ﷺ اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت ﷺ کو ستاتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ اہل مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے۔

اولاد:

حضرت خدیجہؓ کے بہت سی اولاد ہوئی۔ ابوہالہ سے جو ان کے پہلے شوہر تھے' دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام ہالہ اور ہند تھے۔ دوسرے شوہر یعنی عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ آنحضرت ﷺ سے چھ (۶) اولادیں ہوئیں۔ دو صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں۔ نام حسب ذیل ہیں'' (۲)

(۱) حضرت قاسمؓ' آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے لڑکے تھے' ان ہی کے نام پر آپ ابوالقاسم کنیت کرتے تھے صغر سنی میں مکہ میں انتقال کیا۔ اس وقت پیروں چلنے لگے تھے (۲) حضرت زینب آنحضرت کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں (۳) حضرت عبد اللہ نے بہت کم عمر پائی چونکہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے اس لئے طیب اور طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے (۴) حضرت رقیہؓ (۵) حضرت ام کلثومؓ (۶) حضرت فاطمہ زہراؓ۔ ان سب میں ایک ایک سال کا چھوٹا بڑا پا تھا۔ حضرت خدیجہؓ اپنی اولاد کو بہت چاہتی تھیں اور چونکہ دنیا نے بھی ساتھ دیا تھا' یعنی صاحب ثروت تھیں' اس لئے عقبہ کی لونڈی سلمہ کو بچوں کی پرورش پر مقرر کیا تھا وہ ان کو کھلاتی تھی اور دودھ پلاتی تھی۔

ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہؓ کو بعض خصوصیتیں حاصل ہیں' وہ آنحضرت ﷺ کی پہلی بیوی ہیں' وہ جب عقد نکاح میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس کی تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت ابراہیمؑ کے سوا

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸' ص ۱۱ (۲) زرقانی ج ۲ ص ۲۲۱

آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد ان ہی سے پیدا ہوئی۔

فضائل و مناقب:

ام المومنین حضرت خدیجہ طاہرہؓ کی عظمت و فضیلت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو فضائے عالم سے ایک آواز بھی آپ ﷺ کی تائید میں نہ اٹھی۔ کوہ حرا، وادیٔ عرفات، جبل فاران، غرض تمام جزیرۃ العرب آپ کی آواز پر ایک پیکر تصویر بنا ہوا تھا۔ لیکن اس عالمگیر خاموشی میں صرف ایک آواز تھی جو فضائے مکہ میں تموج پیدا کر رہی تھی یہ آواز حضرت خدیجہؓ طاہرہ کے قلب مبارک سے بلند ہوئی تھی جو اس ظلمت کدۂ کفر و ضلالت میں انوار الٰہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔

حضرت خدیجہؓ وہ مقدس خاتون ہیں جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ چنانچہ مسند امام احمد میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا "خدا میں کبھی لات و عزیٰ کی پرستش نہیں کروں گا" انہوں نے جواب دیا کہ لات کو جانے دیجئے عزیٰ کو جانے دیجئے یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے"[1] آنحضرت ﷺ نے جب نبوت کی صدا بلند کی تو سب سے پہلے ان ہی نے اس پر لبیک کہا آنحضرت ﷺ اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت تھی وہ سیرت نبوی ﷺ کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے ابن ہشام میں ہے۔

وكانت له وزير صدق على الاسلام

وہ اسلام کے متعلق آنحضرت ﷺ کی سچی مشیر کار تھیں۔

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس تمول اور اس دولت و ثروت کے جو ان کو حاصل تھی حضور ﷺ کی خدمت خود کرتی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیلؑ نے آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ خدیجہؓ برتن میں کچھ لا رہی ہیں، آپ ان کو خدا کا اور میرا اسلام پہنچا دیجئے۔[2]

آنحضرت ﷺ کو حضرت زید بن حارثہؓ سے سخت محبت تھی لیکن وہ مکہ میں غلام کی حیثیت سے رہتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان کو آزاد کیا اور اب وہ کسی دنیاوی رئیس کے خادم ہونے کے بجائے شہنشاہ رسالت ﷺ کے غلام تھے۔

---

(۱) مسند ج ٤ ص ۲۲۲ (۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۹

آنحضرت ﷺ کو بھی حضرت خدیجہؓ سے بے انتہا محبت تھی آپ ﷺ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تھا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے' ایک دفعہ میں نے اس پر آپ ﷺ کو اس پر رنجیدہ کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ "خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۲)

ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ آنحضرت ﷺ سے ملنے آئیں اور استیذان کے قاعدے سے اندر آنے کی اجازت مانگی ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی' آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپ جھجک اٹھے اور فرمایا' کہ ہالہ ہوں گی" حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں' ان کو رشک ہوا' بولیں کہ " کیا آپ ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو مر چکیں اور خدا نے ان سے اچھی آپ کو بیویاں دیں" صحیح بخاری میں یہ روایت یہیں تک ہے' لیکن استیعاب میں ہے کہ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر گز نہیں' جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی' جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں' جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی[1] اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی" حضرت خدیجہؓ کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے:

خیر نسائها مریم بنت عمران خیر نسائها خدیجة بنت خویلد

"عالم میں افضل ترین عورت مریم اور خدیجہؓ ہیں"

ایک مرتبہ حضرت جبرائیلؑ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' خدیجہؓ آئیں تو فرمایا:

بشرها ببیت فی الجنة من قصب لا صخب فیه ولا نصب [2]

ان کو جنت میں ایسے گھر کی بشارت سنادیجئے جو موتی کا ہوگا اور جس میں شوروغل اور محنت مشقت نہ ہوگی۔

---

(۱) سیرت النبی جلد دوم ص ۴۰۱ طبع دوم (۲) بخاری باب تزویج النبی ﷺ خدیجة و فضلها

(۲) حضرت سودہؓ

نام و نسب :

سودہ نام تھا۔ قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں جو قریش کا ایک نامور قبیلہ تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے : سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حل بن عامر بن لوی۔ ماں کا نام شموس تھا۔ یہ مدینہ کے خاندان بنو نجار سے تھیں ان کا پورا نام و نسب یہ ہے : شموس بنت قیس بن زید بن عمرو بن لبید بن فراش بن عامر بن غنم بن النجار۔

نکاح :

سکرانؓ بن عمرو سے جو ان کے والد کے ابن عم تھے، شادی ہوئی۔

قبول اسلام :

ابتدائے نبوت میں مشرف بہ اسلام ہوئیں ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی اسلام لائے اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حبشہ کی پہلی ہجرت کے وقت تک حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر مکہ ہی میں مقیم رہے لیکن جب مشرکین کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہ رہی اور مہاجرین کی ایک بڑی جماعت ہجرت کے لئے آمادہ ہوئی تو اس میں حضرت سودہؓ اور ان کے شوہر بھی شامل ہو گئے۔

کئی برس حبشہ میں رہ کر مکہ کو واپس آئیں اور سکرانؓ نے کچھ دن کے بعد وفات پائی۔

حضرت سودہؓ حرم نبوت بنتی ہیں :

ازواج مطہراتؓ میں یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں حضرت خدیجہؓ کے انتقال سے آنحضرت ﷺ نہایت پریشان و غمگین تھے یہ حالت دیکھ کر خولہؓ بنت حکیم (عثمان بن مظعون کی بیوی) نے عرض کی کہ آپ کو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں' گھر بار بال بچوں کا انتظام سب خدیجہؓ کے متعلق تھا آپ ﷺ کے ایماء سے وہ حضرت سودہؓ کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا انعم صباحا پھر نکاح کا پیغام سنایا انہوں نے کہا ہاں محمد (ﷺ) شریف کفو ہیں لیکن

سودہؓ سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت ﷺ خود تشریف لے گئے اور سودہؓ کے والد نے نکاح پڑھایا چار سو درہم مہر قرار پایا۔ نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودہؓ کے بھائی) جو اس وقت کافر تھے، آئے اور ان کو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ یہ کیا غضب ہو گیا چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت و نادانی پر ہمیشہ ان کو افسوس آتا تھا۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۶۱)

حضرت سودہؓ کا نکاح رمضان ۱۰ھ نبوی میں ہوا اور چونکہ ان کے اور حضرت عائشہؓ کے نکاح کا زمانہ قریب قریب ہے اس لئے مؤرخین میں اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودہؓ کو تقدم ہے اور عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت عائشہؓ کو مقدم سمجھتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶ تا ۳۹ و زرقانی ج ۳ ص ۲۶۰)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا ان سے بیان کیا تو بولے کہ شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہو گا چنانچہ یہ خواب حرف بہ حرف پورا ہوا۔(۱)

عام حالات:

نبوت کے تیرھویں سال جب آپ نے مدینہ منورہ میں ہجرت کی تو حضرت زیدؓ ابن حارثہ کو مکہ بھیجا کہ حضرت سودہؓ وغیرہ کو لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ اور حضرت فاطمہؓ زہرا حضرت زیدؓ کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

۱۰ھ ہجری میں جب آنحضرت ﷺ نے حج کیا تو حضرت سودہؓ بھی ساتھ تھیں چونکہ وہ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں، اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہیں سکتی تھیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اجازت دی کہ اور لوگوں کے مزدلفہ روانہ ہونے کے قبل ان کو چلا جانا چاہئے کیونکہ ان کو بھیڑ بھاڑ میں چلنے سے تکلیف ہو گی۔(۲)

وفات:

ایک دفعہ ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سب سے پہلے کون مرے گا؟ فرمایا کہ جس کا ہاتھ

---

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۶۰ و طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۸ و ۳۹

(۲) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۸

سب سے بڑا ہے' لوگوں نے ظاہری معنے سمجھے' ہاتھ ناپے گئے تو سب سے بڑا حضرت سودہؓ کا تھا(۱) لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی بڑائی سے آپ ﷺ کا مقصود سخاوت اور فیاضی تھی۔ بہر حال واقدی نے حضرت سودہؓ کا سال وفات ۵۴ھ ہجری بتایا ہے۔(۲) لیکن ثقات کی روایت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کے اخیر زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔(۳)

حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ ہجری میں وفات پائی ہے اس لئے حضرت سودہؓ کا سال وفات ۲۲ھ ہجری ہوگا خمیس میں یہی روایت ہے اور یہی سب سے زیادہ صحیح ہے(۴) اور اس کو امام بخاری' ذہبی' جزری' ابن عبدالبر اور خزرجی نے اختیار کیا ہے۔

اولاد :

آنحضرت ﷺ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی' پہلے شوہر (حضرت سکرانؓ) نے ایک لڑکا یادگار چھوڑا تھا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا' انہوں نے جنگ جلولاء (فارس) میں شہادت حاصل کی۔(۵)

حلیہ :

ازواج مطہرات میں حضرت سودہؓ سے زیادہ کوئی بلند وبالا نہ تھا حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ جس نے ان کو دیکھ لیا اس سے وہ چھپ نہیں سکتی تھیں(۶) زرقانی میں ہے کہ ان کا ڈیل ڈول لانبا تھا۔(۷)

فضل وکمال :

حضرت سودہؓ سے صرف پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بخاری میں صرف ایک ہے صحابہؓ میں حضرت عباسؓ' ابن زبیرؓ اور یحییٰ ابن عبدالرحمٰن (بن اسعد بن زرارہ) نے ان سے روایت کی ہے۔

اخلاق :

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں (۸)

---

(۱) طبقات ج ۸ ص ۳۷ (۲) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۷' ۳۹ (۳) اسد الغابہ و استیعاب و خلاصہ تہذیب حالات سودہؓ (٤) زرقانی ج ۲ ص ۲٦۲ (۵) زرقانی ج ۱ ص ۲٦۰
(٦) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۷ (۷) زرقانی ج ۳ ص ٤۵۹ (۸) طبقات ج ۸ ص ۳۷

مامن الناس امرأة احب اليّ ان اكون فى مسلاخها من سودة

"سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی"

اطاعت اور فرماں برداری میں وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "میرے بعد گھر میں بیٹھنا" (۱) چنانچہ حضرت سودہؓ نے اس حکم پر اس شدت سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کے لئے نہ نکلیں، فرماتی تھیں کہ میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں اور اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی۔ (۲)

سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا اور حضرت عائشہؓ کے سواوہ اس وصف میں بھی سب سے ممتاز تھیں، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ وہ بولا درہم، بولیں، کھجور کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا۔ (۳) وہ طائف کی کھالیں بناتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کو نہایت آزادی کے ساتھ نیک کاموں میں صرف کرتی تھیں۔ (۴)

ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں وہ اور حضرت عائشہؓ آگے پیچھے نکاح میں آئی تھیں لیکن چونکہ ان کا سن بہت زیادہ تھا اس لئے جب بوڑھی ہو گئیں تو ان کو سوء ظن ہوا کہ شاید آنحضرت ﷺ طلاق دے دیں اور یہ شرف صحبت سے محروم ہو جائیں۔ اس بناء پر انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دیدی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی۔ (۵)

مزاج تیز تھا، حضرت عائشہؓ ان کی بیحد معترف تھیں۔ لیکن کہتی ہیں کہ وہ بہت جلد غصہ سے بھڑک اٹھتی تھیں ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لئے صحرا کو جارہی تھیں، راستہ میں حضرت عمرؓ مل گئے چونکہ حضرت سودہؓ کا قد نمایاں تھا انہوں نے پہچان لیا۔ حضرت عمرؓ کو ازواج مطہرات کا باہر نکلنا ناگوار تھا اور وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پردہ کی تحریک کر چکے تھے اس لئے بولے سودہؓ تم کو ہم نے پہچان لیا۔ حضرت سودہؓ کو سخت ناگوار گزرا۔ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور حضرت عمرؓ کی شکایت کی اسی واقعہ کے بعد آیت

---

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۹۱ (۲) طبقات ج ۸ ص ۳۸ (۳) اصابہ ج ۸ ص ۱۸ (٤) ایضاً ص ۶۵۔ حالات خلیسہ (۵) صحیح بخاری و مسلم، کتاب النکاح جواز هبه نوبتها لضرتها

حجاب نازل ہوئی۔(۱)

بایں ہمہ ظرافت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی اس انداز سے چلتی تھیں کہ آپ ﷺ ہنس پڑتے تھے ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تھی، آپ نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہوگیا اس لئے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ آپ ﷺ اس جملہ کو سن کر مسکرا اٹھے۔(۲)

دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کے پاس آرہی تھیں، دونوں نے مذاق کے لہجہ میں کہا، تم نے کچھ سنا؟ بولیں کیا؟ کہا، دجال نے خروج کیا حضرت سودہؓ یہ سن کر گھبرا گئیں۔ ایک خیمہ جس میں کچھ آدمی آگ سلگا رہے تھے، قریب تھا، فوراً اس کے اندر داخل ہوگئیں حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ ہنستی ہوئی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور آپ کو اس مذاق کی خبر کی آپ ﷺ تشریف لائے اور خیمہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ابھی دجال نہیں نکلا ہے یہ سن کر حضرت سودہؓ باہر آئیں تو مکڑی کا جالا بدن پر لگا ہوا تھا، اس کو باہر آکر صاف کیا۔(۳) (میرے نزدیک یہ روایت مشکوک اور سند اضعیف ہے)

(۳) حضرت عائشہؓ

نام ونسب :

عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، ام عبداللہ کنیت، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ ماں کا نام زینب تھا، ام رومان کنیت تھی اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں۔

حضرت عائشہؓ بعثت کے چار سال بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں صدیق اکبرؓ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو فگن ہوئیں اس بنا پر حضرت عائشہؓ اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۵۲)

---

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶ (۲) ابن سعد ج ۸ ص ۳۷ (۳) اصابہ ج ۸ ص ۶۵

حضرت عائشہؓ کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا۔ وائل کی کنیت ابو القعیس تھی وائل کے بھائی افلح حضرت عائشہؓ کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں (۱) رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا۔ (۲)

نکاح:

تمام ازواج مطہراتؓ میں یہ شرف صرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی کنواری بیوی تھیں آنحضرت ﷺ سے پہلے وہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں لیکن جب حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد خولہؓ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر ام رومان سے کہا اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ذکر کیا تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی' بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں' لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہؓ ان کے گھر میں گئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا۔ بہر حال حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ سے عقد کر دیا۔ پانچ سو درہم مہر قرار پایا۔ یہ ۱۰ھ نبوی کا واقعہ ہے اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ برس تھی۔

یہ نکاح اسلام کی سادگی حقیقی تصویر تھا عطیہ اس کا واقعہ اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں ان کی انّا آئی اور ان کو لے گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے آکر نکاح پڑھا دیا۔ حضرت عائشہؓ خود کہتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی جب میری والدہ نے باہر نکلنے میں روک ٹوک شروع کی' تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۰)

نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کا قیام مکہ میں تین سال تک رہا۔ ۱۳ھ نبوی میں آپ ﷺ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ساتھ تھے اور اہل و عیال کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ آئے تھے جب مدینہ میں اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ ام رومانؓ' اسماءؓ اور عائشہؓ کو لے آئیں مدینہ میں آکر حضرت عائشہؓ سخت بخار میں مبتلا ہوئیں۔ اشتداد مرض سے سر کے بال جھڑ گئے۔ (۳) صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم

---

(۲) بخاری ج ۱ ص ۳۲۰ (۳) ایضاً ص ۳۶۱ (۳) صحیح بخاری باب الہجرۃ

عروسی ادا کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۹ سال کی تھی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے آکر آواز دی' ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہیں تھی' ماں کے پاس آئیں انہوں نے منہ دھویا' بال درست کئے' گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی۔ تھوڑی دیر بعد خود آنحضرت ﷺ تشریف لائے۔(۱) شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی۔

حضرت عائشہؓ کے نکاح سے عرب کے بعض بیہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی (۱) عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے' اسی بناء پر جب خولہؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے آنحضرت ﷺ کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے حیرت سے کہا کہ " کیا یہ جائز ہے ؟ عائشہؓ تو رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا انت اخ فی الاسلام تم تو صرف مذہبی بھائی ہو (۲) اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہؓ کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

عام حالات :

غزوات میں سے صرف غزوہ احد میں حضرت عائشہؓ کی شرکت کا پتہ چلتا ہے صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔(۲)

غزوہ مصطلق میں کہ ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے' حضرت عائشہؓ آپ کے ساتھ تھیں واپسی میں ان کا ہار کہیں گر گیا پورے قافلہ کو اترنا پڑا' نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا تمام صحابہؓ پریشان تھے آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی اور تیمم کی آیت نازل ہوئی اس اجازت سے تمام لوگ خوش ہوئے اسید بن حضیرؓ نے کہا" اے آل ابوبکر ! تم لوگوں کے لئے سرمایہ برکت ہو۔

اسی لڑائی میں واقعہ افک پیش آیا یعنی منافقین نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی' احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن جس

---

(۱) صحیح بخاری تزویج عائشہؓ وسیرۃ النبی ج۔۲
(۲) بخاری ج ۲ ص ۵۸۱

واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے بعد لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ "بالکل افتراء ہے" اسکو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

۹ھ ہجری میں تحریم اور ایلاء و تخییر کا واقعہ پیش آیا اور واقعہ تحریم کی تفصیل حضرت حفصہؓ کے حالات میں آئے گی البتہ واقعہ ایلاء کی تفصیل اس مقام پر کی جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ زاہدانہ زندگی بسر فرماتے تھے، دودو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، آئے دن فاقے آتے رہتے تھے۔ ازواج مطہرات گو شرف صحبت کی برکت سے تمام ابنائے جنس سے ممتاز ہو گئی تھیں تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جارہا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضاء تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیچ میں آپ ہیں ادھر ادھر بیویاں بیٹھی ہیں اور توسیع نفقہ کا تقاضا ہے۔ دونوں اپنی صاحبزادیوں کی تنبیہ پر آمادہ ہو گئے لیکن انہوں نے عرض کی کہ ہم آئندہ آنحضرت ﷺ کو زائد مصارف کی تکلیف نہ دیں گے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ آنحضرت ﷺ کے سکون خاطر میں یہ چیز اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا آپ ﷺ نے بالاخانہ پر تنہا نشینی اختیار کی واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی لیکن جب حضرت عمرؓ نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ آپ نے ازواج کو طلاق دے دی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں" یہ سن کر حضرت عمرؓ اللہ اکبر پکار اٹھے۔

جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تو آپ بالاخانہ سے اتر آئے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے، وہ ایک ایک دن گنتی تھیں" بولیں یارسول اللہ ﷺ! آپ نے ایک مہینہ کے لئے عہد فرمایا تھا ابھی تو انتیس دن ہوئے ہیں ارشاد ہوا کہ "مہینہ کبھی انتیس کا بھی ہوتا ہے"

اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہرات کو مطلع فرمادیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں' دنیا اور آخرت' اگر تم دنیا چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دیکر عزت واحترام کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور رسول ﷺ اور ابدی راحت کی طلبگار ہو تو خدا نے نیکوکاروں کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے چونکہ حضرت عائشہؓ ان تمام معاملات میں پیش پیش تھیں آپ نے ان کو ارشاد الٰہی سے مطلع فرمایا انہوں نے کہا کہ میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول ﷺ کو لیتی ہوں" تمام اور ازواج نے بھی یہی جواب دیا۔ (صحیح بخاری ج۲ص ۷۹۲، و صحیح مسلم باب الایلاء)

ربیع الاول ۱۱ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے وفات پائی۔ ۱۳ دن علیل رہے' جن میں ۸ دن حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں اقامت فرمائی۔ خلق عمیم کی بناء پر ازواج مطہراتؓ سے صاف طور پر اجازت نہیں طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل میں کس کے گھر میں رہوں گا؟ دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام فرمانے کا تھا ازواج مطہراتؓ نے مرضی اقدس سمجھ کر عرض کی کہ آپ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔

ضعف اس قدر زیادہ ہو گیا تھا کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں بازو تھام کر بہ مشکل حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں لائے۔

وفات سے پانچ روز پہلے (جمعرات) کو آپ کو یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں' دریافت فرمایا کہ عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا' جاؤ ان کو خدا کی راہ میں خیرات کر دو۔ (مسند امام احمد بن حنبل ج۶ ص ۴۹)

جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبعیت کو سکون تھا لیکن دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا آپ پر غشی طاری ہوتی تھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ ﷺ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کریں یا حیات دنیا کو ترجیح دیں۔ اس حالت میں آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اکثر یہ الفاظ ہوتے رہے **مع الذین انعم اللہ علیھم** اور کبھی فرماتے **اللھم فی الرفیق الاعلیٰ** وہ سمجھ گئیں کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے۔

وفات سے ذرا پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؓ خدمت اقدس میں آئے آپؐ حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ

میں مسواک تھی مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا' حضرت عائشہؓ سمجھیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمنؓ سے مسواک لیکر دانتوں سے نرم کی اور خدمت اقدس میں پیش کی آپ ﷺ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی حضرت عائشہؓ فخریہ کہا کرتی تھیں کہ "تمام بیویوں میں مجھی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آخر وقت میں بھی میرا جھوٹا آپ ﷺ نے منہ میں لگایا"

اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا۔ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کو سنبھالے بیٹھی تھیں کہ دفعتہً بدن کا بوجھ معلوم ہوا دیکھا تو آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئی تھیں اور روح پاک ﷺ عالم اقدس میں پرواز کر گئی تھی حضرت عائشہؓ نے آہستہ سے سر اقدس تکیہ پر رکھ دیا اور رونے لگیں۔

حضرت عائشہؓ کے ابواب مناقب کے سب سے زریں باب یہ ہے کہ ان کے حجرہ کو آنحضرت ﷺ کا مدفن بننا نصیب ہوا اور نعش مبارک اسی حجرہ کے ایک گوشہ میں سپرد خاک کی گئی چونکہ ازواج مطہرات کے لئے خدا نے دوسری شادی ممنوع کردی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت عائشہؓ نے ۴۸ سال بیوگی کی حالت میں بسر کئے۔ اس زمانہ میں ان کی زندگی کا مقصد وحید قرآن وحدیث کی تعلیم تھا جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے دو برس بعد ۱۳ھ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انتقال فرمایا اور حضرت عائشہؓ کے لئے یہ سایہ شفقت بھی باقی نہ رہا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے حضرت عائشہؓ کی جس قدر دلجوئی کی وہ خود اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں "ابن خطابؓ نے آنحضرت ﷺ کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات کئے (۱) حضرت عمرؓ نے تمام ازواج مطہرات کیلئے دس دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا تھا لیکن حضرت عائشہؓ کا وظیفہ بارہ ہزار تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ (۲)

حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت میں حضرت عائشہؓ مکہ میں مقیم تھیں۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیرؓ نے مدینہ سے جا کر ان کو واقعات سے آگاہ کیا تو دعوت اصلاح کے لئے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علیؓ سے جنگ پیش آئی' جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے جمل

---

(۱) مستدرک حاکم ج ٤ ص ٨ (۲) مستدرک

اونٹ کو کہتے ہیں' چونکہ حضرت عائشہؓ ایک اونٹ پر سوار تھیں اور اس نے اس معرکہ میں بڑی اہمیت حاصل کی تھی اس لئے یہ جنگ بھی اسی کی نسبت سے مشہور ہو گئی یہ جنگ اگرچہ بالکل اتفاقی طور پر پیش آگئی تھی۔ تاہم حضرت عائشہؓ کو اس کا ہمیشہ افسوس رہا۔

بخاری میں ہے کہ وفات کے وقت انہوں نے وصیت کی کہ "مجھے روضہ نبوی ﷺ میں آپ ﷺ کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ بقیع میں اور ازدواج کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ میں نے آپ ﷺ کے بعد ایک جرم کیا ہے۔(۱) ابن سعد میں ہے کہ وہ جب یہ آیت پڑھتی تھیں **وقرن فی بیوتکن** اے پیغمبر ﷺ کی بیویو! اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ بیٹھو تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا۔(۲)

حضرت علیؓ کے بعد حضرت عائشہؓ اٹھارہ برس اور زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ سکون اور خاموشی میں گزرا۔

وفات :

امیر معاویہؓ کا اخیر زمانہ خلافت تھا کہ رمضان ۵۸ھ ہجری میں حضرت عائشہؓ نے رحلت فرمائی اس وقت سڑسٹھ (۶۷) برس کا سن تھا اور وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں قاسم بن محمدؓ' عبداللہ بن عبدالرحمٰن' عبداللہ بن ابی عتیقؓ' عروہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے قبر میں اتارا اس وقت حضرت ابو ہریرہؓ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے اس لئے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اولاد :

حضرت عائشہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی ابن الاعرابی نے لکھا ہے کہ ایک ناتمام بچہ ساقط ہو گیا تھا اس کا نام عبداللہ تھا اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ حضرت عائشہؓ کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ کے تعلق سے تھی جن کو انہوں نے متبنی بنایا تھا۔

حلیہ :

حضرت عائشہؓ خوش رو اور صاحب جمال تھیں' رنگ سرخ و سفید تھا۔

---

(۱) کتاب الجنائز و مستدرک حاکم ج ٤ ص ۸
(۲) طبقات ابن سعد جز ثانی

فضل و کمال :

علمی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو نہ صرف عورتوں پر، نہ صرف دوسری امہات المؤمنین پر نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر، بلکہ باستثنائے چند، تمام صحابہؓ پر فوقیت حاصل تھی جامع ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے۔

ما اشکل علینا اصحاب محمد ﷺ حدیث قط

فسألنا عائشة الا وجدنا عند ھا منه علماً

"ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہؓ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ملے ہوں"

امام زہریؒ جو سر خیل تابعین تھے، فرماتے ہیں :

کانت عائشة اعلم الناس یسئلھا الاکابر من اصحاب رسول الله ﷺ (۱)

"عائشہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ ان سے پوچھا کرتے تھے"

عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے :

مارأت احد ااعلم بالقرآن ولا بفریضة ولا بحلال ولا بفقه

ولا بشعر ولا بطب ولا بحدیث العرب ولا نسب من عائشة

" قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا"

امام زہری کی ایک شہادت ہے :

لو جمع علم الناس کلھم ثم علم ازواج النبی ﷺ فکانت عائشة وسعھم علماً

"اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم وسیع تر ہوگا"

حضرت عائشہؓ کا شمار مجتہدین صحابہؓ میں ہے اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ لیا جا سکتا ہے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانہ

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۲ قسم ۲ ص ۲۶

میں فتویٰ دیتی تھیں اور اکابر صحابہؓ پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کئے ہیں ان کو علامہ سیوطیؒ نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے اس رسالہ کا نام عین الاصابہ فی ما استدرکتہ عائشہؓ علی الصحابہؓ ہے۔

حضرت عائشہؓ مکثرین صحابہؓ میں داخل ہیں۔ ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے امام بخاری نے منفرداً ان سے ۵۸ حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔

علم کلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں چنانچہ رویت باری، علم غیب، عصمت انبیاء، معراج، ترتیب خلافت اور سماع موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔

علم اسرار الدین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں کامیابی اسلام کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب، حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحیں کی ہیں۔

طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ عرب جاہلیت کے حالات، ان کے رسم و رواج، ان کے انساب اور ان کی طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کی ہیں جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں۔ اسلامی تاریخ کے متعلق بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں، مثلاً آغاز وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات، واقعہ افک، نزول قرآن اور اس کی ترتیب، نماز کی صورتیں، آنحضرت ﷺ کے مرض الموت کے حالات، غزوہ بدر، غزوہ احد، خندق، قریظہ کے واقعات، غزوہ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے ضروری حالات، آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات، خلافت صدیقی، حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہراتؓ کا دعویٰ میراث، حضرت علیؓ کا ملال خاطر اور پھر بیعت کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔

ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔ ترمذی میں موسیٰ بن طلحہ کا یہ قول نقل ہے۔

ما رایت افصح من عائشة (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۱۱)

"میں نے عائشہ سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا"

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رواج ہے اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہیں تاہم جہاں حضرت عائشہؓ کے اصلی الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے مثلاً آغاز وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں

فما رای رویا الاجاء ت مثل فلق الصبح

"آپ ﷺ جو خواب دیکھتے تھے سپیدہ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا"

آپ ﷺ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی تو جبین مبارک پر عرق آجاتا تھا اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں۔

مثل الجمان

"پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے"

واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھیں اس کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

ما اکتحل بنوم

"میں نے سرمہ خواب نہیں لگایا"

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے وہ جان ادب ہے اور اہل ادب نے اس کی مفصل شرحیں اور حاشئے لکھے ہیں۔

خطابت کے لحاظ سے بھی حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے سوا تمام صحابہ کرامؓ میں ممتاز تھیں جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں' ایک تقریر میں فرماتی ہیں:

"لوگو! خاموش' خاموش' تم پر میرا مادری حق ہے' مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے سوا اس شخص کے جو خدا کا فرمان بردار نہیں ہے' مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا ۔ آنحضرت ﷺ نے میرے سینے پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے۔ میں آپ ﷺ کی محبوب ترین بیوی ہوں خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مومن و منافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا۔

پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا۔ اور پہلا

شخص تھا جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے خوش ہو کر اور اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی اس کے بعد اسلام کی رسی جب ہلنے ڈلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے دونوں سرے تھام لئے جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا چشمہ خشک کر دیا، جس نے یہود کی آتش افروزی سرد کی۔ تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کئے غدر و فتنہ کے منتظر تھے اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے، اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا۔ جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان تک پہنچادیا، جو پیاسے تھے ان کو گھاٹ پر لے آیا اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہل شرک کے لئے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو خدا نے اسے اٹھالیا۔

ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لئے" (عقد الفرید باب الخطیب ص: ۱۴)

حضرت عائشہؓ گو شعر نہیں کہتی تھیں، تاہم شاعرانہ مذاق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان بن ثابتؓ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو کعب بن مالکؓ کا پورا قصیدہ یاد تھا اس قصیدہ میں کم و بیش چالیس شعر تھے۔ کعبؓ کے علاوہ ان کا دیگر جاہلی اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے جن کو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں، چنانچہ وہ حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔

حضرت عائشہؓ نہ صرف ان تمام علوم کی ماہر تھیں بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنادیتی تھیں، چنانچہ ان کے دامن تربیت میں جو لوگ پرورش پاکر نکلے اگرچہ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے لیکن ان میں جن کو زیادہ قرب و اختصاص حاصل تھا وہ حسب ذیل ہیں:

عروہ بن زبیرؓ، قاسم بن محمدؒ، ابو سلمہ بن عبدالرحمنؒ، مسروقؒ، عمرہؒ، صفیہؒ بنت شیبہ، عائشہ بنت طلحہؒ، معاذۃ عدویہؒ

اخلاق و عادات:

اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہؓ بلند مرتبہ رکھتی تھیں، وہ نہایت قانع

تھیں، غیبت سے احتراز کرتی تھیں، احسان کم قبول کرتیں، اگرچہ خود ستائی ناپسند تھی تاہم نہایت خوددار تھیں، شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔

ان کا سب سے نمایاں وصف جود و سخا تھا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان کی خدمت میں لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا لونڈی نے عرض کی کہ افطار کے لئے کچھ نہیں ہے، فرمایا پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا۔ (مستدرک حاکم ج:۴ص:۱۳)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے متبنی تھے ان کی فیاضی دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہئے حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئیں اور قسم کھائی کہ ان سے بات نہ کریں گی۔ چنانچہ ابن زبیرؓ مدت تک معتوب رہے اور بڑی دقت سے ان کا غصہ فرو ہوا۔ (صحیح بخاری باب مناقب)

نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گزار تھیں، چاشت کی نماز برابر پڑھتیں، فرماتی تھیں کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے تب بھی باز نہ آؤں گی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر پڑھ لیتی تھیں۔ رمضان میں تراویح کا اہتمام کرتی تھیں ۔ ذکوان ان کا غلام امامت کرتا اور وہ مقتدی ہوتیں۔

اکثر روزے رکھا کرتی تھیں حج کی بھی شدت سے پابند تھیں اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتیں۔ غلاموں پر شفقت کرتیں اور ان کو خرید کر آزاد کرتی تھیں ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سڑسٹھ (۶۷) ہے۔ (شرح بلوغ المرام کتاب العتق)

(۴) حضرت حفصہؓ

نام و نسب

حفصہؓ نام، حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے حفصہؓ بنت عمرؓ ابن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن لوی بن فہر بن مالک۔ والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا جو مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعونؓ کی ہمشیر تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں حضرت حفصہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔ حضرت حفصہؓ بعثت نبوی ﷺ سے ۵ سال قبل پیدا ہوئیں اس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

نکاح:

پہلا نکاح خنیسؓ بن حذافہ سے ہوا جو خاندان بنو سہم سے تھے۔

اسلام:

ماں باپ اور شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئیں۔

ہجرت اور نکاح ثانی:

شوہر کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی غزوہ بدر میں خنیسؓ نے زخم کھائے اور واپس آکر ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ عدت کے بعد حضرت عمرؓ کو حفصہؓ کے نکاح کی فکر ہوئی اسی زمانہ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ سے ملے اور ان سے حضرت حفصہؓ کے نکاح کی خواہش کی۔ انہوں نے کہا میں اس پر غور کروں گا چند یوم کے بعد ملاقات ہوئی تو صاف انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر حضرت ابو بکرؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کی۔ حضرت عمرؓ کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا اس کے بعد خود رسالت پناہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی، نکاح ہو گیا تو حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ جب تم نے مجھ سے حفصہؓ کے نکاح کی خواہش کی اور میں خاموش رہا تو تم کو ناگوار گزرا لیکن میں نے اسی بنا پر جواب نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذکر کیا تھا اور میں آپ ﷺ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا اگر رسول اللہ ﷺ کا ان سے نکاح کا قصد نہ

ہوتا تو میں اس کے لئے آمادہ تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۱ واصابہ ج ۸ ص ۵۱)

وفات :

حضرت حفصہؓ نے شعبان ۴۵ھ ہجری میں انتقال کیا۔ یہ امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا مروان نے جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی۔ اور کچھ دور تک جنازہ کو کاندھا دیا اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو قبر تک لے گئے ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ان کے لڑکوں عاصم، سالم عبداللہ، حمزہؓ نے قبر میں اتارا۔

حضرت حفصہؓ کے سن وفات میں اختلاف ہے ایک روایت میں ہے کہ جمادی الاول ۴۱ھ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا لیکن اگر سن وفات ۴۵ھ ہجری قرار دیا جائے تو ان کی عمر ۶۳ سال کی ہو گی۔ ایک روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ ہجری میں انتقال کیا یہ روایت اس بناء پر پیدا ہو گئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جس سال افریقہ فتح ہوا حضرت حفصہؓ نے اسی سال وفات پائی اور افریقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ۲۷ھ ہجری میں فتح ہوا لیکن یہ سخت غلطی ہے، افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا اس دوسری فتح کا فخر معاویہؓ بن خدیج کو حاصل ہے، جنہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں حملہ کیا تھا۔

حضرت حفصہؓ نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلا کر وصیت کی اور غابہ میں جو جائیداد تھی جسے حضرت عمرؓ ان کی نگرانی میں دیکر گئے تھے، ان کو صدقہ کر کے وقف کر دیا۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۷۱)

اولاد :

کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فضل و کمال :

البتہ معنوی یادگاریں بہت سی ہیں اور وہ یہ ہیں، عبداللہ بن عمرؓ حمزہؓ (ابن عبداللہ) صفیہ بنت ابو عبیدؓ (زوجہ عبداللہ) حارثہؓ بن وہب، مطلب بن ابی وادعہؓ ام مبشر انصاریہ، عبداللہ بن صفوان بن امیہ، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۷۱)

حضرت حفصہؓ سے ۶۰ حدیثیں منقول ہیں(۱) جو انہوں نے آنحضرت ﷺ اور

زرقانی ج۳ ص ۲۷۱

حضرت عمرؓ سے سنی تھیں۔

تفقہ فی الدین کے لئے واقعہ ذیل کافی ہے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ اصحابؓ بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔ حضرت حفصہؓ نے اعتراض کیا خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے **وان منکم الا واردھا** "تم میں سے ہر شخص وارد جہنم ہوگا" آپ ﷺ نے فرمایا ہاں' لیکن یہ بھی تو ہے **ثم ننجی الذین اتقو ونذر الظالمین فیھا جثیاً** (پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے) (مسند امام احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۸۵)

اسی شوق کا اثر تھا کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی تعلیم کی فکر رہتی تھی حضرت شفاؓ کو چیونٹی کے کاٹے کا منتر آتا تھا ایک دن وہ گھر میں آئیں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم حفصہؓ کو منتر سکھلا دو۔ (مسند امام احمد ص ۲۸۱)

اخلاق :

ابن سعد میں ان کے اخلاق کے متعلق ہے :

انھا صوامۃ قوامۃ

" وہ (یعنی حفصہؓ) صائم النہار اور قائم اللیل ہیں"

دوسری روایت میں ہے :

ماتت حفصۃ حتی ما تفطر (اصابہ ج ۸ ص ۵۲)

"انتقال کے وقت تک صائم رہیں"

اختلاف سے سخت نفرت کرتی تھیں جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے' لیکن حضرت حفصہؓ نے فرمایا کہ گو کہ اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں تاہم تمہیں شریک رہنا چاہئے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور ممکن ہے کہ تمہاری عزلت گزینی ان میں اختلاف پیدا کردے۔ (بخاری ج ۲ ص ۵۸۹)

دجال سے بہت ڈرتی تھیں' مدینہ میں ابن صیاد نامی ایک شخص تھا دجال کے متعلق آنحضرت ﷺ نے جو علامتیں بتائی تھیں' اس میں بہت سی موجود تھیں اس سے اور عبداللہ بن عمرؓ سے ایک دن راہ میں ملاقات ہوگئی' انہوں نے اس کو بہت سخت

ست کہا اس پر وہ اس قدر پھولا کہ راستہ بند ہو گیا لن عمرؓ نے اس کو مارنا شروع کیا حضرت حفصہؓ کو خبر ہوئی تو بولیں، تم کو اس سے کیا غرض؟ تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہو گا۔ (۲)

حضرت حفصہؓ کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔ آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی دوبدو گفتگو کرتیں اور برابر کا جواب دیتی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ "ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرا برابر بھی وقعت نہ دیتے تھے، اسلام نے ان کو درجہ دیا اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی ایک دن میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی" میں نے کہا تم کو رائے و مشورہ سے کیا واسطہ "بولیں" لن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں، حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر جواب دیتی ہے، یہاں تک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں" میں اٹھا اور حفصہؓ کے پاس آیا میں نے کہا بیٹی! میں نے سنا ہے تم رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہو "بولیں" ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں میں نے کہا خبردار میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں، تم اس عورت (حضرت عائشہؓ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔ (بخاری ج ۲ کتاب التفسیر و فتح الباری ج ۸ ص ۵۰۴)

ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ مجھ کو حفصہؓ نے کہا ہے کہ "تم یہودی کی بیٹی ہو" آپ نے فرمایا حفصہؓ خدا سے ڈرو پھر حضرت صفیہؓ سے ارشاد ہوا تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور پیغمبر کے نکاح میں ہو، حفصہؓ تم پر کس بات میں فخر کر سکتی ہے (۱)

ایک بار حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے حضرت صفیہؓ سے کہا کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہیں، ہم آپ کی بیوی بھی ہیں اور چچازاد بہن بھی، حضرت صفیہؓ کو ناگوار گزرا انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہو سکتی ہو، میرے شوہر محمد ﷺ، میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ ہیں"

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ، حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں جو

---

(۱) ترمذی باب فضل ازواج النبی ﷺ (۲) مسند ج ۶ ص ۲۸۳ و مسلم کتاب الفتن ذکر ابن صیاد

تقرب نبوی ﷺ میں دوش بدوش تھے اس بناء پر حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ بھی دیگر ازواج کے مقابلہ میں باہم ایک تھیں، چنانچہ واقعہ تحریم جو ۹ ھ ہجری میں پیش آیا اسی قسم کے اتفاق کا نتیجہ تھا۔ ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا آپ کو شہد بہت مرغوب تھا آپ نے نوش فرمایا، اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا، حضرت حفصہؓ سے کہا رسول اللہ ﷺ جب ہمارے اور تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیئے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے (۱) (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت ﷺ نے قسم کھالی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹)۔

یا ایها النبی لم تحرم ما احل الله لك تبتغی مرضات ازواجك

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو"

کبھی کبھی (حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ میں) باہم رشک ورقابت کا اظہار بھی ہو جایا کرتا تھا ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ دونوں آنحضرت ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں رسول اللہ ﷺ راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں حضرت عائشہؓ راضی ہوگئیں، آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہؓ سوار تھیں جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہؓ نے آپ کو نہیں پایا اپنے پاؤں کو اذخر (ایک گھاس ہے) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں "خداوندا! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے" (۲)

---

(۱) مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں

(۲) صحیح بخاری و سیرۃ النبی جلد دوم

(۵) حضرت زینبؓ ام المساکین

نام اور نسب :

زینب نام تھا، سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت خزیمہ بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ "چونکہ فقراء و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں، اسی لئے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہو گئیں، آنحضرت ﷺ سے پہلے عبداللہ ابن جحشؓ کے نکاح میں تھیں عبداللہ بن جحشؓ نے جنگ احد میں شہادت پائی اور آنحضرت ﷺ نے اسی سال ان سے نکاح کر لیا نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھیں کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں حضرت خدیجہؓ کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھیں، جنہوں نے وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں، وفات کے وقت ان کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔

(اصابہ ج ۸ ص ۹۴، ۹۵ (سیرۃ النبی ج ۲)

(۶) حضرت ام سلمہؓ

نام و نسب :

ہند نام، ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، والدہ بنو فراس سے تھیں، اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے، عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل الطعان بن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

ابو امیہ (حضرت ام سلمہؓ کے والد) مکہ کے مشہور مخیر اور فیاض تھے، سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے، اسی لئے زاد الراکب کے لقب سے مشہور تھے۔ حضرت ام سلمہؓ نے ان ہی کے آغوش تربیت میں نہایت ناز و نعمت سے پرورش پائی۔ (اصابہ ج ۸ ص ۲۴۰)

نکاح :

عبداللہ بن عبدالاسد سے جو زیادہ تر ابو سلمہؓ کے نام سے مشہور ہیں اور جو ام سلمہؓ

کے چچازاد اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے' نکاح ہوا۔

اسلام :

آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔

ہجرت حبشہ :

اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی' حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

ہجرت مدینہ :

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے' حضرت ام سلمہؓ اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (حضرت ام سلمہؓ کے) قبیلہ نے مزاحمت کی تھی۔ اس لئے حضرت ابو سلمہؓ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور یہ اپنے گھر واپس آگئی تھیں (ادھر سلمہ کو ابو سلمہؓ کے خاندان والے حضرت ام سلمہؓ کے پاس سے چھین لے گئے) اس لئے ام سلمہؓ کو اور بھی تکلیف تھی۔ چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں۔ ۷۔۸ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا ایک دن ابطح سے انکے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ گھر آکر لوگوں سے کہا کہ "اس غریب پر کیوں ظلم کرتے ہو' اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اسکے حوالہ کر دو' روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لیکر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا' چونکہ وہ بالکل تنہا تھیں' یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا تنعیم میں عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) کی نظر پڑی' بولا "کدھر کا قصد ہے؟" کہا "مدینے کا" پوچھا' کوئی ساتھ بھی ہے' جواب میں بولیں "خدا اور یہ بچہ" عثمان نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا' تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں" یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا راستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا اور حضرت ام سلمہؓ اتر پڑتیں' روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور ام سلمہؓ سے کہتا کہ "سوار ہو جاؤ" حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا' غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا' قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولا "اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ وہ یہیں مقیم ہیں"

یہ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲، ۲۷۳)

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا، (یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی، شرفاء کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں) اور حضرت ام سلمہؓ مجبوراً خاموش ہوتی تھیں، لیکن جب کچھ لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر رقعہ بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا کہ وہ واقعی ابو امیہ کی بیٹی ہیں، ابو امیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے اس لئے حضرت ام سلمہؓ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔(۱)

وفات ابو سلمہؓ، نکاح ثانی اور خانگی حالات:

کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابو سلمہؓ بڑے شہہ سوار تھے بدر اور احد میں شریک ہوئے غزوہ احد میں چند زخم کھائے جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی ۴ ہجری میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔(۲) حضرت ام سلمہؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آنحضرت ﷺ خود ان کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں کہرام مچا تھا حضرت ام سلمہؓ کہتی تھیں "ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور یہ کہو کہ خداوند! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر" اس کے بعد ابو سلمہؓ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے (نو) تکبیریں کہیں لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو سہو تو نہیں ہوا؟ فرمایا! یہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے وفات کے وقت ابو سلمہؓ کی آنکھیں کھلی رہ گئیں تھیں آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی۔

ابو سلمہؓ کی وفات کے وقت ام سلمہؓ حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نکاح کا پیغام دیا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے انکار کیا ان کے بعد حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کا پیغام لیکر پہنچے حضرت ام سلمہؓ نے کہا مجھے چند عذر ہیں (۱) میں سخت غیور عورت ہوں (۲) صاحب عیال ہوں (۳) میرا سن زیادہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سب زحمتوں کو گوارا فرمایا، حضرت ام سلمہؓ کو اب عذر کیا ہو سکتا

---

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۰۷ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۳

تھا؟ اپنے لڑکے سے (جنکا نام عمر تھا) کہا اٹھو اور رسول اللہ ﷺ سے میرا نکاح کرو۔(۱)

شوال ۴ ہجری کی اخیر تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی حضرت ام سلمہؓ کو ابو سلمہؓ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا' خداوند تعالیٰ نے اس کو لبدی مسرت سے تبدیل کر دیا۔ سنن ابن ماجہ میں ہے :

فلما توفی ابو سلمة ذکرت الذی کان حدثنی فقلت فلما اردت ان اقول اللھم عضنی خیرامنه قلت فی نفسی اعاض خیرا من ابی سلمة ؟ ثم قلتھا فعاضنی اللہ محمد ﷺ

"جب ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے زیادہ بیان کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوندا! مجھے ابو سلمہؓ سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا کہ ابو سلمہؓ سے بہتر کون مل سکتا ہے ؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابو سلمہؓ کے جانشین آنحضرت ﷺ ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو دو چکیاں' گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی عنایت فرمایا یہی سامان اور بی بیوں کو بھی عطا ہوا تھا۔(مسند ج ۶ ص : ۲۹۵)

بہت حیادار تھیں' ابتداءً جب آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لاتے تو حضرت ام سلمہؓ فرط غیرت سے لڑکی (زینبؓ) کو گود میں بٹھالیتیں آپ یہ دیکھ کر واپس جاتے حضرت عمار بن یاسرؓ کو جو حضرت ام سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے' معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین لے گئے۔(ایضا)

لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی اور جس طرح دوسری بیبیاں رہتی تھیں وہ بھی رہنے لگیں نکاح سے قبل آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے ان کا ذکر کیا تو حضرت عائشہؓ کو بڑا رشک ہوا۔ ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے۔

حزنت حزنا شدیداً — (ایضاً ج ٤. ص : ٢٤١)

"یعنی مجھ کو سخت غم ہوا"

آنحضرت ﷺ کو ان سے بے حد محبت تھی' یہی وجہ ہے کہ ایک موقعہ پر جب تمام ازواج مطہراتؓ کو (سوائے حضرت عائشہؓ کے) حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ عرض

---

(۱) سنن نسائی ص ٥١١

کرنا تھا' توانہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو ہی اپنا سفیر بنا کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے ۔ ایک میں حضرت عائشہؓ' حضرت حفصہؓ' سودہؓ شامل تھیں دوسرے میں حضرت ام سلمہؓ اور باقی ازواج تھیں' چونکہ آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کو زیادہ محبوب رکھتے تھے' اس لئے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے۔ حضرت ام سلمہؓ کی جماعت نے ان سے کہا۔ حضرت عائشہؓ کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کے خواہاں ہیں' اس بناء پر رسول اللہ ﷺ جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدیہ بھیجنا چاہئیے۔ حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ سے یہ شکایت کی تو آپ ﷺ نے دو مرتبہ اعراض فرمایا۔ تیسری مرتبہ کہا" ام سلمہؓ! عائشہ کے معاملہ میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ' کیونکہ ان کے سوا تم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو (۱) حضرت ام سلمہؓ نے کہا" اتوب الی اللہ عزوجل من اذاك یا رسول اللہ "میں آپ کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا (حضور ﷺ کی جانماز کے سامنے (بچھتا تھا) آنحضرت ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے (اور یہ سامنے ہوتی تھیں)(۲)

آنحضرت ﷺ کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں حضرت سفینہؓ جو آنحضرت ﷺ کے مشہور غلام ہیں' دراصل حضرت ام سلمہؓ کے غلام تھے' ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت ﷺ زندہ رہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔(۳)

عام حالات :

حضرت ام سلمہؓ کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں غزوۂ خندق میں اگرچہ وہ شریک نہ تھیں تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں ' فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت خوب یاد ہے جب سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ ﷺ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعتہً عمار بن یاسر پر نظر پڑی 'فرمایا" (افسوس) ابن سمیہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا" (مسند ج ۲ ص ۲۸۹)

محاصرہ بنو قریظہ (۵ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ

---

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۲ (۲) مسند ج ٦ ص ۳۲۲ (۳) ایضاً ص ۳٦۱

نے حضرت ابو لبابہؓ کو بھیجا تھا اثنائے مشورہ میں ابو لبابہؓ نے ہاتھ کے اشارہ سے بتلایا کہ تم لوگ قتل کئے جاؤ گے 'لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادم ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا' چند دنوں تک یہی حالت رہی' پھر توبہ قبول ہوئی آنحضرت ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں "خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے' اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے؟ فرمایا "ابو لبابہؓ کی توبہ قبول ہو گئی" عرض کی " تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنادوں" فرمایا "ہاں اگر چاہو" حضرت ام سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں اور پکار کر کہا "ابو لبابہؓ! مبارک ہو' تمہاری توبہ قبول ہو گئی اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ امنڈ آیا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۵۳ و ابن سعد ج ۲ ص ۵۴)

اسی سنہ میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے پیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ و اقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں۔ اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن ام مکتوم قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے اس لئے ازواج مطہراتؓ کے حجروں میں آیا کرتے تھے ایک دن آئے تو آنحضرت ﷺ نے ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ سے فرمایا ان سے پردہ کرو' بولیں "وہ تو نابینا ہیں" فرمایا "تم تو نابینا نہیں ہو تم تو انہیں دیکھتی ہو" (مسند ج ۶ ص ۲۹۶)

صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھیں صلح کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا یہاں تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے' تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی تمام شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں' اس لئے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بیتاب تھے) آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی' انہوں نے کہا "آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں' بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں" آپ نے باہر آکر قربانی کی اور بال منڈوائے اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۸۰)

حضرت ام سلمہؓ کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا۔ امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال نہیں پیش کر سکتی۔ (زرقانی ج۳ ص ۲۷۲)

غزوہ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کڑکڑاہٹ کی آواز ان کے کانوں تک آئی تھی۔ (استیعاب ج۲ ص ۸۰۳)

۹ھ ہجری میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو تنبیہ کی تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھی آئے، وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں، ان سے بھی گفتگو کی، حضرت ام سلمہؓ نے جواب دیا۔ (صحیح بخاری ج۲ ص ۷۳۰)

عجبالك يا ابن الخطاب دخلت في كل شئ حتى تبتغى

ان تدخل بين رسول الله ﷺ وازواجه .

"عمرؓ تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔

چونکہ جواب نہایت خشک تھا اس لئے حضرت عمرؓ چپ ہو گئے اور اٹھ کر چلے آئے رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی صبح کو حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت ام سلمہؓ کا قول نقل کیا تو آپ مسکرائے۔

حجۃ الوداع میں جو ۱۰ھ ہجری میں ہوا اگرچہ ام سلمہؓ علیل تھیں تاہم ساتھ آئیں نبہان (غلام) اونٹ کی مہار تھامے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب غلام مکاتب کے پاس اسقدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد کر سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے۔ (مسند ج ٦ ص ۳۰۸، ۲۸۹)

طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو، تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا، چنانچہ ام سلمہؓ نے ایسا ہی کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۹، ۲۲۰)

۱۱ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ علیل ہوئے، مرض نے طول کھینچا تو آنحضرت ﷺ، حضرت عائشہؓ کے مکان میں منتقل ہو گئے حضرت ام سلمہؓ اکثر آپ کو دیکھنے کے لئے جایا کرتی تھیں ایک دن طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہؓ چیخ اٹھیں۔ آنحضرت

ﷺ نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔(۱) ایک دن مرض میں اشتداد ہوا تو ازواج نے دوا پلانی چاہی چونکہ گوارا نہ تھی آپ ﷺ نے انکار فرمایا لیکن جب غشی طاری ہو گئی تو ام سلمہؓ اور (اسماء بنت عمیس نے دوا پلا دی (۲) بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے اس کا مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں اسی روز حضرت ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ نے جو حبشہ ہو آئی تھیں وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کیتھولک گرجوں کے ہوں گے' اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا' آپ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنالیتے ہیں اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں' قیامت کے روز خدائے عزوجل کی نگاہ میں یہ لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔(۳)

وفات سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ سے کان میں باتیں کیں تھیں حضرت عائشہؓ اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں لیکن حضرت ام سلمہؓ نے توقف کیا اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پوچھا۔ (طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۴۰)

۶۱ھ ہجری میں حضرت حسینؓ نے شہادت پائی۔ حضرت ام سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں' نہایت پریشان ہیں' سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے' پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا حال ہے' ارشاد ہوا' حسینؓ کے مقتل سے واپس آرہا ہوں' حضرت ام سلمہؓ بیدار ہوئیں تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے (۴) اسی حالت میں زبان سے نکلا اہل عراق نے حسینؓ کو قتل کیا اللہ ان کو قتل کرے اور حسینؓ کو ذلیل کیا' خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔ (مسند ج ۶ ص ۲۹۸)

۶۳ھ ہجری میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ آگیا جہاں ابن زبیرؓ جا پناہ گزین تھے' چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا' بعض کو شبہ ہوا اور حضرت ام سلمہؓ سے دریافت کیا بولیں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص مکہ میں پناہ لے گا اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیابان میں وہیں دھنس جائے گا'' ام سلمہؓ نے پوچھا جو لوگ جبراً شریک کیے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں لیکن قیامت کے دن اپنے نیتوں کے مطابق اٹھیں گے (حضرت ابو جعفرؒ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مدینہ کے میدان میں

---

(۱) طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۱۳ (۲) صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ و طبقات ج ۲ ق ۲ ص ۳۲
(۳) صحیح بخاری و صحیح مسلم (۴) صحیح ترمذی ص ۲۲۴

پیش آئے گا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۹۳، ۴۹۴)

وفات :

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی ۶۳ ہجری) اسی سال حضرت ام سلمہؓ نے انتقال فرمایا اس وقت ۸۴ برس کا سن تھا حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا۔ (۱) اس زمانہ میں ولید بن عتبہ (ابو سفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا، چونکہ حضرت ام سلمہؓ نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے، اس لئے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابو ہریرہ کو بھیج دیا۔ (طبری کبیر ج ۳ ص ۲۴۴۳)

اولاد :

حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی اس کے نام یہ ہیں۔

سلمہؓ حبشہ میں پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت حمزہؓ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔

عمرؓ آنحضرت سے حضرت ام سلمہؓ کا نکاح ان ہی نے کیا تھا حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔

درہ، ان کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، حضرت ام حبیبہؓ نے کہا کہ ازواج مطہرات میں داخل تھیں آنحضرت ﷺ سے کہا، ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے، اگر میں نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لئے کسی طرح حلال نہ تھی کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔ (۲)

زینبؓ، پہلے برہ نام تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے زینبؓ رکھا۔ (۳)

حلیہ :

اصابہ میں ہے :

کانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع

یعنی حضرت ام سلمہؓ نہایت حسین تھیں۔

ابن سعدؓ (۴) نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کو ان کے حسن کا حال

---

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶

(۲) صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۴ (۳) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۲ (۴) ابن سعد ج ۸ ص ۶۶

معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں، مگر یہ واقدی کی روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں۔

حضرت ام سلمہؓ کے بال نہایت گھنے تھے۔ (مسند ج ۶ ص :۲۸۹)

فضل و کمال :

علمی حیثیت سے اگرچہ تمام ازواج بلند رتبہ رکھتی تھیں، تاہم حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کا ان میں کوئی جواب نہ تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں۔(۱)

کان ازواج النبی ﷺ یحفظن من حدیث النبی ﷺ

کثیراً ولا مثلا لعائشةؓ و ام سلمةؓ

" آنحضرت کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہؓ اور ام سلمہؓ کا ان میں کوئی حریف مقابل نہ تھا"

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور اعلانیہ کہتا تھا۔

کیف نسال احداً و فینا ازواج النبی ﷺ (۲)

"آنحضرت ﷺ کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں"

حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی تھے(۳) تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانہ فضل پر سر بر تھا۔

قرآن اچھا پڑھتیں اور آنحضرت ﷺ کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں ایک مرتبہ کسی نے پوچھا آنحضرت ﷺ کیوں کر قرأت کرتے تھے؟ بولیں ایک ایک آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا۔(۴)

حدیث میں حضرت عائشہؓ کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا ان سے ۳۷۸ روایتیں مروی ہیں، اس بناء پر وہ محدثین صحابہؓ کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا ایک دن بال گوندھوا رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے، زبان مبارک سے ایھا الناس (اے لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔(۵)

مجتہد تھیں، صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

---

(۱) طبقات ابن سعد ج ۸ ق ۲ ص ۱۲۶ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۱۷

(۳) ایضاً ص ۳۱۲ (۴) ایضاً ص ۳۰۰، ۳۰۲ (۵) ایضاً ۳۰۱

صاحب العقل البالغ والرائ الصائب (اصابہ ج۸ ص۲۴۱)

''یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں''

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ اگر جمع کئے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے(۱) ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا ایک کرشمہ ہے۔

ان کی نکتہ سنجی پر ذیل کے واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے' مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں ؟بولے آنحضرت ﷺ بھی پڑھتے تھے' چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہؓ کے سلسلہ سے سنی تھی' مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لئے آدمی بھیجا۔

انہوں نے کہا مجھ کو ام سلمہؓ سے یہ حدیث پہنچی ہے'

حضرت ام سلمہؓ کے پاس آدمی گیا اور یہ قول نقل کیا بولیں۔

یغفر اللہ لعائشة لقد وضعت امری علی غیر موضعه (۲)

''یعنی خدا عائشہ کی مغفرت کرے انہوں نے بات نہیں سمجھی''

الم اخبر هاان رسول اللہ ﷺ قد نهیٰ عنهما (۳)

''کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے''

حضرت ابو ہریرہؓ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہئے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے' ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت ﷺ جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے' حضرت ابو ہریرہؓ نے سنا تو رنگ فق ہو گیا اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں ۔ فضل بن عباسؓ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت عائشہؓ کو زیادہ علم ہے(۴) اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔(۵)

---

(۱) اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۳ (۲) مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۹ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے ج ۲ ص ۲۳۹ (۳) مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۳ (۴) ایضاً ج ۶ ص ۳۰۶'۳۰۷ (۵) ایضاً ص ۳۰۶

ایک مرتبہ چند صحابہؓ نے دریافت کیا کہ (آنحضرت ﷺ کی اندرونی زندگی) کے متعلق کچھ ارشاد فرمایئے' فرمایا آپ ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا' فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔ (ایضاً ص ٣٠٩)

حضرت ام سلمہؓ جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفی ہو جائے ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا' وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا سب نے ایک ہی جواب دیا' واپس آکر حضرت ام سلمہؓ کو یہ خبر سنائی تو بولیں نعم واشفیك اذرا ٹھہرو! میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔ (ایضاً ص ٢٩٧)

حضرت ام سلمہؓ کو حدیث و فقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہؓ عالم خصوصی تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ان کے پاس آئے تو بولیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا اور نہ وہ مجھ کو دیکھیں گے' حضرت عبدالرحمٰنؓ گھبرا کر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی حضرت عمرؓ حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا:

"خدا کی قسم! سچ سچ کہنا میں انہی میں ہوں"؟ حضرت ام سلمہؓ نے کہا نہیں' لیکن تمہارے علاوہ کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔ (مسنداحمد ص ٣٠٧ ج ٦)

حضرت ام سلمہؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے' ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ' اسامہ بن زیدؓ' ہند بنت الحارث الفراسیہؓ' صفیہ بنت شیبہؓ' عمرؓ' زینبؓ (اولاد حضرت ام سلمہؓ) مصعبؓ بن عبداللہ (برادر زادہ) نبہانؓ (غلام مکاتب) عبداللہ بن رافعؓ' نافعؓ' شعبہؓ' پسر شعبہ' ابو بحیرؓ' خیرۃؓ والدہ حسنؓ بصری' سلیمان بن یسارؓ' ابو عثمان النہدی' حمیدؓ' ابو سلمہؓ' سعیدؓ بن مسیب' ابو وائل' صفیہؓ بنت محصنؓ' شعبیؓ' عبدالرحمٰن ابن حارث بن ہشام' عکرمہؓ' ابو بکر بن عبدالرحمٰنؓ' عثمانؓ بن عبداللہ بن مواہب' عروہ بن زبیرؓ' کریبؓ مولیٰ ابن عباسؓ' قبیصہ بن زویبؓ' نافع مولا ابن عمرؓ' یعلیٰ بن مملک رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اخلاق و عادات :

حضرت ام سلمہؓ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں' ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا آنحضرت ﷺ نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا (۱) ہر مہینہ میں تین دن (دوشنبہ' جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں۔(۲) ثواب کی متلاشی رہتیں ۔ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں اس بناء پر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا ثواب بھی ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ہاں! (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۸)

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں آیت تطہیر ان ہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی' آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حسنینؓ کو بلا کر کمبل اوڑھایا اور کہا خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں' ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو پاک کر" حضرت ام سلمہؓ نے یہ دعا سنی تو بولیں یا رسول اللہ! ﷺ میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں' ارشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔ (صحیح ترمذی ص: ۵۳۰)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر و تبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے' تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا۔ کہ آنحضرت ﷺ ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔(۳)

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی' چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی' وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے' حضرت ام سلمہؓ نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت ﷺ کی روش کے خلاف ہے' آنحضرت ﷺ کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا ترب وجهك الله! یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو۔(۴)

فیاض تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آکر کہا اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے فرمایا بیٹا اسکو خرچ کرو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہؓ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔(۵)

---

(۱) ایضاً ج ۶ ص ۳۱۵' ۳۲۲ (۲) ایضاً ص ۲۸۹

(۳) ایضاً ج ۶ ص ۲۸۹ (۴) ایضاً ج۶ ص ۳۰۱ (۵) ایضاً ص ۲۹۰

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں' ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا ام الحسن بیٹھی تھیں' انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہؓ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے اس کے بعد لونڈی سے کہا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کرو' کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔ (استیعاب ج ۲ ص ۸۰۳)

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبرکاً رکھ چھوڑے تھے جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں (۱) آنحضرت ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی۔

ان المسلمین والمسلمات والمؤمنین والمؤمنات (۲)

مناقب :

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ کے پاس بیٹھی تھیں حضرت جبرائیلؑ آئے اور باتیں کرتے رہے ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا "ان کو جانتی ہو" بولیں دحیہ تھے لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرئیل تھے (غالباً یہ نزول حجاب سے قبل کا واقعہ ہے) (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۱ مطبوعہ مصر)

(۷) حضرت زینبؓ بنت جحش

نام و نسب :

زینب نام' ام الحکم کنیت' قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے : زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔ والدہ کا نام امیمہ تھا۔ جو عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں اس بناء پر حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

اسلام :

نبوت کے ابتدائی دور میں اسلام لائیں۔ اسد الغابہ میں ہے۔ (۳)

---

(۱) مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۶ (۲) ایضاً ص : ۳۰۱ (۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۳

كانت قديمة الاسلام

"قدیم اسلام تھیں"

نکاح :

آنحضرت ﷺ نے زید بن حارثہ کے ساتھ جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنی تھے' ان کا نکاح کر دیا' اسلام نے دنیا میں مساوات کی جو تعلیم رائج کی ہے اور پست و بلند کو جس طرح ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا ہے' اگرچہ تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں' لیکن یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ان سب پر فوقیت رکھتا ہے' کیونکہ اسی سے عملی تعلیم کی بنیاد قائم ہوتی ہے' قریش اور خصوصاً خاندان ہاشم کو تولیت کعبہ کی وجہ سے عرب میں جو درجہ حاصل تھا اس کے لحاظ سے شاہان یمن بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے لیکن اسلام نے محض "تقویٰ" کو بزرگی کا معیار قرار دیا اور فخر و ادعاء کو جاہلیت کا شعار ٹھہرایا ہے اس بناء پر اگرچہ حضرت زیدؓ بظاہر غلام تھے' تاہم چونکہ (وہ مسلمان اور مرد صالح تھے' اس لئے آنحضرت ﷺ کو ان کے ساتھ حضرت زینبؓ کا عقد کر دینے میں کوئی تکلف نہیں ہوا) تعلیم مساوات کے علاوہ اس نکاح کا ایک مقصد اور بھی تھا جو اسد الغابہ میں مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔

تزوجها ليعلمها كتاب الله و سنة رسوله (ایضاً ج ٥ ص ٤٦٣)

"یعنی آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح زیدؓ سے اس لئے کیا تھا کہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں"

تقریباً ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا' لیکن پھر تعلقات قائم نہ رہ سکے اور شکر رنجی بڑھتی گئی حضرت زیدؓ نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی اور طلاق دے دینا چاہا۔ (صحیح ترمذی ص ۵۳۱)

جاء زيد بن حارثة فقال يا رسول الله ان زينب اشتد على لسانها وانا اريد ان اطلقها (فتح الباری ج:۸ ص:۴۰۳ تفسیر سورہ احزاب)

زید آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینب مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔

لیکن آنحضرت ﷺ بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں قرآن مجید میں ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ

وَاتَّقِ اللّٰہَ (احزاب ۵)

اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لئے رہو اور خدا سے خوف کرو۔

لیکن یہ کسی طرح صحبت برآء نہ ہو سکے۔ اور آخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی بہن تھیں اور آپ ہی کی تربیت سے پلی تھیں آپ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا (چونکہ زید غلام رہ چکے تھے اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی) بہر حال وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپ ﷺ نے ان کی دلجوئی کے لئے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت تک متبنی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَتُخْفِي فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ

(احزاب ۵)

"اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہئے"

آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم زینبؓ کے پاس میرا پیغام لیکر جاؤ، زیدؓ ان کے گھر آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا۔ اور کہا زینبؓ! رسول اللہ ﷺ کا پیغام لایا ہوں" جواب ملا "میں بغیر استخارہ کئے کوئی رائے قائم نہیں کرتی" یہ کہا اور مصلیٰ پر کھڑی ہو گئیں ادھر رسول اللہ ﷺ پر وحی آئی فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا اور نکاح ہو گیا آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی جو اسلام کی سادگی کی اصلی تصویر تھی اس میں روٹی اور سالن کا انتظام تھا۔ انصار میں حضرت ام سلیمؓ نے جو آنحضرت ﷺ کی خالہ اور حضرت انسؓ کی والدہ تھیں، مالیدہ بھیجا تھا، غرض سب چیزیں جمع ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے حضرت انسؓ کو لوگوں کے بلانے کے لئے بھیجا، ۳۰۰ آدمی شریک دعوت ہوئے کھانے کے

وقت آنحضرت ﷺ نے دس دس آدمیوں کی ٹولیاں کردی تھیں' باری باری آتے اور کھانا کھا کر واپس چلے جاتے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۰۳ تفسیر سورہ احزاب)

اسی دعوت میں آیت حجاب اتری جس کی وجہ یہ تھی کہ چند آدمی مدعو تھے' کھا کر باتیں کرنے لگے اور اس قدر دیر لگائی کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی رسول اللہ ﷺ فرط مروت سے خاموش تھے بار بار اندر جاتے اور باہر آتے تھے اسی مکان میں حضرت زینبؓ بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور ان کا منہ دیوار کی طرف تھا۔

آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت کو دیکھ کر بعضوں کو خیال ہوا اور اٹھ کر چلے گئے حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ کی جو دوسری ازواج کے مکان میں تھے اطلاع دی آپ باہر تشریف لائے تو وحی کی زبان اس طرح گویا ہوئی۔

یاایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم الی طعام غیر نظرین انه ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا و لا مستانسین لحدیث . ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق واذا سألتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب . (احزاب . ۷)

" اے ایمان والو! نبی کے گھروں پر مت جایا کرو' مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ تم اس کی تیاری کے منتظر نہ رہو لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو' پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو' اس بات سے نبی کو ناگواری پیدا ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے لحاظ نہیں کرتا ہے اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر مانگو۔

آپ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر جانے کی ممانعت ہو گئی یہ واقعہ ذوالقعدہ ۵ ہجری کا ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کی چند خصوصیتیں ہیں جو کہیں اور نہیں پائی جاتیں ان کے نکاح سے جاہلیت کی ایک رسم کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے مٹ گئی' مساوات اسلامی کا وہ عظیم الشان منظر نظر آیا کہ آزاد و غلام کی تمیز اٹھ گئی پردہ کا حکم ہوا نکاح کے لئے وحی الٰہی آئی' ولیمہ میں تکلف ہوا اسی بناء پر حضرت زینبؓ اور ازواج کے مقابلہ میں فخر کیا کرتی تھیں۔ (ترمذی ص ۵۳۱ اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۶۴)

ازواج مطہراتؓ میں جو بیبیاں حضرت عائشہؓ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں ان میں حضرت زینبؓ خصوصیت کے ساتھ ممتاز تھیں خود حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔

هي التي كانت تساميني منهم في المنزلة عند رسول الله ﷺ(۱)

"ازواج میں سے وہی رسول اللہ ﷺ کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی تھیں"

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کی خاطر داری منظور رہتی تھی، یہی وجہ تھی کہ جب چند ازواج نے حضرت فاطمہؓ زہرا کو اپنا سفیر بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور وہ ناکام واپس ہوئیں تو سب نے اس خدمت (سفارت) کے لئے حضرت زینبؓ کا انتخاب کیا کیونکہ وہ اس خدمت کے لئے زیادہ موزون تھیں۔ انہوں نے بڑی دلیری سے پیغام ادا کیا اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہؓ اس رتبہ کی مستحق نہیں ہیں، حضرت عائشہؓ چپ سن رہی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھیں حضرت زینبؓ جب تقریر کر چکیں تو مرضی پا کر کھڑی ہوئیں اور اس زور و شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینبؓ لاجواب ہو کر رہ گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"کیوں نہ ہو! ابو بکرؓ کی بیٹی ہے"(۲)

وفات:

آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا۔

اسرعكن لحاقا بي اطولكن يداً

"تم میں مجھ سے جلدی وہ ملے گا جس کا ہاتھ لمبا ہو گا"

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا، لیکن ازواج مطہرات اس کو حقیقت نہ سمجھیں، چنانچہ باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بناء پر اس پیشن گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا خود انتظام کر لیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دیں تو ان میں سے ایک کو صدقہ کر دینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر میں داخل ہو گا؟ انہوں نے کہا کہ وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل

---

(۱) صحیح مسلم باب فضل عائشہؓ (۲) ایضاً

ہوا کرتا تھا چنانچہ اسامہ بن زیدؓ، محمد بن عبداللہ بن جحشؓ، عبداللہ بن ابی احمدؓ بن جحش نے ان کو قبر میں اتارا اور بقیع میں سپرد خاک کیا۔(۱)

حضرت زینبؓ نے ۲۰ھ ہجری میں انتقال کیا اور ۵۳ برس کی عمر پائی، واقدی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جس وقت نکاح ہوا اس وقت ۳۵ سال کی تھی لیکن یہ عام روایت کے خلاف ہے عام روایت کے مطابق ان کا سن ۳۸ سال کا تھا۔

حضرت زینبؓ نے مال متروکہ میں صرف ایک مکان یادگار چھوڑا تھا جس کو ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ حکومت میں پچاس ہزار درہم پر خرید کیا اور وہ مسجد نبوی ﷺ میں شامل کر دیا گیا۔ (طبری ص ۲۴۴۹ ج ۱۳)

حلیہ :

حضرت زینبؓ کوتاہ قامت لیکن خوبصورت اور موزون اندام تھیں۔(۲)

فضل و کمال :

روایتیں کم کرتی تھیں، کتب حدیث میں ان سے صرف گیارہ روایتیں منقول ہیں، راویوں میں حضرت ام حبیبہؓ، زینبؓ بنت ابی سلمہ، محمد بن عبداللہ بن جحشؓ (برادر زادہ) کلثوم بنت طلق اور مذکور (غلام) داخل ہیں۔ رضی اللہ عنہم

اخلاق :

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔

کانت زینبؓ صالحة صوامة قوامة (۳)

"یعنی حضرت زینب نیک خو، روزہ دار اور نماز گزار تھیں"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

لم ار امراة قط خيرا فى الدين من زينبؓ واتقى الله واصدق حديثا و اوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتذ الا لنفسها فى العمل الذى تصدق به و تقرب به الى الله ما عدا سورة من حدة كانت فيها تسرع منها الفيئة (۴)

"یعنی میں نے کوئی عورت زینبؓ سے زیادہ دیندار، زیادہ پرہیزگار، زیادہ راست

---

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۱ . مسلم ص ۳۴۱ ج ۲، اسد الغابہ ص ۴۶۵ ج ۵

(۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۸۳ (۳) زرقانی بحوالہ ابن سعد (۴) مسلم ج ۲ ص ۳۳۵ (فضل عائشہ)

گفتار، زیادہ فیاض، مخیر اور خدا کی رضا جوئی میں زیادہ سر گرم نہیں دیکھی فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی، جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔"

حضرت زینبؓ کا زہد و تورع میں یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ شریک تھیں آنحضرت ﷺ نے ان سے حضرت عائشہؓ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

ماعلمت الا خیراً

"مجھ کو حضرت عائشہؓ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں"

حضرت عائشہؓ کو انکے اس صدق و اقرار حق کا اعتراف کرنا پڑا۔

عبادت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف رہتی تھیں ایک مرتبہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے حضرت زینبؓ اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں حضرت عمرؓ نے ڈانٹا آپ نے فرمایا ان سے درگزر کرو، یہ اواہ (۱) ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھیں اور اس کو خدا کی راہ میں لٹا دیتی تھیں، حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی پیدا ہو گئی اور وہ گھبرا گئے (۲) ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا، انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور بزرہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو بزرہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انہوں نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہے وہ تمہارا ہے دیکھا تو پچاسی درہم نکلے جب تمام مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ خدایا! اس سال کے بعد میں عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اٹھاؤں گی اور دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا۔ (۳)

---

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۹۳

(۲) اصابہ ص: ۱۱۳ ج: ۸ بحوالہ ابن سعد

(۳) ابن سعد ج ۸ ص ۷۸

(۸) حضرت جویریہؓ

نام و نسب :

جویریہ نام، قبیلہ خزاعہ کے خاندان مصطلق سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے : جوریہؓ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو مزیقیاء۔ حارث بن ابی ضرار حضرت جویریہؓ کے والد خاندان بنو مصطلق کے سردار تھے۔ (طبقات ج: ۲ ق: ۱ ص: ۴۵)

نکاح :

حضرت جویریہؓ کا پہلا نکاح اپنے ہی قبیلہ میں مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا تھا۔

غزوہ مریسیع اور نکاح ثانی :

حضرت جویریہؓ کا باپ اور شوہر مسافع دونوں دشمن اسلام تھے چنانچہ حارث نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں، آنحضرت کو خبر ملی تو مزید تحقیقات کے لئے بریدہ بن حصیب اسلمی کو روانہ کیا انہوں نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا ۲ شعبان ۵ھ ہجری کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں اور مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے، پہنچ کر قیام کیا، لیکن حارث کو یہ خبریں پہلے پہنچ چکیں تھیں اس لئے اس کی جمعیت منتشر ہو گئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے، انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے مسلمانوں نے دفعتۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے ۱۱ آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہوئے جن کی تعداد تقریباً ۶ سو تھی غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں ابن اسحٰق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے حضرت جویریہؓ ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں انہوں نے ثابت سے درخواست کی کہ "مکاتبت کر لو، یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو" ثابت نے ۹ اوقیہ سونے

پر منظور کیا حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا چاہا کہ لوگوں سے روپیہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں، آنحضرت ﷺ کے پاس بھی آئیں، حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحٰق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ جویریہؓ نہایت شیریں ادا تھیں، میں نے ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھا کہ آنحضرت ﷺ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا، غرض وہ آنحضرت کے پاس گئیں آپ ﷺ نے فرمایا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہیں؟ انہوں نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "کہ تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں" حضرت جویریہؓ راضی ہو گئیں آپ نے تنہا وہ رقم ادا کر دی اور ان سے شادی کر لی۔

لیکن دوسری روایت میں اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ "میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے، میں اپنے قبیلے کا سردار اور رئیس عرب ہوں آپ اس کو آزاد کر دیں، آپ نے فرمایا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا کہ محمد ﷺ نے تیری مرضی پر رکھا ہے، دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا انہوں نے کہا" میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زر فدیہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔(۱)

حضرت جویریہؓ سے جب آپ ﷺ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ میں آ گئے تھے، دفعتہً رہا کر دیئے گئے فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔(۲)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے کسی عورت کو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے

---

(۱) ابن سعد ج ۸ ص ۸٤

(۲) ابو داؤد کتاب العتاق ج ۲ ص ۱۰۵، طبقات ج ۲ ق ۱ ص ٤٦، صحیح مسلم ص ٦١

حق میں مبارک نہیں دیکھا ان کے سبب سے بنو مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد کر دیئے گئے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰)

حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا آنحضرت ﷺ نے بدل کر جویریہؓ رکھا کیونکہ اس میں بدفالی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۱)

وفات:

حضرت جویریہؓ نے ربیع الاول ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کا سن ۶۵ برس تھا مروان نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حلیہ:

حضرت جویریہؓ خوبصورت اور موزون اندام تھیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔(۱)

کانت امرأة حلوة ملاحة لا یراها احد الا اخذت بنفسه

فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں، ان سے حسب ذیل بزرگوں نے حدیث سنی ہے، ابن عباس، جابر، ابن عمر، عبید بن السباق، طفیل، ابو ایوب، مراغی، کلثوم، ابن مصطلق، عبداللہ بن شداد بن الہاد کریب (رضی اللہ عنہم)

اخلاق:

حضرت جویریہؓ زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں آنحضرت ﷺ گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے، دوپہر کے قریب آئے تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا۔ (ترمذی ص ۵۹۰)

جمعہ کے دن آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے تو روزہ سے تھیں حضرت جویریہؓ سے دریافت کیا کل روزہ سے تھیں؟ بولیں "نہیں" فرمایا "تو کل رکھو گی؟" جواب ملا "نہیں" ارشاد ہوا "تو پھر تم کو افطار کر لینا چاہیئے" (بخاری ج۱ ص ۲۶۷)

(دوسری روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھتے تھے ان تین دنوں میں ایک دن جمعہ کا ضرور ہوتا تھا اس لئے تنہا جمعہ کے دن ایک روزہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے ائمہ حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالکؒ سے بھی جواز کی روایت ہے بعض

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۲۰

شافعیہ نے اس سے روکا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۴ ص ۲۰۴ امام ابو یوسف کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ جمعہ کے روزہ کے ساتھ ایک روزہ اور ملالیا جایا کرے (بذل المجہود جلد ۳ ص ۱۶۹) یہ بحث صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے کے متعلق ہے اور دنوں سے اس کا تعلق نہیں ہے)

آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی اور ان کے گھر آتے جاتے تھے، ایک مرتبہ آکر پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا، میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا وہی رکھا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں" فرمایا" اسے اٹھا لاؤ، کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا اس کو پہنچ چکا" (۱)

(۹) حضرت ام حبیبہؓ

نام و نسب :

رملہ نام، ام حبیبہؓ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے : رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، والدہ کا نام صفیہ بنت ابو العاص تھا جو حضرت عثمانؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں حضرت ام حبیبہؓ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔(۲)

نکاح :

عبید اللہ بن جحش سے کہ حرب بن امیہ کے حلیف تھے، نکاح ہوا۔(۳)

اسلام :

اور ان ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور حبش کو ہجرت کی حبش میں جا کر عبید اللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا ام حبیبہؓ سے بھی کہا لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں، اب وہ وقت آ گیا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المؤمنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو عبید اللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی مے نوشی کی عادت ہو گئی آخر ان کا انتقال ہو گیا۔(۴)

---

(۱) مسلم ج ۱ ص ۴۰۰ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۸۴

(۳) ایضاً (۴) زرقانی ج ۳ ص ۲۷۶ بحوالہ ابن سعد

نکاح ثانی:

عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہؓ کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ سے پیغام دیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے' انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں' جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفرؓ بن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ پر اتریں' آنحضرت اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے یہ ۷ھ ہجری یا ۶ھ ہجری کا واقعہ ہے۔(۱) اس وقت حضرت ام حبیبہؓ کی عمر ۳۶' ۳۷ برس کی تھی۔

حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں' ہم نے جو روایت لی ہے وہ مسند کی ہے اور مشہور روایتوں کے مطابق ہے البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحب زادیوں کا مہر چار چار سو درہم تھا۔ اس بناء پر چار سو دینار راوی کا سہو ہے' اس موقع پر ہم کو صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کرنا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ لوگ ابو سفیان کو نظر اٹھا کے دیکھنا اور اس کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے اس بناء پر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ۳ چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ ام حبیبہؓ سے شادی کر لیجئے آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمائی(۲) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سفیان کے مسلمان ہونے کے وقت حضرت ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں' لیکن یہ راوی کا وہم ہے' چنانچہ ابن سعد' ابن حزم' ابن جوزی' ابن اثیر' بیہقی اور عبد العظیم منذری نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں اور ابن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

وفات:

حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں ۴۴ھ ہجری

---

(۱) مسند - ۴۲۷ (و تاریخ طبری واقعات ۶ ہجری) (۲) مسلم ج ۲ ص ۳۶۱

میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں اس وقت ۷۳ برس کا سن تھا۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے مکان میں تھی (حضرت علیؓ بن حسینؓ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے مکان کا ایک گوشہ گھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا کہ "رملہ بنت صخر کی قبر ہے" چنانچہ اس کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا۔(۱)

وفات کے قریب حضرت ام حبیبہؓ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو اپنے پاس بلایا اور کہا (کہ سوکنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں کبھی ہو جایا کرتا تھا) اس لئے مجھ کو معاف کر دو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی) تو بولیں، تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش کرے۔(۲)

اولاد :

پہلے شوہر سے دو لڑکے پیدا ہوئے عبداللہ اور حبیبہ، حبیبہؓ نے نبوت کی آغوش میں تربیت پائی اور داؤد بن عروہ بن مسعود کو منسوب ہوئیں جو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم تھے۔

حلیہ :

خوبصورت تھیں، صحیح مسلم میں خود ابو سفیان کی زبانی منقول ہے۔(۳)

عندی احسن العرب واجمله ام حبیبه

"میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت موجود ہے"

فضل و کمال :

حضرت ام حبیبہؓ سے حدیث کی کتابوں میں (۶۵) روایتیں منقول ہیں راویوں کی تعداد بھی کم نہیں بعض کے نام یہ ہیں حبیبہؓ (دختر) معاویہ اور عتبہؓ پسران ابو سفیانؓ، عبداللہ بن عتبہ، ابو سفیان بن سعید ثقفی (خواہر زادہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابو الجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابو سلمہؓ، عروہ بن زبیرؓ، ابو صالح السمان، شہر بن حوشب

اخلاق :

حضرت ام حبیبہؓ کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب

---

(۱) استیعاب ج ۲ ص ۷۵۰ (۲) اصابہ جلد ۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد (ابن سعد جز نساص ۷۱)
(۳) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۶۱

ان کے باپ (ابو سفیان) کفر کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت ﷺ کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے حضرت ام حبیبہؓ نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا ابو سفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا (اسقدر عزیز ہے ! بولیں یہ آنحضرت ﷺ کا فرش ہے اور آپ مشرک ہیں اور اس بناء پر ناپاک ہیں' ابو سفیان نے کہا کہ تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی) (اصابہ ج:۸ ص ۸۵ بحوالہ ابن سعد)

حدیث پر بہت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں' ان کے بھانجے ابو سفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو لیکر کلی کی تو بولیں تم کو وضوء کرنا چاہئیے 'کیونکہ جس چیز کو آگ پکاوے اس کے استعمال سے وضوء لازم آتا ہے۔(۱) یہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے۔

(یہ حکم منسوخ ہے 'یعنی پہلے تھا' پھر حضور ﷺ نے اس کو باقی نہیں رکھا حضور ﷺ اور صحابہؓ کرام آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھاتے تھے (اور اگر پہلے سے وضوء ہوتا) تو دوبارہ وضوء نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے ہی وضوء سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے 'اسی قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہؓ کے حالات میں آئندہ ملے گی)

ابو سفیانؓ کا انتقال ہوا تو خوشبو لگا کر رخساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ کسی پر تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے (البتہ شوہر کے لئے چار مہینہ دس دن سوگ کرنا چاہئیے) (بخاری ج ۲ ص ۸۰۳)

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ فرماتی ہیں **فما برحت اصلیھن بعد** ! میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں 'اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو بن اویس اور عمر کے شاگرد نعمان بن سالم سب اپنے اپنے زمانے میں برابر یہ نمازیں پڑھتے تھے۔ (مسند ج ٦ ص ۳۲۷)

فطرۃً نیک مزاج تھیں' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے کہا میری بہن سے آپ نکاح کر لیجئے "فرمایا کیا یہ تمہیں پسند ہے ؟" بولیں (ہاں میں ہی آپ کی تنہا بیوی نہیں ہوں اس لئے میں یہ پسند کرتی ہوں کہ آپ کے نکاح کے سعادت میں میرے ساتھ

---

(۱) مسند ج ۲ ص ۳۲٦

میری بہن بھی شریک ہو) (۱)

(۱۰) حضرت میمونہؓ

نام و نسب:

میمونہ نام، قبیلہ قریش سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزن ابن بحیر بن ہزم بن روبیہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمتہ بن خصیفہ بن قیس بن عیلان بن مضر والدہ قبیلہ حمیر سے تھیں ان کا نام و نسب حسب ذیل ہے:

ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطتہ بن جرش۔

نکاح:

پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے نکاح ہوا (۲) لیکن کسی وجہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی پھر ابو درہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں آئیں۔ ابو درہم نے ۷ھ ہجری میں وفات پائی تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے انتساب کی کوشش کی۔

آنحضرت ﷺ ذوالقعدہ ۷ھ ہجری میں عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے، اسی احرام کی حالت میں حضرت میمونہؓ سے نکاح ہوا، (۳) حضرت عباسؓ نکاح کے متولی ہوئے تھے۔ (۴) آنحضرت ﷺ عمرہ سے فارغ ہو کر جب مدینہ واپس ہوئے تو سرف میں جو مدینہ کے راستے پر مکہ سے دس میل ہے (۵) قیام فرمایا، ابو رافع (آنحضرت ﷺ کے غلام) حضرت میمونہؓ کو لیکر سرف پہنچے اور یہیں رسم عروسی ادا ہوئی (۶) یہ آنحضرت ﷺ کا آخری نکاح تھا (۷) اور حضرت میمونہؓ سب سے آخری بیوی تھیں۔

وفات:

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور سرف ہی میں انہوں نے انتقال بھی کیا (۸) حضرت ابن عباسؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا صحاح میں ہے

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۷٦٤ (باب و امهاتکم التی ارضعنکم و یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب)

(۲) زرقانی ص ۲۸۸ ج ۳ (۳) بخاری ص ٦۱۱ ج ۲ (٤) نسائی ص ۵۱۳ (۵) تهذیب ٤۵۳ ج ۱۲ (٦) ابن سعد ص ۸۹ ج ۲ ق ۱ (۷) ذیل المذیل طبری ج ۱۳ ص ۲٤۵ (۸) بخاری ج: ۲ ص ٦۱۱ و مسند احمد ج ٦ ص ۳۳۳۔

کہ جب ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا "یہ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں" جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو باادب آہستہ لے چلو(۱)" سال وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ انہوں نے ۵۱ھ ہجری میں وفات پائی۔

فضل و کمال :

حضرت میمونہؓ سے (۴۶) حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ پراگندہ ہوئے تو کہا بیٹا! اس کا کیا سبب ہے؟ جواب دیا ام عمار میری کنگھا کرتی تھیں اور (آج کل ان کے ایام کا زمانہ ہے) بولیں کیا خوب! آنحضرت ﷺ ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور ہم اسی حالت میں ہوتے تھے' اسی طرح ہم چٹائی اٹھا کر مسجد میں رکھ آتے تھے' بیٹا! کہیں یہ ہاتھ میں بھی ہوتا ہے۔(۲)

حضرت میمونہؓ سے جن بزرگوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں :

حضرت ابن عباسؓ' عبداللہ بن شداد بن الہاد' عبدالرحمٰن بن السائب یزید بن اصم (یہ سب ان کے بھانجے تھے) عبید اللہ الخولانی (ربیب تھے)' ندبہ (کنیز تھیں) عطا بن یسار' سلیمان بن یسار (غلام تھے) ابراہیم بن عبداللہ بن معبد بن عباس' کریب (ابن عباس کے غلام) عبیدہ بن سباق' عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ غالیہ بنت سبیع۔

اخلاق :

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

انها كانت اتقانا الله واوصلنا للرحم (اصابہ ج۸ ص ۱۹۲' بحوالہ ابن سعد)

"میمونہ خدا سے بہت ڈرتی اور صلہ رحمی کرتی تھیں"

احکام نبوی ﷺ کی تعمیل ہر وقت پیش نظر رہتی تھی' ایک دفعہ ان کی کنیز بدیہ ابن عباسؓ کے گھر گئی تو دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے دور دور بچھے ہیں' خیال ہوا کہ شاید کچھ رنجش ہو گئی ہے' لیکن دریافت سے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ (بیوی کے ایام کا زمانہ ہے) اپنا بستر ان سے الگ کر لیتے ہیں آکر حضرت میمونہؓ سے بیان کیا تو بولیں ان سے جا کر کہو کہ رسول

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۷۵۸۔ (۲) مسند ج ۱۶ ص ۳۳۱

اللہ ﷺ کے طریقے سے اس قدر کیوں اعراض ہے ؟ آپ برابر ہم لوگوں کے بچھونوں پر آرام فرماتے تھے۔ (مسند ج ۲ ص ۳۳۲)

ایک عورت بیمار پڑی تو اس نے منت مانی کہ شفا ہونے پر بیت المقدس جاکر نماز پڑھے گی، خدا کی شان وہ اچھی ہو گئی اور سفر کی تیاریاں شروع کیں جب رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہؓ کے پاس آئی تو بولیں، تم یہیں رہو اور مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو کیونکہ یہاں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ (ایضاً ص ۳۳۳)

حضرت میمونہؓ کو غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا، ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ تم کو اس کا اجر دے) (ایضاً ص ۳۳۲)

حضرت میمونہ کبھی کبھی قرض لیتی تھیں ایک بار زیادہ رقم قرض لے لی تو کسی نے کہا کہ آپ اس کو کس طرح ادا کریں گی ؟ فرمایا "آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے خدا خود اس کا قرض ادا کر دیتا ہے" (ایضاً)

(۱۱) حضرت صفیہؓ

نام و نسب :

اصلی نام زینبؓ تھا، لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں اور عرب میں غنیمت کے ایسے حصہ کو جو امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا، صفیہ کہتے تھے اس لئے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہؓ کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے سیادت حاصل ہے باپ کا نام حی بن اخطب تھا جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور حضرت ہارونؑ کی نسل میں شمار ہوتا تھا ماں جس کا نام ضرد تھا، سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے ان تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنہوں نے زمانہ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

نکاح :

حضرت صفیہؓ کی شادی پہلے اسلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی اسلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو ابورافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا

کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا، حضرت صفیہؓ کے بھائی اور باپ بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دی انہوں نے حضرت صفیہؓ کو منتخب کیا لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسہ بنو نضیر و قریظہ کو دحیہ کو دے دیا وہ تو صرف آپ کے لئے سزاوار ہے، مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سابرتاؤ مناسب نہیں، چنانچہ حضرت دحیہؓ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا (۱)

خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی (۲) اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات میں داخل ہو گئیں۔ (طبقات ج ۸ جزء نساء ص ۸۶)

عام حالات:

حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے، جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ ہجری میں ہوا تھا، حضرت صفیہؓ نے ان کی بیحد مدد کی تھی، جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئیں اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں، غلام ساتھ تھا، اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آکر خچر کو مارنا شروع کیا، حضرت صفیہؓ نے کہا، مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، میں واپس جاتی ہوں، تم خچر کو چھوڑ دو، گھر واپس آئیں تو حضرت حسنؓ کو اس خدمت پر مامور کیا اور وہ انکے مکان سے حضرت عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے۔ (اصابہ ج ۱ ص ۱۲۷ بحوالہ ابن سعد)

وفات:

حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی، ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ثلث کے لئے اپنے یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئیں۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶)

---

(۱) بخاری کتاب الصلوۃ باب ما یذکر فی العقد، مسلم ج ۱ ص ۵۴۶ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶

حلیہ :

کوتاہ قامت اور حسین تھیں۔ (مسلم ج ۱ ص ۵٤۸)

فضل و کمال :

حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت زین العابدینؒ اسحاق بن عبداللہ بن حارث، مسلم بن صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں، چنانچہ حضرت صہیرہؓ بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں صہیرہؓ کا بھی یہی مقصد تھا اس لئے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کئے ایک فتویٰ نبیذ کا تھا حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں۔ (۱)

اخلاق :

حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسن اخلاق جمع تھے، اسد الغابہ (۲) میں ہے :

کانت عاقلة من عقلاء النساء

"وہ نہایت عاقلہ تھیں۔"

زرقانی میں ہے : (۳)

کانت صفية عاقلة حليمة فاضلة

"یعنی صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں"

حلم و تحمل ان کے باب فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے، غزوہ خیبر میں جب وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آ رہی تھیں تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ دیکھ کر چیخ اٹھتی تھیں حضرت صفیہؓ اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گزریں لیکن اب بھی اسی طرح پیکر متانت تھیں اور ان کی جبیں تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہود یہ کہا ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کنیز تھی جو حضرت عمرؓ سے جا کر ان کی شکایات کیا کرتی تھی، چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے وہ یوم السبت کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں حضرت عمرؓ نے تصدیق کے لئے ایک شخص

---

(۱) مسند جلد ٦ ص ۳۷۷ (۲) اسد الغابہ ج ٥ ص ٤۹۰ (۳) زرقانی ج ۳ ص ۲۹٦

کو بھیجا حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں اس کے بدلے خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے البتہ میں یہود کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں وہ میرے خویش واقارب ہیں اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی "ہاں مجھے شیطان نے بھکادیا تھا" حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔(۱)

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی، چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں "کاش! آپ کی بیماری مجھ کو مل جاتی" ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ سچ کہہ رہی ہیں (۲) (یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے)

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے ایک بار آپ سفر میں تھے، ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ تھے آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ کو دے دو انہوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے (۳) ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کی قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے (۴) (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)

ایک بار آپ ﷺ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہیں، آپ ﷺ نے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا "عائشہؓ اور حفصہؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں ہم آپ ﷺ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں" آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ "ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمد ﷺ میرے شوہر ہیں اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو۔(۵)

سفر حج میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں، آپ نے رداء اور

---

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۷ زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد
(۳) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد وزرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۴) ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹۳
(۵) ترمذی ص ۶۳۸ باب فضل ازواج النبی۔

دست مبارک سے ان کے آنسو پوچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں۔(۱)

حضرت صفیہؓ سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں' چنانچہ جب وہ ام المؤمنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہرات کو اپنے سونے کی بجلیاں تقسیم کیں۔(۲)

کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے پاس تحفۃً بھیجا کرتی تھیں' حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس انہوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

(۱۲) حضرت زینبؓ

نام و نسب :

آنحضرت ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں' بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت ﷺ کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئیں۔

نکاح :

ابو العاص بن ربیع لقیط سے جو حضرت زینبؓ کے خالہ زاد بھائی تھے نکاح ہوا۔

عام حالات :

نبوت کے تیرہویں سال جب آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل و عیال مکہ میں رہ گئے تھے حضرت زینبؓ بھی اپنی سسرال میں تھیں غزوہ بدر میں ابو العاص کفار کی طرف سے شریک ہوئے تھے عبداللہ بن جبیر انصاری نے ان کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہا کئے گئے کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو بھیج دیں گے۔(طبقات ج۸ ص ۲۰)

ابو العاص نے مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا' چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا' کنانہ نے ہتھیار ساتھ لے لئے تھے مقام ذی طویٰ میں پہنچے تو قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا' ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو نیزہ سے زمین پر گرادیا وہ حاملہ تھیں' حمل ساقط ہو گیا۔ کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ "اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیروں کا نشانہ ہو گا" لوگ ہٹ گئے تو ابو سفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا اور کہا "تیر روک لو ہم کو کچھ گفتگو کرنی ہے" انہوں نے تیر

---

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۹۶ (۲) زرقانی ج: ۳ ص: ۲۹۶

ترکش میں ڈال دیئے ابو سفیان نے کہا محمد ﷺ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں تم کو معلوم ہیں اب اگر تم اعلانیہ ان کی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال لے گئے تو لوگ کہیں گے کہ ہماری کمزوری ہے' ہم کو زینبؓ کے روکنے کی ضرورت نہیں جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے اس وقت چھپے چوری لے جانا' کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور حضرت زینبؓ کو لے کر مکہ واپس آئے۔ چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لے کر روانہ ہوئے زید بن حارثہؓ کو آنحضرت ﷺ نے پہلے سے بھیج دیا تھا وہ بطن یا جج میں تھے کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالہ کیا وہ ان کو لے کر روانہ ہو گئے۔(۱)

حضرت زینبؓ مدینہ میں آئیں اور اپنے شوہر ابو العاص کو حالت شرک میں چھوڑا جمادی الاول ۶ ہجری میں ابو العاص' قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے آنحضرت ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو ۷۰ اسواروں کے ساتھ بھیجا۔ مقام عیص میں قافلہ ملا۔ کچھ لوگ گرفتار کئے گئے اور مال و اسباب لوٹ میں آیا ان ہی میں ابو العاص بھی تھے ابو العاص آئے تو حضرت زینبؓ نے ان کو پناہ دی اور ان کی سفارش سے آنحضرت ﷺ نے ان کا مال بھی واپس کر دیا ابو العاص نے مکہ جا کر لوگوں کی امانتیں حوالہ کیں اور اسلام لائے۔ اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینہ میں آئے حضرت زینبؓ نے ان کو حالت شرک میں چھوڑا تھا اس لئے دونوں میں باہم تفریق ہو گئی تھی۔ وہ مدینہ آئے تو حضرت زینبؓ دوبارہ ان کے نکاح میں آئیں ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کوئی جدید نکاح نہیں ہوا' لیکن دوسری روایت میں تجدید نکاح کی تصریح ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہے لیکن فقہاء نے دوسری صورت پر عمل کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی یہ تاویل کی ہے کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہو گا' اسی لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کو نکاح اول سے تعبیر کیا ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابو العاصؓ نے حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی۔(۲)

---

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۲۲۳ (۲) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱

وفات:

نکاح جدید کے بعد حضرت زینبؓ بہت کم زندہ رہیں اور ۸ھ ہجری میں انہوں نے انتقال کیا حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ حضرت ام سلمہؓ اور ام عطیہؓ نے غسل دیا جسکا طریقہ خود آنحضرت ﷺ نے بتلادیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، خود قبر میں اترے اور اپنے نوردیدہ کو خاک کے سپرد کیا اس وقت چہرہ مبارک پر حزن و ملال کے آثار نمایاں تھے۔(۱)

اولاد:

حضرت زینبؓ نے دو اولاد چھوڑی، علیؓ اور امامہؓ، علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن میں وفات پائی لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ میں شہادت پائی فتح مکہ میں یہی آنحضرت ﷺ کے ردیف تھے امامہ عرصہ تک زندہ رہیں اور ان کا حال آگے آئے گا۔

اخلاق و عادات:

آنحضرت ﷺ اور اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی تھیں حضرت انسؓ نے ان کو ریشمی چادر اوڑھے دیکھا تھا، جس پر زرد دھاریاں پڑی ہوئی تھیں۔(۲)

(۱۳) حضرت رقیہؓ

نام ونسب:

مشہور روایت کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ہیں جو قبل نبوت پیدا ہوئیں۔

نکاح:

پہلے ابو لہب کے بیٹے (عتبہ) سے شادی ہوئی یہ قبل نبوت کا واقعہ ہے آنحضرت ﷺ کی تیسری صاحبزادی ام کلثومؓ کی شادی ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی

اسلام:

جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام کا اظہار فرمایا تو

---

(۱) طبقات ج ۸ ص ۲٤ بخاری ج ۱ ص ۱٦۷ و مسلم ج ۱ ص ۳٤٦ و اسد الغابہ ج ۵ ص ٤٦۸ (۲) طبقات ج ۸ ص ۲۲

ابو لہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا "اگر تم محمد (ﷺ) کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا حرام ہے دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی آنحضرت ﷺ نے حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔

عام حالات :

نبوت کے پانچویں سال حضرت عثمانؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی حضرت رقیہؓ بھی ساتھ گئیں، جب واپس آئیں تو مکہ کی سر زمین پہلے سے زیادہ خونخوار تھی چنانچہ دوبارہ ہجرت کی مدت تک آنحضرت ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا ایک عورت نے آکر خبر دی کہ "میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے" آنحضرت ﷺ نے دعا دی اور فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بی بی کو لیکر ہجرت کی ہے۔(۱)

اس مرتبہ حبش میں زیادہ عرصہ تک مقیم رہیں، جب یہ خبر پہنچی کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں تو چند بزرگ جن میں حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت رقیہؓ بھی تھیں مکہ آئے اور آنحضرت ﷺ کی اجازت سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی جہاں انہوں نے حضرت حسانؓ کے بھائی اوس بن ثابتؓ کے گھر میں قیام کیا۔

وفات :

۲ھ ہجری میں جو غزوہ بدر کا سال تھا۔ حضرت رقیہؓ کے دانے نکلے اور نہایت سخت تکلیف ہوئی آنحضرت ﷺ اس زمانہ میں بدر کی تیاریاں کر رہے تھے۔ غزوہ کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمانؓ کو تیمار داری کے لئے چھوڑ دیا(۲) عین اسی دن جس دن زید بن حارثہؓ نے مدینہ میں آکر فتح کا مژدہ سنایا حضرت رقیہؓ نے وفات پائی، آنحضرت ﷺ غزوہ کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے، لیکن جب واپس آئے اور اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا "عثمانؓ بن مظعون پہلے جا چکے اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ" اس فقرہ نے عورتوں میں کہرام برپا کر دیا حضرت عمرؓ کوڑا لے کر مارنے کے لئے اٹھے آپ نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا "رونے میں کچھ حرج نہیں لیکن نوحہ و بین شیطانی حرکت ہے اس سے قطعاً بچنا چاہئیے" سیدہ عالم حضرت فاطمہ زہراؓ بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئیں وہ قبر کے پاس بیٹھ کر روتی جاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ کپڑے سے ان کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۷ (۲) بخاری ج ۱ ص ۴۴۲

اولاد :

حبش کے زمانہ قیام میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جس کا نام عبداللہ تھا حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ اسی کے نام پر تھی چھ سال تک زندہ رہا ایک مرتبہ ایک مرغ نے اس کے چہرہ پر چونچ ماری اور جاں بحق تسلیم ہو گیا یہ جمادی الاول ۴ھ ہجری کا واقعہ ہے عبداللہ کے بعد حضرت رقیہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حلیہ :

حضرت رقیہؓ خوب رو اور موزون اندام تھیں۔ زرقانی میں ہے۔(۱)

کانت بارعة الجمال

"وہ نہایت جمیل تھیں"

(۱۴) (۳) حضرت ام کلثومؓ

نام و نسب :

یہ تیسری صاحب زادی ہیں اور کنیت ہی کے ساتھ مشہور ہیں۔

نکاح :

۳ھ ہجری میں جب حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو ربیع الاول میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ام کلثومؓ کے ساتھ نکاح کر لیا بخاری میں ہے کہ جب حضرت حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت عثمانؓ نے تامل کیا لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے کہا "میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمانؓ کے لئے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں تم اپنی لڑکی کی مجھ سے شادی کر دو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کر دیتا ہوں" بہر حال نکاح ہوا اور نکاح کے بعد ام کلثومؓ ۶ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں۔

وفات :

شعبان ۹ھ ہجری میں وفات پائی آنحضرت ﷺ کو سخت صدمہ ہوا قبر پر بیٹھے تو آنکھوں سے آنسو جاری تھے آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابو طلحہؓ، حضرت علیؓ، فضل

---

(۱) استیعاب ج ۲ ص ۴۷، طبقات ج ۸ ص ۲۴ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۶، ۴۵۷ زرقانی ج ۳ ص ۲۶۲

بن عباس اور اسامہؓ بن زید نے قبر میں اتارا۔(۱) طبقات ج ۸ ص ۲۵، ۲۶، بخاری ج ۱ ص ۱۷۱

اولاد :

کوئی اولاد نہیں ہے۔

(۱۵)　　(۴) حضرت فاطمہ زہراؓ

نام ونسب :

فاطمہؓ نام 'زہرا لقب تھا۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں سن ولادت میں اختلاف ہے ایک روایت ہے کہ ۱ھ بعثت میں پیدا ہوئیں۔ ابن اسحٰق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی۔ آپ ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی اس بناء پر بعضوں نے دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ ۱ھ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؓ پیدا ہوئی ہوں گی اور چونکہ دونوں کی مدت میں بہت کم فاصلہ ہے اس لئے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہو گا۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر جب ہو رہی تھی، پیدا ہوئیں بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئیں۔

نکاح :

حضرت فاطمہؓ جب مشہور روایت کے مطابق ۱۸ سال اور اگر ۱ھ بعثت کو ان کا سال ولادت تسلیم کیا جائے تو پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی ہوئیں تو ذی الحجہ ۲ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہو گا، پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی۔ ان کو بھی آپ ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر دینے کے لئے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا" اور

وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی ؟" (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے آپ ﷺ نے فرمایا بس وہ کافی ہے حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اس کو ۴۸۰ درہم پر فروخت کیا اور قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے ڈال دی آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں۔

زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی' حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہؓ زہرا کے نذر کیا حضرت علیؓ اب تک آنحضرت ﷺ کے پاس رہتے تھے شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر کر لیں حارثہ بن نعمان انصاریؓ کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ ان ہی سے کوئی مکان دلوا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہاں تک 'اب ان سے کہتے شرم آتی ہے حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور ﷺ میں اور میرے پاس جو کچھ ہے' سب آپ کا ہے خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا حضرت فاطمہؓ اس میں اٹھ گئیں

شہنشاہ مدینہ (ﷺ) نے سیدہ عالمؓ کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی' چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے' ایک چھاگل' دو مٹی کے گھڑے 'ایک مشک اور دو چکیاں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرت ﷺ انکے پاس تشریف لے گئے دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا' پھر اندر آئے ایک برتن میں پانی منگوایا دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا' پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں بہتر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔(۱)

داغ بے پدری :

حضرت فاطمہؓ کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۲۹ سال کی تھی جب رسالت مآب ﷺ نے رحلت فرمائی حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اب صرف وہی باقی رہ گئی تھیں اس لئے ان کو صدمہ بھی اوروں سے زیادہ ہوا وفات سے پہلے ایک دن آنحضرت ﷺ نے ان کو بلا بھیجا' تشریف لائیں' تو ان سے کچھ کان میں

---

(۱) یہ تمام تفصیل بخاری ج ۲ ص ۵۷۱ 'طبقات ابن سعد ج ۸ 'زرقانی ج ۲ اور اصابہ ج ۸ سے ماخوذ ہے۔

باتیں کیں، وہ رونے لگیں، پھر بلا کر کچھ کان میں کہا تو ہنس پڑیں حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو کہا "پہلی دفعہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسی مرض میں انتقال کروں گا جب میں رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تمہیں مجھ سے آ کر ملو گی تو ہنسنے لگی۔"(۱)

وفات سے پہلے جب بار بار آپ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تو حضرت فاطمہؓ یہ دیکھ کر بولیں واکرب اباہ- ہائے میرے باپ کی بے چینی! آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا(۲) آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمہؓ پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑی اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ جب تک زندہ رہیں کبھی تبسم نہیں فرمایا (۳) بخاری میں لکھا ہے کہ جب صحابہؓ نعش مبارک کو دفن کر کے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا: "کیا تم کو رسول اللہ ﷺ پر خاک ڈالتے اچھا معلوم ہوا؟"(۴)

آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ، ازواج مطہراتؓ۔ یہ تمام بزرگ میراث کے مدعی تھے حضرت فاطمہؓ کا بھی ایک قائم مقام موجود تھا چونکہ آنحضرت ﷺ کی جائیداد خالصہ جائیداد تھی۔ اور اس میں قانون وراثت جاری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے اعزہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں لیکن دقت یہ ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء جو متروکہ چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اس بنا پر میں اس جائیداد کو کیوں کر تقسیم کر سکتا ہوں، البتہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں اہل بیت جس حد تک اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اب بھی اٹھا سکتے ہیں۔ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ اس گفتگو کا حضرت فاطمہؓ کو سخت قلق ہوا اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس قدر ناراض ہوئیں کہ آخر وقت تک ان سے گفتگو نہیں کی (۵) (طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بعد کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے راضی ہو گئیں تھیں)

وفات:

آنحضرت ﷺ کے انتقال کو ۶ ماہ گزرے تھے کہ رمضان ۱۱ھ ہجری میں حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی اور آنحضرت ﷺ کی یہ پیشن گوئی کہ "میرے خاندان میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آ کر ملو گی" پوری ہوئی یہ منگل کا دن تھا اور رمضان کی تیسری تاریخ

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۶۳۸ (۲) بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ (۳) اسدالغابہ ج ۵ ص ۵۲۴
(۴) بخاری ج ۲ ص ۶۴۱ (۵) بخاری ج ۲ ص ۵۲۶، ج ۲ ص ۶۰۹

تھی اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا تھا لیکن اگر دوسری روایتوں کا لحاظ کیا جائے تو اس سے مختلف ثابت ہوگا' چنانچہ ایک روایت میں ۲۴ سال' ایک میں ۲۵ سال اور ایک میں ۳۰ سال مذکور ہے۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت (۲۹ سال) زیادہ صحیح ہے اگر ۴۱ھ (محمدی) کو سال ولادت قرار دیا جائے تو اس وقت ان کا یہ سن نہیں ہو سکتا تھا البتہ اگر ۲۴ سال کی عمر تسلیم کی جائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ پانچ برس قبل نبوت میں پیدا ہوئیں تو اس وقت ان کا سن ۲۹ سال کا ہو سکتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی تجہیز و تکفین میں خاص جدت کی گئی' عورتوں کے جنازہ پر جو آج کل پردہ لگانے کا دستور ہے۔ اس کی ابتداء ان ہی سے ہوئی۔ اس سے پیشتر عورت اور مرد سب کا جنازہ کھلا ہوا جاتا تھا۔ چونکہ حضرت فاطمہؓ کے مزاج میں انتہاء کی شرم و حیاء تھی' اس لئے انہوں نے حضرت اسماءؓ بنت عمیس سے کہا کہ کھلے جنازہ میں عورتوں کی بے پردگی ہوتی ہے جس کو میں ناپسند کرتی ہوں اسماءؓ نے کہا جگر گوشہ رسول ﷺ! میں نے حبش میں ایک طریقہ دیکھا ہے آپ کہیں تو اس کو پیش کروں یہ کہہ کر خرمہ کی چند شاخیں منگوائیں اور ان پر کپڑا تانا' جس سے پردہ کی صورت پیدا ہو گئی' حضرت فاطمہؓ بے حد مسرور ہوئیں کہ یہ بہترین طریقہ ہے' حضرت فاطمہؓ کے بعد حضرت زینبؓ کا جنازہ بھی اسی طریقہ سے اٹھایا گیا۔ (اسدالغابہ ج ۵ ص ۵۲۴)

حضرت فاطمہؓ کی قبر کے متعلق بھی سخت اختلاف ہے بعضوں کا خیال ہے کہ وہ بقیع میں حضرت امام حسنؓ کے مزار کے پاس مدفون ہوئیں' ابن زبالہ نے یہی لکھا ہے اور مؤرخ مسعودی نے بھی اسی قسم کی تصریح کی ہے مؤرخ موصوف نے ۳۳۲ھ ہجری میں بقیع کی ایک قبر پر ایک کتبہ دیکھا تھا جس میں لکھا تھا کہ "یہ فاطمہ زہراؓ کی قبر ہے"(۱) لیکن طبقات کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دار عقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔(۲)

ایک روایت یہ ہے کہ وہ خاص اپنے مکان میں دفن کی گئیں' اس پر ابن شیبہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ پھر پردہ دار جنازہ کی کیا ضرورت ہے لیکن طبقات کی ایک روایت سے اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ' سلمیٰ کے گھر میں بیمار ہوئی تھیں' وہیں انتقال کیا اور وہیں ان کو غسل دیا گیا پھر حضرت علیؓ جنازہ اٹھا کر باہر لائے اور دفن کیا۔(۳) آج حضرت

---

(۱) خلاصة الوفاء ص ۲۱۷ (۲) طبقات ج ۸ ص ۲۰ (۳) ایضاً ص ۱۸

فاطمہؓ کی قبر متفقہ طور پر دار عقیل ہی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ محمد لبیب بک تبنونی نے جو ۱۳۲۲ھ ہجری میں خدیو مصر کے سفر حجاز میں ہمرکاب تھے اپنے سفر نامہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ (۱)

اولاد:

حضرت فاطمہؓ کے پانچ اولادیں ہوئیں حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینب (رضی اللہ عنہم) محسنؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا حضرت زینبؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور ام کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ میں مشہور ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو ان سب سے نہایت محبت تھی اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی صاحب زادیوں میں صرف حضرت فاطمہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آپ ﷺ کی نسل باقی رہی۔

حلیہ:

حضرت فاطمہؓ زہرا کا حلیہ مبارک جناب رسالت مآب ﷺ سے ملتا جلتا تھا حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ فاطمہؓ کی گفتگو، لب و لہجہ اور نشست و برخاست کا طریقہ بالکل آنحضرت ﷺ کا طریقہ تھا (۲) اور رفتار بھی بالکل آنحضرت ﷺ کی رفتار تھی۔ (۳)

فضل و کمال:

حضرت فاطمہؓ سے کتب حدیث میں ۱۸ روایتیں منقول ہیں جن کو بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے ان سے روایت کیا ہے حضرت علیؓ بن ابی طالب، حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت سلمیٰؓ، ام رافعؓ اور حضرت انسؓ بن مالک ان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

تفقہ پر واقعات ذیل شاہد ہیں:

حضرت علیؓ کسی سفر میں گئے تھے واپس آئے تو حضرت فاطمہؓ نے قربانی کا گوشت پیش کیا۔ انکو عذر ہوا، حضرت فاطمہؓ نے کہا، اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دیدی ہے۔ (مسند ج ٦ ص ٢٨٢)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے ہاں گوشت تناول فرمارہے تھے کہ نماز کا

---

(۱) الرحلۃ الحجابیۃ (۲) صحیح ترمذی ص ٦٣٦ (۳) بخاری ج۲ ص ٩٣٠

وقت آگیا آنحضرت ﷺ اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے، چونکہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے حضرت فاطمہؓ نے دامن پکڑا کہ وضو کر لیجئے، ارشاد ہوا بیٹی! وضو کی ضرورت نہیں ہے، تمام اچھے کھانے آگ ہی پر تو پکتے ہیں۔ (۱)

فضل وکمال:

حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ (۲) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

فاطمة بضعة منى فمن اغضبها فقداغضبنى (۳)

"فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جو اس کو ناراض کرے گا مجھ کو ناراض کرے گا"

ابو جہل کی لڑکی کو حضرت علیؓ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا بارگاہ نبوت ﷺ میں اطلاع ہوئی تو حضور اکرم ﷺ منبر پر چڑھے اور حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

ان بنى هشام بن المغيرة استاذ نونى فى ان ينكحوا ابنتهم على بن ابى طالب فلا آذن ثم لا آذن لااذن الا ان يريد ابن ابى طالب ان يطلق ابنتى وينكح ابنتهم فانها هى بضعة منى يريبنى مارابها ويوذينى ماا ذاها

"آل ہشام، علی بن ابی طالب سے اپنی بیٹی کا عقد کرنا چاہتی ہے اور مجھ سے اجازت مانگتی ہے لیکن میں اجازت نہیں دوں گا اور کبھی نہ دوں گا۔ البتہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیکر ان کی لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں، فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھ کو اذیت دی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۸۷)

ان فاطمة منى و انا اتخوف ان تفتن فى دينها ثم ذكر صهرا ما من بنى عبد شمس فاثنى عليه فى مصاهرته اياه قال حدثنى فصدقنى وعدنى فو فى لى وانى لست احرم حلالاً ولا احل حراما ولكن والله الا تجتمع بنت رسول الله ﷺ و بنت عدوالله ابداً (بخاری ج ۱ ص ۴۳۸)

(اس کے بعد ابو العاص بن ربیع کا جو آپ کے داماد تھے، ذکر فرمایا کہ) اس نے مجھ سے جو بات کہی اس کو سچ کر کے دکھلا دیا اور جو وعدہ کیا وفا کیا اور میں حلال کو حرام اور حرام کو

---

(۱) ... ص ۳۸۳ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۱۵۷ (۳) بخاری ج ۱ ص ۵۳۳

حلال کرنے نہیں کھڑا ہوا لیکن خدا کی قسم! ایک پیغمبر اور ایک دشمن خدا کی بیٹیاں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جناب سیدہ کی حیات تک حضرت علیؓ نے دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت فاطمہؓ کا شمار آنحضرت ﷺ نے ان چند مقدس خواتین میں فرمایا ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ قرار پائی ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

كفاك من نساء العالمين مريم بنت عمران و خديجة بنت خويلد و فاطمة بنت محمد و آسية امرأة فرعون (ترمذی کتاب المناقب)

"تمہاری تقلید کے لئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریمؑ، خدیجہؓ، فاطمہؓ اور آسیہؓ کافی ہیں" (ترمذی کتاب المناقب)

زہد و ورع کی یہ کیفیت تھی کہ گو وہ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں اور اسلام میں رہبانیت کا قلع قمع بھی کر دیا گیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی۔ لیکن جانتے ہو کہ اس میں جگر گوشہ رسول ﷺ کا کتنا حصہ تھا؟ اس کا جواب سننے سے پہلے آنکھوں کو اشک بار ہو جانا چاہیئے۔

سیدہ عالمؓ کی خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے۔ چولھے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو ارشاد ہوا کہ جان پدر! بدر کے یتیم تم سے پہلے اس کے مستحق ہیں۔ (ابوداؤد)

ایک دفعہ آپ حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے، دیکھا کہ انہوں نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر ڈھانکتی ہیں تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپاتی ہیں تو سر برہنہ رہ جاتا ہے۔ شعر

یوں کی ہے اہل بیت مطہرؓ نے زندگی
یہ ماجرائے دختر خیر الانام تھا
(شبلی)

صرف یہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ خود ان کو آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزیں ان کو دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں ان کو بھی ناپسند فرماتے تھے' چنانچہ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ان کو سونے کا ہار دیا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا "کیوں فاطمہؓ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے!" حضرت فاطمہؓ نے اس کو فوراً بیچ کر اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے' حضرت فاطمہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لگائے اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے آپ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس گئے' حضرت فاطمہؓ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر ڈالا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے' بچے آپ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے آپ نے فرمایا "یہ میرے اہل بیت ہیں میں نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں" اسکے بدلے فاطمہؓ کے لئے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے کنگن خرید لاؤ(۱)

صدق و راستی میں بھی ان کا کوئی حریف نہ تھا حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔(۲)

ما رایت احد اکان اصدق بھجة من فاطمة الا ان یکون المذی ولدھا ﷺ

" میں نے فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو صاف گو نہیں دیکھا البتہ ان کے والد (ﷺ) اس سے مستثنیٰ ہیں"

حد درجہ حیادار تھیں' ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کو طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں اپنے جنازہ پر پردہ کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ بھی اسی بناء پر تھی۔

آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت کرتی تھیں' جب وہ خورد سال تھیں اور آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے نماز پڑھنے کی حالت میں ایک مرتبہ آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑے تھے' کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی وہ اگرچہ اس وقت صرف ۵۔۶ برس کی تھیں لیکن جوش محبت سے دوڑی ہوئی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔(۳)

آنحضرت ﷺ بھی ان سے نہایت محبت کرتے تھے' معمول تھا کہ جب کبھی

---

(۱) یہ تمام واقعات ابو داؤد اور نسائی میں مذکور ہیں (۲) استیعاب ج ۲ ص ۷۷۲ (۳) بخاری ج ۱ ص ۷۴'۳۸

سفر فرماتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لاتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہؓ ہی ہوتیں، حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے 'ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے۔

آپ ہمیشہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات میں خوش گواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے' چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی تو آنحضرت ﷺ دونوں میں صلح کرا دیتے تھے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا آپ گھر میں تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی' گھر سے مسرور نکلے' لوگوں نے پوچھا آپ گھر میں گئے تھے تو اور حالت تھی اب آپ اس قدر خوش کیوں ہیں؟ فرمایا میں نے ان دو شخصوں میں مصالحت کرا دی ہے جو مجھ کو محبوب تر ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی وہ آنحضرت ﷺ کے پاس شکایت لے کر چلیں پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا" بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہئیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے حضرت علیؓ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا" اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا"

(۱۶) حضرت امامہؓ

نام و نسب:

ابو العاصؓ بن ربیع کی صاحب زادی ہیں' جو زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے بطن سے پیدا ہوئیں آبائی شجرہ نسب یہ ہے 'امامہؓ بنت ابو العاص بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف۔

عام حالات:

آنحضرت ﷺ کو امامہؓ سے نہایت محبت تھی' آپ ان کو اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ مسجد میں امامہؓ کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے

پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔(۱) اللہ اکبر۔

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیے میں بھیجیں، جن میں ایک زریں ہار بھی تھا امامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں آپ نے فرمایا میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہؓ کو حاصل ہوگا لیکن آپ ﷺ نے امامہؓ کو بلا کر وہ ہار خود ان کے گلے میں ڈال دیا۔ بعض روایتوں میں ہار کے بجائے انگوٹھی کا ذکر ہے(۲) اور اس میں ہدیہ بھیجنے والے کا نام بھی آگیا ہے یعنی نجاشی۔(۳)

نکاح:

آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت سن شعور کو پہنچ چکی تھیں اس لئے جب حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا تو حضرت علیؓ نے امامہؓ سے نکاح کر لیا ابو العاص نے حضرت زبیر بن عوامؓ کو جو عشرہ مبشرہ میں داخل اور آنحضرت ﷺ کے پھوپھیرے بھائی تھے، امامہؓ کے نکاح کی وصیت کی تھی، چنانچہ یہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی، اور نکاح بھی خود ان ہی نے پڑھایا یہ ۱۱ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

۴۰ھ ہجری میں جب حضرت علیؓ نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل (عبد المطلب کے پڑپوتے) کو وصیت کر گئے کہ امامہ سے نکاح کر لیں چنانچہ مغیرہ نے تعمیل کی اس کے قبل امیر معاویہؓ کا پیغام پہنچا تھا اور انہوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ہزار دینار (۵ ہزار روپے) اس تقریب میں خرچ کئے جائیں لیکن امامہؓ نے مغیرہ کو اطلاع دی تو انہوں نے فوراً حضرت حسنؓ کی اجازت سے نکاح پڑھا لیا۔(۴)

وفات:

حضرت امامہؓ نے مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔(۵)

اولاد:

مغیرہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ امامہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

---

(۱) بخاری ج ۱ ص ۷٤ و زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵ (۲) زرقانی ج ۳ ص ۲۲۵ بروایت مسند احمد بن حنبل (۳) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷
(٤) طبقات ج ۸ ص ۲۷ و اسد الغابہ ج ۵ ص ٤۰۰ واستیعاب ج ۲ ص ۷۲۸
(۵) اصابہ ج ۸ ص ١٤

(۱۷) حضرت صفیہؓ

نام ونسب :

صفیہ نام، عبدالمطلب، جد رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں، ماں کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو حضرت آمنہ (آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ) کی ہمشیر ہیں اس بناء پر حضرت صفیہؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی ہونے کے ساتھ آپ کی خالہ زاد بہن بھی تھیں حضرت حمزہؓ عم رسول اللہ ﷺ بھی ہالہ سے پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ اور حضرت صفیہ حقیقی بھائی بہن تھے۔

نکاح :

ابوسفیان بن حرب کے بھائی حارث سے شادی ہوئی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد سے نکاح ہوا جس سے حضرت زبیرؓ پیدا ہوئے۔

اسلام :

۴۰ برس کی عمر ہوئی تو آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے آنحضرت ﷺ کی تمام پھوپھیوں میں یہ شرف صرف حضرت صفیہؓ کو حاصل ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسد الغابہ میں ہے **والصحیح انه لم یسلم غیرھا** (۱) یعنی صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا آنحضرت ﷺ کی کوئی پھوپھی ایمان نہیں لائیں۔

عام حالات :

حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہجرت کی 'غزوہ احد میں جب مسلمانوں نے شکست کھائی تو وہ مدینہ سے نکلیں، صحابہؓ سے عتاب آمیز لہجہ میں کہتی تھیں کہ "رسول اللہ کو چھوڑ کر چل دیئے ؟ (۲) آنحضرت ﷺ نے ان کو آتے دیکھا تو حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں آنحضرت ﷺ نے اجازت دی لاش پر گئیں خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوئے تھے لیکن

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲ (۲) طبقات ج ۸ ص ۲۸

اناللہ و انا الیہ راجعون کہہ کر چپ ہوگئیں (۱) اور مغفرت کی دعا مانگی 'واقعہ چونکہ نہایت درد انگیز تھا اس لئے ایک مرثیہ کہا جس کے ایک شعر میں آنحضرت ﷺ کو اس طرح مخاطب (۲) کرتی ہیں۔

ان یوما اتی علیک لیوم کورت شمسہ و کان مضباء

(آج آپ پر وہ دن آیا ہے جس میں آفتاب سیاہ ہوگیا ہے حالانکہ پہلے وہ روشن تھا)

غزوہ احد کی طرح غزوہ خندق میں بھی انہوں نے نہایت ہمت اور استقلال کا ثبوت دیا انصار کے قلعوں میں فارع سب سے مستحکم قلعہ تھا اور حضرت حسانؓ کا تھا۔ یہ قلعہ یہود بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا مستورات اسی میں تھیں اور ان کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے' یہود نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے۔ قلعہ پر حملہ کر دیا ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا حضرت صفیہؓ نے دیکھ لیا۔ حسانؓ سے کہا کہ اتر کر قتل کر دو ورنہ یہ جاکر دشمنوں کو پتہ دے گا حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس سے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکتے تھے اس بناء پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا کہ میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسانؓ نے کہا جانے دیجئے مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں' حضرت صفیہؓ نے کہا۔ اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو تاکہ یہودی مرعوب ہو جائیں لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینی پڑی یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۷'۲۸ واسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۳)

۱۱ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا' حضرت صفیہؓ کو جو صدمہ ہوا ہوگا' ظاہر ہے نہایت پر درد مرثیہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

لفقد رسول اللہ اذھان یومہ فیا عین جودی بالدموع السواجم

(آنحضرت ﷺ کی وفات پر اے آنکھ خوب آنسو بہا)

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۹۲ (اصابہ ج ۸ ص ۲۲۹) (۲) ایضاً

یہ مرثیہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے۔(۱)

وفات:

حضرت صفیہؓ نے ۲۰ھ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں اس وقت تہتر برس کا سن تھا۔

فضل و کمال:

حضرت صفیہؓ نے بقول صاحب اصابہ کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں لیکن ہماری نظر سے نہیں گزریں اور نہ مسند میں ان کی حدیثوں کا پتہ چلتا ہے۔(۲)

(۱۸) حضرت ام ایمنؓ

نام و نسب:

برکت نام، ام ایمن کنیت، ام الظباء عرف، سلسلہ نسب یہ ہے: برکت بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان۔ حبشہ کی رہنے والی تھیں اور حضرت عبداللہ (پدر آنحضرت ﷺ) کی کنیز تھیں بچپن سے عبداللہ کے ساتھ رہیں اور جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت آمنہ کے پاس رہنے لگیں اس کے بعد خود سرور کائنات کے حلقہ غلامی میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ آنحضرت ﷺ کی ان ہی نے پرورش اور پرواخت کی تھی۔(۳)

نکاح:

حارث بن خزرج کے خاندان(۴) میں عبید بن زید ایک شخص تھے ام ایمنؓ کا ان ہی کے ساتھ عقد ہوا لیکن جب انہوں نے وفات پائی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ سے کہ محبوب خاص تھے، نکاح پڑھایا یہ بعثت کے بعد کا واقعہ ہے۔

اسلام:

حضرت زید چونکہ مسلمان ہو چکے تھے ام ایمن نے بھی اسلام قبول کیا۔

---

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۹ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۱۲۸

(۳) اصابہ ج ۸ ص ۲۱۲، ۲۱۳

(۴) بخاری ج ۱ ص ۵۲۹ میں ایمنؓ کے متعلق مذکور ہے وھو رجل من الانصار

عام حالات:

جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو وہ بھی گئیں اور وہاں سے ہجرت کے بعد مدینہ واپس آئیں غزوہ احد میں شرکت کی اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی تیمارداری کرتی تھیں غزوہ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔

۱۱ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا ام ایمنؓ سخت مغموم تھیں اور رو رہی تھیں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے سمجھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے جواب ملا "یہ خوب معلوم ہے" اور یہ رونے کا سبب بھی نہیں رونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر اس جواب کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے ساتھ مل کر زار و قطار رونے لگے (۱)

۲۳ھ ہجری میں حضرت عمرؓ نے شہادت پائی ام ایمنؓ کو معلوم ہوا تو بہت روئیں، لوگوں نے کہا اب کیوں روتی ہو؟ بولیں "اب اس کے لئے کہ اسلام کمزور پڑ گیا" (۲)

وفات:

ام ایمنؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

اولاد:

دو اولادیں ہوئیں۔ ایمنؓ اور اسامہؓ ایمن پہلے شوہر سے تھے صحابی ہیں۔ خیبر میں شہادت پائی اسامہؓ آنحضرت ﷺ کے محبوب خاص تھے اور ان کے والد کو بھی یہی درجہ حاصل تھا۔ نہایت جلیل القدر صحابی تھے، آنحضرت ﷺ کو ان سے بے انتہا محبت تھی۔

فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں راویوں میں حضرت انسؓ بن مالک، حنشؓ بن عبد اللہ صنعانی اور ابو یزیدؓ مدنی داخل ہیں۔

اخلاق:

آنحضرت ﷺ ان کی نہایت عزت کرتے اور فرماتے تھے ام ایمنؓ میری ماں ہیں اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے ایک مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شربت پیش کیا آنحضرت ﷺ (کسی وجہ سے) متردد ہوئے اس پر ام ایمنؓ ناراض ہوئیں (۳) (حضرت

---

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۴۱ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۲۱۴ بحوالہ ابن سعد (۳) مسلم ج ۲ ص ۳۴۱

ام ایمنؓ کو حضور ﷺ کی پرورش کرنے کی وجہ سے حضور ﷺ پر ایک قسم کا ناز تھا۔ یہ خفگی اسی محبت کی خفگی تھی۔ (نووی شرح مسلم)

انصار نے آنحضرت ﷺ کو بہت سے نخلستان دیئے تھے جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی تو آپ نے انصار کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کئے حضرت انسؓ کے کچھ باغ بھی آنحضرت ﷺ کے پاس تھے اور آپ نے ام ایمنؓ کو عطا فرمائے تھے، حضرت انسؓ آئے تو حضرت ام ایمنؓ نے ان کے واپس کرنے سے انکار کر دیا اس پر مصر رہیں آنحضرت نے یہ دیکھ کر ان کو باغ سے دس گناہ زیادہ عطا فرمایا۔ (بخاری و زرقانی ج ۳ ص ۳۳۷)

(۱۹) حضرت فاطمہؓ بنت اسد

نام ونسب :

فاطمہ نام، اسد بن ہاشم کی بیٹی تھیں اور عبدالمطلب جد رسول اللہ ﷺ کی بھتیجی تھیں۔

نکاح :

ابو طالب بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا جن سے حضرت علیؓ پیدا ہوئے۔

اسلام :

آغاز اسلام میں خاندان ہاشم نے آنحضرت ﷺ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا تھا اور ان میں اکثر مسلمان بھی ہو گئے تھے حضرت فاطمہؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھیں اور گو ان کے شوہر ایمان نہیں لائے تاہم وہ ان کی بعض اولاد مشرف باسلام ہوئی جب ابو طالب کا انتقال ہوا تو ان کے بجائے حضرت فاطمہؓ آنحضرت ﷺ کی دست وبازو رہیں۔

ہجرت اور عام حالات :

جب مسلمان ہو کر ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت فاطمہؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی یہاں حضرت علیؓ کا حضرت فاطمہ زہراؓ سے عقد ہوا تو حضرت علیؓ نے اپنی والدہ (حضرت فاطمہؓ بنت اسد) سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی آتی ہیں میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔ (۱)

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷

وفات

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں وفات پائی۔ بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے قبل فوت ہوئیں لیکن یہ صحیح نہیں آنحضرت ﷺ نے اپنی قمیص اتار کر کفن دیا اور قبر میں اتر کر لیٹ گئے لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے سلوک نہیں کیا تھا اس بناء پر میں نے ان کو قمیص پہنایا کہ جنت میں ان کو حلہ ملے اور قبر میں لیٹ گیا کہ شدائد قبر میں کمی واقع ہو۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷)

اولاد :

حسب ذیل اولاد چھوڑی حضرت علیؓ، حضرت جعفر طیارؓ، طالب، عقیل

اخلاق :

اصابہ میں ہے۔

کانت امرءة صالحة و کان النبی ﷺ یزورھا و یقیل فی بیتھا

''وہ نہایت صالح بی بی تھیں آنحضرت ﷺ ان کی زیارت کو تشریف لاتے اور ان کے گھر میں آرام کرتے تھے۔'' (اصابہ ج: ۸ ص: ۱۶۰)

(۲۰) حضرت ام الفضلؓ

نام و نسب :

لبابہ نام، ام الفضل کنیت، کبریٰ لقب، سلسلہ نسب یہ ہے: لبابۃ الکبریٰ بنت الحارث بن حزن بن جبیر بن الہرام بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ، والدہ کا نام ہند بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تھیں لبابہ کی حقیقی اور اخیافی کئی بہنیں تھیں، جو خاندان ہاشم اور قریش کے دوسرے معزز گھرانوں میں منسوب تھیں۔ چنانچہ حضرت میمونہؓ آنحضرت ﷺ کو، لبابہ حضرت عباسؓ (عم رسول اللہ ﷺ) کو سلمیٰ حضرت حمزہ (عم رسول اللہ ﷺ) کو اور اسماء حضرت جعفر طیارؓ (برادر حضرت علیؓ) کو منسوب تھیں، اسی بناء پر ان کی والدہ (ہند بنت عوف کی نسبت مشہور ہے کہ سسرالی قرابت میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔

نکاح :

حضرت عباسؓ سے جو آنحضرت ﷺ کے عم محترم تھے، نکاح ہوا۔

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں، ابن سعد کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت خدیجہؓ کے بعد اسلام قبول کیا تھا باقی اور عورتیں ان کے بعد ایمان لائیں اس لحاظ سے ان کے ایمان لانے کا زمانہ بہت قدیم ہو جاتا ہے۔

حالات:

ام الفضلؓ نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج بھی کیا ہے چنانچہ حجۃ الوداع میں جب لوگوں کو عرفہ کے دن آنحضرت ﷺ کے صائم ہونے کی نسبت شبہ ہوا اور انکے پاس آکر ذکر کیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ بھیجا آپ ﷺ چونکہ روزہ سے نہ تھے دودھ پی لیا اور لوگوں کو تشفی ہو گئی۔(۱)

وفات:

ام الفضلؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی اس وقت حضرت عباسؓ زندہ تھے حضرت عثمانؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

اولاد:

حضرت عباسؓ کی اکثر اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی اور چونکہ سب بیٹے نہایت قابل تھے اس لئے بڑی خوش قسمت سمجھی جاتی تھیں فضل، عبداللہ، معبد، عبید اللہ، قثم، عبدالرحمٰن اور ام حبیبہ ان ہی کی یادگار ہیں ان میں حضرت عبداللہ اور عبید اللہ آسمان علم کے مہرو ماہ تھے۔

فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ سے ۳۰ حدیثیں روایت کی ہیں راوی حسب ذیل اصحاب ہیں۔ عبداللہ، تمام (پسران عباسؓ) انس بن مالک، عبداللہ بن حارث بن نوفل، عمیر، کریب، قابوس

اخلاق:

عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ہر دو شنبہ اور پانچ شنبہ کو روزہ رکھتی تھیں(۲) آنحضرت ﷺ سے محبت کرتی تھیں آپ اکثر ان کے ہاں جاتے اور دوپہر کے وقت آرام فرماتے تھے۔

---

(۱) بخاری ج۱ ص ۲۶۷ (۲) خلاصہ تہذیب ص ۴۹۵

(۲۱) حضرت ام رومانؓ

نام و نسب :

نام معلوم نہیں۔ ام رومان کنیت ہے، قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس (۱) سے تھیں سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام رومان بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن وہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

نکاح :

عبداللہ بن سنجرہ سے نکاح ہوا اور ان ہی کے ہمراہ مکہ آکر اقامت کی عبداللہ حضرت ابوبکرؓ کے حلیف بن گئے تھے اس بناء پر جب انہوں نے انتقال کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے خود نکاح کر لیا۔

اسلام :

کچھ زمانے کے بعد مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ انہوں نے بھی اس صدا کو لبیک کہا۔

ہجرت :

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ تنہا آنحضرت ﷺ کی معیت میں مدینہ کو روانہ ہو گئے تھے لیکن ان کا خاندان مکہ میں مقیم تھا، مدینہ پہنچے تو وہاں سے زید بن حارثہ اور ابو رافعؓ مستورات کو لانے کے لئے بھیجے گئے ام رومان بھی ان ہی کے ہمراہ مدینہ میں آئیں۔

عام حالات :

شعبان ۶ ہجری میں افک کا واقعہ پیش آیا ام رومان کے لئے یہ نہایت مصیبت کا وقت تھا حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آنحضرت ﷺ سے اجازت لیکر میکہ آئیں حضرت ابوبکرؓ بالا خانہ پر تھے اور ام رومانؓ نیچے بیٹھی تھیں، پوچھا کیسے آئیں؟ حضرت عائشہؓ نے سارا واقعہ بیان کیا بولیں" بیٹی اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اس کی سوتنیں حسد کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں" لیکن حضرت عائشہؓ کو اس سے کچھ تسکین نہ ہوئی اور چیخ مار کر روئیں حضرت ابوبکرؓ نے آواز سنی تو بالا خانہ سے اتر آئے

---

(۱) بخاری ج ۱ ص ۸۵

اور خود بھی رونے لگے پھر ان سے کہا کہ تم اپنے گھر واپس جاؤ اس کے ساتھ ہی ام رومان کو لیکر خود بھی روانہ ہوئے حضرت عائشہؓ کو چونکہ اس صدمہ سے بخار آ گیا تھا دونوں نے ان کو گود میں لٹایا عصر پڑھ کر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا "عائشہ! اگر واقعی تم سے ایسی غلطی ہوئی تو خدا سے توبہ کرو" حضرت عائشہؓ نے والدین سے کہا کہ آپ لوگ جواب دیں لیکن جواب ملا کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں غرض حضرت عائشہؓ نے خود جواب دیا جب آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی جس میں ان کی صاف طور پر برأت کی گئی تھی تو حضرت ام رومان بولیں کہ "تم اٹھ کر حضرت ﷺ کے پاس جاؤ" حضرت عائشہ نے کہا "میں نہ ان کی مشکور ہوں اور نہ آپ کی میں صرف اپنے خدا کا شکریہ ادا کرتی ہوں" (بخاری ج ۲ ص ۵۹۵، ۵۹۶، ۶۹۹، ۷۰۰)

اسی سن کے اخیر میں مہمانوں کا واقعہ پیش آیا حضرت ابوبکرؓ اصحاب صفہ میں سے ۳ صاحبوں کو اپنے گھر لائے تھے آنحضرت ﷺ کے پاس گئے تو واپسی میں دیر ہو گئی گھر آئے تو ام رومان نے کہا مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں بیٹھ رہے؟ بولے تم نے کھانا نہیں کھلایا؟ جواب ملا کھانا بھیجا تھا لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا غرض کھانا کھلایا گیا اور اس قدر برکت ہوئی کہ نہایت افراط کے ساتھ بچ گیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ام رومانؓ سے پوچھا اب کتنا ہے؟ بولیں ۳ گنے سے زیادہ چنانچہ سب اٹھوا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔(۱)

وفات:

حضرت ام رومانؓ نے ۹ ہجری یا اس کے بعد انتقال کیا آنحضرت ﷺ خود قبر میں اترے اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ۶ ہجری میں وفات پائی تھی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ واقعات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

اولاد:

اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت ام رومانؓ نے دو نکاح کئے تھے' پہلے شوہر سے ایک لڑکا پیدا ہو جس کا نام طفیل تھا حضرت ابوبکرؓ سے دو اولادیں ہوئیں حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہؓ

---

(۱) بخاری ج ۱ ص ۸۴، ۸۵

(۲۲) حضرت سمیہؓ

خباط کی بیٹی اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کی والدہ ہیں ابو حذیفہ بن مغیرہ مخزومی کی کنیزہ تھیں۔

نکاح:

یاسر عبسی سے کہ ابو حذیفہ کے حلیف تھے' نکاح ہوا حضرت عمارؓ پیدا ہوئے تو ابو حذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۱٤ و استیعاب ج ۲ ص ۷٥۹)

اسلام:

ایام پیری میں مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی تو حضرت سمیہؓ' یاسرؓ اور عمارؓ تینوں نے اس دعوت کو لبیک کہا تاریخ میں ہے کہ حضرت سمیہؓ کا اسلام قبول کرنے والوں میں ساتواں نمبر تھا کچھ دن اطمینان سے گزرے تھے کہ قریش کا ظلم و ستم شروع ہو گیا اور بتدریج بڑھتا گیا چنانچہ جو شخص جس مسلمان پر قابو پاتا طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتا تھا۔ حضرت سمیہؓ کو بھی خاندان مغیرہ نے شرک پر مجبور کر دیا لیکن وہ اپنے عقیدہ پر نہایت شدت سے قائم رہیں جس کا صلہ یہ ملا کہ مشرکین ان کو مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کرتے تھے لیکن ان کے عزم و استقلال کے چھینٹوں کے سامنے یہ آتش کدہ سرد پڑ جاتا تھا آنحضرت ﷺ ادھر سے گزرے تو یہ حالت دیکھ کر فرماتے آل یاسر! صبر کرو۔ اس کے عوض تمہارے لئے جنت ہے۔

شہادت:

دن بھر اس مصیبت میں رہ کر شام کو نجات ملتی تھی ایک مرتبہ شب کو گھر آئیں تو ابو جہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اٹھ کر ایسی برچھی ماری کہ حضرت سمیہؓ جاں بحق تسلیم ہو گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون.

بنا کر دند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت عمارؓ کو اپنی والدہ کی اس بے کسی پر سخت افسوس تھا آنحضرت ﷺ سے آ کر کہا کہ اب حد ہو گئی' آنحضرت ﷺ نے صبر کی تاکید فرمائی اور کہا" خداوندا! ال یاسرؓ کو جہنم

سے بچا" یہ واقعہ ہجرت نبوی سے قبل کا ہے اس بناء پر حضرت سمیہؓ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (استیعاب ج ۲ ص ۷۶۰)

غزوہ بدر میں جب ابو جہل مارا گیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا "دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا خدا نے فیصلہ کر دیا" (اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ بحوالہ ابن سعد)

(۲۳) حضرت ام سلیمؓ

نام و نسب:

سہلہ یا رملہ نام ام سلیم کنیت، غمیصاء اور رمیصاء لقب۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ ام سلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، ماں کا نام ملیکہ بنت (۱) مالک بن عدی بن زید مناۃ تھا آبائی سلسلہ سے حضرت ام سلیمؓ سلمیٰ بنت زید کی پوتی تھیں سلمیٰ، عبد المطلب جد رسول اللہ ﷺ کی والدہ تھیں۔ اسی بناء پر ام سلیمؓ آنحضرت ﷺ کی خالہ مشہور ہیں۔

نکاح:

مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔

اسلام:

مدینہ میں لوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں۔ مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے اور ام سلیمؓ تبدیل مذہب پر اصرار کرتی تھیں اس لئے دونوں میں کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ابو طلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا لیکن ام سلیمؓ کو اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابو طلحہ مشرک تھے اس لئے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض ابو طلحہؓ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیمؓ کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا حضرت ام سلیمؓ نے حضرت انسؓ سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو (۲) ساتھ ہی مہر معاف کر دیا اور کہا "میرا مہر اسلام ہے" حضرت انسؓ کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب و غریب مہر تھا۔

---

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۲۴۴ (۲) اصابہ بحوالہ ابن سعد

عام حالات:

نکاح کے بعد حضرت ابو طلحہؓ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ مدینہ میں تشریف لائے حضرت ام سلیمؓ اپنے صاحبزادے (حضرت انسؓ) کو لیکر حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا "انیس کو آپ کی خدمت کے لئے پیش کرتی ہوں یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لئے دعا فرمائیں" آنحضرت نے دعا فرمائی۔(۱)

اسی زمانہ میں آپ نے مہاجرین وانصار میں مواخاۃ کی اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں ہوا۔(۲)

غزوات میں حضرت ام سلیمؓ نے نہایت جوش سے حصہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے۔(۳)

كان رسول الله ﷺ يغزو بام سليم و نسوة من الانصار معه اذا غزىٰ فيسقين الماء ويداوين الجرحىٰ (صحيح مسلم)

"آنحضرت ﷺ حضرت ام سلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے، جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کو مرہم پٹی کرتی تھیں۔"

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ "میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔(۴)

۵ ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح کیا۔ اس موقع پر حضرت ام سلیمؓ نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں۔(۵)

۷ ھ ہجری میں خیبر کا واقعہ ہوا۔ حضرت ام سلیمؓ اس میں شریک تھیں آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ سے نکاح کیا تو حضرت ام سلیمؓ (ہی نے حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ کے لئے سنوارا تھا)۔(۶)

غزوہ حنین میں وہ ایک خنجر ہاتھ میں لئے تھیں۔ ابو طلحہؓ نے دیکھا تو آنحضرت ﷺ

---

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۵۲، بخاری ج ۲ ص ۹۴۴ (۲) بخاری (۳) مسلم ج ۲ ص ۱۰۳ (۴) بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۸۱ (۵) مسلم ج ۱ ص ۱۵۵ (۶) مسلم ج ۱ ص ۵۴۶

سے کہا کہ ام سلیمؓ خنجر لئے ہیں آپ ﷺ نے پوچھا کیا کرو گی ؟ بولیں "اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے "حضرت ام سلیمؓ نے کہا یا رسول اللہ ! مکہ کے جو لوگ فرار ہو گئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجئے" ارشاد ہوا" خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۳)

وفات :

حضرت ام سلیمؓ کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی ہے۔

اولاد :

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا حضرت ام سلیمؓ نے دو نکاح کئے تھے پہلے شوہر سے حضرت انسؓ پیدا ہوئے حضرت ابو طلحہؓ سے دو لڑکے پیدا ہوئے ابو عمیر اور عبداللہ' ابو عمیر صغر سنی میں فوت ہو گئے اور عبداللہ سے نسل چلی۔

فضل و کمال :

حضرت ام سلیمؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو حضرت انسؓ' ابن عباسؓ' زید بن ثابتؓ' ابو سلمہ اور عمرو بن عاصمؓ نے ان سے روایت کیا ہے لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابتؓ میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تو ان بزرگوں نے ان ہی کو حکم مانا۔ (مسند ج ٦ ص ٤٣٠' ٤٣١)

ان کو مسائل کے پوچھنے میں کچھ عار نہ تھا ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ! خدا حق بات سے نہیں شرماتا کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہے ؟ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ یہ سوال سن رہی تھیں بیساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے عورتوں کی بڑی فضیحت کی ؟ بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں ؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۹۲' ۳۰٦' ۳۷٦ ج ٦)

اخلاق :

حضرت ام سلیمؓ میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے پہلے شوہر سے صرف اس بناء پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے حضرت ابو طلحہؓ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کر دیا کہ وہ مشرک ہیں اس موقع پر

انہوں نے ابو طلحہؓ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے مسند احمد میں ہے۔

قالت یا ابا طلحة! الست تعلم ان الٰهك الذی تعبد نبت من الارض قال بلیٰ

' قالت افلا تستحی تعبد شجرة (اصابه ج ۸ ص ۲۴۳ بحواله مسند)

"ام سلیم نے کہا ابو طلحہؓ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے اگا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں! حضرت ام سلیمؓ بولیں تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی؟"

حضرت ابو طلحہؓ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ سے حد درجہ محبت کرتی تھیں آپ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں۔(۱)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو وہ اٹھیں اور مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا دہن مبارک مس ہوا ہے۔(۲)

آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے خاص محبت تھی۔ صحیح مسلم میں ہے۔

کان النبی ﷺ لا یدخل علیٰ احد من النسآء الاعلیٰ ازواجه الا ام سلیم فانه یدخل علیها فقیل له فی ذلك فقال انی ارحمها قتل اخوها معی (صحیح مسلم)

"آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات کے علاوہ اور کسی عورت کے یہاں نہیں جاتے تھے لیکن ام سلیمؓ مستثنیٰ تھیں لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے ان کے بھائی (حرامؓ) نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی ہے" (مسلم ج:۲ ص:۳۴۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حضرت ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت ام سلیمؓ نہایت صابر اور مستقل مزاج تھیں ابو عمیر ان کا بہت پیارا اور لاڈلا بیٹا تھا لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا اور گھر والوں کو منع کیا کہ ابو طلحہؓ کو اس واقعہ کی خبر نہ دیں، رات کو ابو طلحہؓ آئے تو ان کو کھانا کھلایا اور نہایت اطمینان سے بستر پر لیٹے کچھ رات گزرنے پر ام سلیمؓ نے اس واقعہ کا تذکرہ کیا لیکن عجیب انداز سے کیا بولیں اگر تم کو کوئی شخص عاریۃً ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کرو

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۹۲۹ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۷۶

گے ؟ ابو طلحہؓ نے کہا۔ کبھی نہیں۔ کہا تو اب تم کو اپنے بیٹے کی طرف سے صبر کرنا چاہیئے ابو طلحہؓ یہ سن کر غصہ ہوئے کہ پہلے سے کیوں نہ بتلایا صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی برکت دی۔(۱)

اسی طرح ایک مرتبہ ابو طلحہؓ آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ بھوکے ہیں کچھ بھیج دو۔ حضرت ام سلیمؓ نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کو دیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کردیں آپ مسجد میں تھے اور صحابہؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے حضرت انسؓ کو دیکھ کر فرمایا ابو طلحہؓ نے تم کو بھیجا ہے ؟ بولے جی ہاں! فرمایا کھانے کے لئے ؟ کہا ہاں آپ ﷺ تمام صحابہ کو لیکر ابو طلحہ کے مکان پر تشریف لائے ابو طلحہؓ گھبرا گئے اور حضرت ام سلیمؓ سے کہا اب کیا کیا جائے ؟ کھانا نہایت قلیل ہے اور آنحضرت ﷺ ایک مجمع کے ساتھ تشریف لائے ہیں حضرت ام سلیمؓ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ ان باتوں کو خدا اور رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں آنحضرت ﷺ اندر آئے تو حضرت ام سلیمؓ نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا خدا کی شان اس میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگ کھا کر سیر ہو گئے۔(۲)

حضرت ام سلیمؓ کے مناقب و فضائل بہت ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی' میں نے کہا کون ہے ؟ لوگوں نے بتایا کہ انسؓ کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں۔(۳)

(۲۴) حضرت ام عمارہؓ

نام ونسب :

نسیبہ نام' ام عمارہ کنیت' قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں نسب نامہ یہ ہے ام عمارہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن منذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجار۔

نکاح :

پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا۔ پھر عربہ بن عمرو کے عقد نکاح میں آئیں۔

اسلام :

اور ان ہی کے ساتھ بیعت عقبہ میں شرکتؓ کی سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ

---

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۴۲ (۲) بخاری ج ۲ ص ۸۱۰ (۳) مسلم ج ۲ ص ۳۴۲

بیعت عقبہ میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں شامل تھیں حضرت ام عمارہؓ کا بھی ان ہی میں شمار ہوتا ہے۔

غزوات :

غزوہ احد میں شریک ہوئیں اور نہایت پامردی سے لڑیں جب تک مسلمان فتحیاب تھے' وہ مشک میں پانی بھر کر لوگوں کو پلا رہی تھیں لیکن جب شکست ہوئی تو آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور سینہ سپر ہو گئیں کفار جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں آنحضرت ﷺ کا خود بیان ہے کہ میں احد میں ان کو اپنے داہنے اور بائیں برابر لڑتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ام قمیہ جب دراتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا انہوں نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے کارگر نہ ہوئی [1] بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ایک کافر کو قتل کیا تھا احد کے بعد بیت الرضوان' خیبر اور فتح مکہ میں بھی شرکت کی۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں یمامہ کی جنگ پیش آئی مسیلمہ کذاب سے جو مدعی نبوت تھا' مقابلہ تھا حضرت ام عمارہؓ اپنے ایک لڑکے (حبیب) کو لیکر حضرت خالدؓ کے ساتھ روانہ ہوئیں اور جب مسیلمہ نے ان کے لڑکے کو قتل کر دیا تو انہوں نے منت مانی کہ "یا مسیلمہ قتل ہو گا یا وہ خود جان دے دیں گی" یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہوئیں اور اس پامردی سے مقابلہ کیا کہ ۱۲ زخم کھائے اور ایک ہاتھ کٹ گ اس جنگ میں مسیلمہ بھی مارا گیا۔

وفات :

اس کے بعد معلوم نہیں کب تک زندہ رہیں۔

اولاد :

انتقال کے وقت چار اولادیں یادگار چھوڑیں' حبیب' عبداللہ (پہلے شوہر سے) تمیم خولہ (دوسرے شوہر سے)

فضل و کمال :

چند حدیثیں روایت کی ہیں جو عباد بن تمیم (پوتے) لیلے (کنیز) عکرمہ' حارث ابن

---

(۱) ابن هشام ص ۸٤

کعب اور ام سعد بنت سعد بن ربیع سے مروی ہیں۔

اخلاق :

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو محبت تھی اس کا اصلی منظر تو غزوہ احد میں نظر آتا ہے لیکن اور بھی چھوٹے چھوٹے واقعات ہیں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان کے مکان میں تشریف لائے تو انہوں نے کھانا پیش کیا ارشاد ہوا تم بھی کھاؤ۔ بولیں میں روزہ سے ہوں آنحضرت ﷺ نے کھانا نوش فرمایا اور فرمایا کہ روزہ دار کے پاس اگر کچھ کھایا جائے تو اس پر فرشتے درود بھیجتے ہیں۔(۱)

جوش اسلام کا نظارہ بھی اوپر کے واقعات سے ہو سکتا ہے۔

(۲۵) حضرت ام عطیہؓ

نام و نسب :

نسیبہ بنت حارث نام‘ انصار کے قبیلہ ابی مالک بن النجار سے تھیں۔(۲)

اسلام :

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو انصار کی عورتوں کو ایک مکان میں بیعت کے لئے جمع کیا اور حضرت عمرؓ کو دروازہ پر بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں کہ شرک نہ کریں گی‘ چوری اور زنا سے بچیں گی‘ اولاد کو قتل نہ کریں گی کسی پر بہتان نہ باندھیں گی‘ اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی‘ عورتوں نے یہ سب تسلیم کیا تو حضرت عمرؓ نے اندر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور عورتوں نے اپنے ہاتھ باہر نکالے جو بیعت کی علامت تھی اس کے بعد حضرت ام عطیہؓ نے پوچھا کہ اچھی باتوں سے انکار کرنے کے کیا معنی ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا نوحہ اور بین نہ کرنا۔(۳)

غزوات اور عام حالات :

حضرت ام عطیہؓ عہد رسالت کے سات معرکوں میں شریک ہوئیں جن میں وہ مردوں کے لئے کھانا پکاتی انکے سامان کی حفاظت کرتی۔ مریضوں کی تیمار داری اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۰۵)

---

(۱) مسند ج ٦ ص ٣٦٥ (۲) طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۲۱‘ ۳۲۲ (۳) مسند ج ٦ ص ٤٠٩

۸ھ ہجری میں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا انتقال ہوا تو حضرت ام عطیہؓ اور چند عورتوں نے ان کو غسل دیا آنحضرت ﷺ نے ان کو نہلانے کی ترکیب بتلائی۔(۱)

خلافت راشدہ کے زمانہ میں ان کا ایک لڑکا کسی غزوہ میں شریک تھا، بیمار ہو کر بصرہ آیا حضرت ام عطیہؓ مدینہ میں تھیں خبر ملی تو نہایت عجلت سے بصرہ روانہ ہوئیں لیکن پہنچنے کے ایک دو دن قبل وہ وفات پاچکا تھا۔ یہاں آکر انہوں نے بنو خلف کے قصر میں قیام کیا تیسرے روز انہوں نے خوشبو منگا کر ملی اور کہا کہ شوہر کے علاوہ اور کسی کے لئے ۳ دن سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہئے۔(۲)

اس کے بعد بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔(۳)

وفات:

وفات کی تاریخ اور سنہ معلوم نہیں اور نہ اولاد کی تفصیل کا علم ہے۔

فضل و کمال:

چند حدیثیں روایت کی ہیں، راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں:

حضرت انسؓ، ابن سیرین، حفصہ بنت سیرینؒ، اسمعیل بن عبدالرحمن بن عطیہ، عبدالملک ابن عمیرؒ، علی بن الاقمر، ام شراحیلؒ

صحابہ اور تابعین ان سے میت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے۔(۴)

اخلاق:

آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں اور آپ ﷺ بھی ان سے محبت کرتے تھے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس صدقہ کی ایک بکری بھیجی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس روانہ کیا آپ گھر میں تشریف لائے تو کھانے کے لئے مانگا، بولیں اور تو کچھ نہیں ہے البتہ جو بکری آپ نے نسیبہؓ کے پاس بھیجی تھی اس کا گوشت رکھا ہے آپ نے فرمایا، لاؤ، کیونکہ وہ مستحق کے پاس پہنچ چکی۔(۵)

---

(۱) بخاری جلد ۱ ص ۱۶۸ و مسلم ج ۱ ص ۳۴۶، ۳۴۷
(۲) بخاری ج ۱ ص ۱۷۰ باب احداد المرأۃ علی غیر زوجہا (۳) اسد الغابہ ج۵ ص ۶۰۳
(۴) تہذیب جلد ۱۲ ص ۴۵۵ اصابہ ج ۸ ص ۲۵۹ (۵) مسلم ج ۱ ص ۴۰۱

آنحضرت ﷺ کے ساتھ آپ کے اعزہ واقارب سے بھی خاص تعلقات تھے چنانچہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عطیہؓ کے مکان میں قیلولہ فرماتے تھے۔(۱)

احکام نبوی ﷺ کی پوری پابندی کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے بیعت میں نوحہ کی ممانعت کی تھی اس پر انہوں نے ہمیشہ عمل کیا چنانچہ بیعت ہی کے وقت آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں رہ چکے ہیں، اس لئے مجھ کو بھی انکے ہاں جاکر رونا ضروری ہے، آپ ﷺ اس خاندان کو مستثنیٰ کردیجئے چنانچہ آپ نے مستثنیٰ کردیا(۲) بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ کو کوئی جواب نہیں دیا اور جن روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو مستثنیٰ کردیا ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثناء حضرت ام عطیہؓ کے لئے خاص تھا ورنہ اصلی مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں ہے اپنی جگہ پر ثابت ہے لڑکے کی وفات اور اس پر سوگ کرنے کا حال ابھی گزر چکا ہے۔(۳)

(۲۶) حضرت ربیعؓ بنت معوذ بن عفراء

نام ونسب:

ربیع نام، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے، ربیع بنت معوذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار والدہ کا نام ام تزید تھا جو قیس بن زعورا کی بیٹی تھیں حضرت ربیع اور ان کے تمام بھائی عفراء کی اولاد مشہور ہیں عفراء ان لوگوں کی دادی تھیں۔(۴)

اسلام:

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔

نکاح:

ایاس بن بکر لیثی سے شادی ہوئی صبح کو آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور بستر پر بیٹھ گئے لڑکیاں دف بجابجا کر شہدائے بدر کے مناقب میں اشعار پڑھ رہی تھیں اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی شان میں بھی کچھ اشعار پڑھے، جن میں ایک مصرع یہ تھا۔

---

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۲۵۹ (۲) مسند ج ٦ ص ٤٠٧
(۳) مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۱۱٤ (٤) تهذيب التهذيب ج ۱۲ ص ٤۱۸

و فینا نبی یعلم ما فی غد

اور ہم میں وہ نبی ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو (اور اس کے سوا جو کہتی تھیں وہ کہو)(۱)

عام حالات:

غزوات میں شرکت کرتی تھیں، زخمیوں کا علاج کرتیں، لوگوں کو پانی پلاتیں اور مقتولوں کو مدینہ پہنچاتی اور فوج کی خدمت کرتی تھیں۔(۲)

غزوہ حدیبیہ میں بھی موجود تھیں۔ جب بیعت رضوان کا واقعہ آیا تو انہوں نے بھی آ کر بیعت کی۔

۳۵ ہجری میں اپنے شوہر سے علیحدہ ہوئیں، شرط یہ تھی کہ جو کچھ میرے پاس ہے اس کو لے کر مجھ سے دست بردار ہو جاؤ چنانچہ اپنا تمام سامان ان کو دے دیا صرف ایک کرتی رہنے دی لیکن شوہر کو یہ بھی گوارا نہ ہوا، جا کر حضرت عثمانؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا چونکہ ربیع نے کل چیزوں کی شرط کی تھی حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ تمہیں اپنا وعدہ پورا کرنا چاہیے اور شوہر سے فرمایا کہ تم ان کے جوڑا باندھنے کی دھجی تک لے سکتے ہو۔(۳)

وفات:

حضرت ربیعؓ کی وفات کا سال نامعلوم ہے۔

اولاد:

اولاد میں محمد مشہور ہیں

فضل و کمال:

حضرت ربیعؓ سے ۲۱ حدیثیں مروی ہیں علمی حیثیت سے ان کا یہ پایہ تھا کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زین العابدینؒ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے(۴) راویوں میں بہت سے بزرگ ہیں مثلاً عائشہ بنت انس بن مالک، سلیمان بن یسار، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، نافع، عبادہ بن الولید، خالد بن ذکوان، عبداللہ بن محمد بن عقیل، ابو عبیدہ بن محمد (حضرت عمارؓ ابن یاسر کے پوتے) محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان۔

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۵۷۰

(۲) مسند ج ٦ ص ۳۵۸ (۳) اصابہ ج ۸ ص ۸۰ بحوالہ ابن سعد (٤) مسند ج ٦ ص ۳۵۸

اخلاق :

جوش ایمان اس سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ اسماء بنت مخربہ جو ابو ربیعہ مخزومی کی بیوی تھی اور عطر بیچتی تھی چند عورتوں کے ساتھ ربیع کے گھر آئی اور ان کا نام و نسب دریافت کیا چونکہ ربیع کے بھائی نے ابو جہل کو بدر میں قتل کیا تھا اور اسماء قریش کے قبیلے سے تھی بولی "تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو؟" حضرت ربیعؓ کو ابو جہل کی نسبت سردار کا لفظ نہایت ناگوار ہوا بولیں "سردار کی نہیں بلکہ غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں؟" اسماء کو ابو جہل کی شان میں یہ گستاخی پسند نہ آئی جھنجھلا کر کہا کہ مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا لینا حرام ہے حضرت ربیعؓ نے برجستہ کہا مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے کیونکہ تمہارا عطر عطر نہیں بلکہ گندگی ہے۔(۱)

آنحضرت ﷺ سے بے انتہا محبت تھی آپ ان کے گھر اکثر تشریف لے جاتے تھے (۲) ایک مرتبہ آپ تشریف لائے اور ان سے وضو کے لئے پانی مانگا (۳) ایک مرتبہ دو طباقوں میں چھوہارے اور انگور لے کر گئیں تو آپ نے زیور یا سونا مرحمت فرمایا۔(۴)

آنحضرت ﷺ کا ایک مرتبہ کسی نے حلیہ پوچھا تو بولیں "بس یہ سمجھ لو کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔(۵)

(۲۷) حضرت ام ہانیؓ

نام و نسب :

فاختہ نام ام ہانی کنیت ابو طالب عم رسول اللہ ﷺ کی دختر تھیں ماں کا نام فاطمہ بنت اسد تھا اس بناء پر حضرت علیؓ حضرت جعفر طیارؓ اور ام ہانیؓ حقیقی بھائی بہن ہیں۔

نکاح :

ہبیرہ بن عمرو (بن عائذ) مخزومی سے نکاح ہوا۔

اسلام :

۸ھ ہجری میں جب مکہ فتح ہوا مسلمان ہوئیں آپ ﷺ نے اس روز ان کے مکان

---

(۱) اسد الغابہ ج۵ ص ۴۵۲ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۵۸ (۳) ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳ (۴) مسند ج۶ ص ۳۵۹ (۵) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۵۲

میں غسل کیا تھا اور چاشت کی نماز پڑھی انہوں نے اپنے دو عزیزوں کو جو مشرک تھے پناہ دے دی تھی آنحضرت ﷺ نے بھی ان کو پناہ دی(۱) ان کا شوہر ہبیرہ فتح مکہ میں نجران بھاگ گیا تھا۔

وفات :

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہیں تہذیب میں ہے امیر معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں انتقال کیا۔

اولاد :

حسب ذیل اولاد چھوڑی : عمرو' ہانی' یوسف' جعدہ

فضل و کمال :

حضرت ام ہانیؓ سے ۴۶ حدیثیں مروی ہیں' جن کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں۔ جعدہ' یحییٰ' ہارون' ابو مرہ' ابو صالح' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' عبداللہ بن حارث بن نوفل' ابن ابی لیلیٰ' مجاہد' عروہ' عبداللہ بن عیاش' شعبی' عطاء' کریب محمد بن عقبہ (رضی اللہ عنہم)

آنحضرت ﷺ سے کبھی کبھی مسائل دریافت کرتی تھیں' جس سے ان کی فقہ دانی کا پتہ چلتا ہے' ایک مرتبہ اس آیت کی تفسیر پوچھی تھی وتاتون فی نادیکم المنکر (۲)

اخلاق :

آنحضرت ﷺ سے ان کو جو عقیدت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ آپ فتح مکہ کے زمانہ میں انکے مکان پر تشریف لائے اور شربت نوش فرمایا۔ اس کے بعد ان کو دیا انہوں نے کہا میں روزہ سے ہوں لیکن آپ کا جھوٹا واپس نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پی لیا اور پھر خود ہی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں روزہ سے ہوں' حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر روزہ رمضان کی قضا کا ہے تو کسی دوسرے دن یہ روزہ رکھ لینا' اور اگر محض نفل ہے تو اس کی قضا کرنے یا نہ کرنے کا تم کو اختیار ہے۔ (۳)

آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی ایک مرتبہ فرمایا ام ہانی! بکری لے لو' یہ بڑی خیر و برکت کی چیز ہے۔ (۴)

ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اب میں بوڑھی ہو گئی اور چلنے پھرنے میں ضعف معلوم ہوتا ہے اس لئے ایسا عمل بتلایا جائے جس کو بیٹھے بیٹھے انجام دے

---

(۱) مسند ج:٦ ص ٣٤٢ (٢) ایضاً ص ٣٤١ (٣) مسند ج ٦ ص ٣٤١ الی ٣٤٤ (٤) ایضا

سکوں آپ نے ایک وظیفہ بتلایا فرمایا کہ سبحان اللہ ایک سو مرتبہ الحمد للہ ایک سو مرتبہ اللہ اکبر ایک سو مرتبہ اور لا الہ الا اللہ ایک سو مرتبہ کہہ لیا کرو۔ (ایضاً ص ۳۴۴)

(۲۸) حضرت فاطمہؓ بنت خطاب

نام ونسب :

فاطمہ نام ام جمیل کنیت حضرت عمرؓ کی ہمشیر ہیں۔

نکاح :

حضرت سعید بن زیدؓ سے نکاح ہوا۔

اسلام :

اور انہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے ان کے کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی یعنی حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اور انہی کے سبب سے ہوئے اس کا قصہ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس جارہے تھے راستہ میں ایک مخزومی صحابیؓ سے ملاقات ہوئی' پوچھا کہ تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر محمد کا مذہب اختیار کیا ہے؟ بولے ہاں' لیکن پہلے اپنے گھر کی خبر لو' تمہارے بہن اور بہنوئی نے بھی محمد (ﷺ) کا مذہب قبول کر لیا ہے حضرت عمرؓ سیدھے بہن کے گھر پہنچے' دروازہ بند تھا اور وہ قرآن پڑھ رہی تھی' ان کی آہٹ پا کر چپ ہوگئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا دیئے' لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی' پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ انہوں نے کہا کچھ نہیں بولے میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہوگئے ہو یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہوگئے حضرت فاطمہؓ بچانے کے لئے آئیں تو ان کی بھی خبر لی۔ بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہان ہوگیا اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا! عمرؓ! جو ہو سکے کرو' لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایک خاص اثر کیا' بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے' مجھ کو بھی سناؤ فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء لا کر سامنے رکھ دیئے حضرت عمرؓ ان کو پڑھتے جاتے تھے اور ان پر رعب چھاتا جاتا تھا یہاں تک کہ ایک آیت پر پہنچ کر

پکار اٹھے اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد ارسول اللہ (۱)

ہجرت :

اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔

وفات :

وفات کا سنہ اور مہینہ معلوم نہیں۔

اولاد :

ایک لڑکا چھوڑا' عبدالرحمٰن نام تھا۔

(۲۹) حضرت اسماءؓ بنت عمیس

نام ونسب :

اسماء نام' قبیلہ خثعم سے تھیں' سلسلہ نسب یہ ہے اسماء بنت عمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک ابن بشر بن وہب اللہ بن شہران بن عفرس بن خلف بن اقبل (خثعم) ماں کا نام ہند (خولہ) بنت عوف تھا اور قبیلہ کنانہ سے تھیں' اس بناء پر حضرت میمونہؓ (ام المؤمنین) اور اسماءؓ اخیافی بہنیں تھیں۔

نکاح :

حضرت جعفرؓ سے کہ حضرت علیؓ کے بھائی تھے (اور دس برس بڑے تھے) نکاح ہوا۔

اسلام :

آنحضرت ﷺ کے خانہ ارقم میں مقیم ہونے سے قبل مسلمان ہوئیں۔ حضرت جعفرؓ نے بھی اسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ (۲)

عام حالات :

حبشہ کی طرف ہجرت کی اور کئی سال تک مقیم رہیں ۷ھ ہجری میں جب خیبر فتح ہوا تو مدینہ آئیں حضرت حفصہؓ کے گھر گئیں تو حضرت عمرؓ بھی آگئے' پوچھا یہ کون ہیں' جواب ملا

---

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۱۶۱ واسد الغابہ ج ٤ ص ٥٤

(۲) سیرت ابن ھشام ج ۱ ص ۱۳٦' اصابہ ج ۸ ص ۹ بحوالہ ابن

اسماءؓ بولے ہاں، وہ حبش والی، وہ سمندر والی" حضرت اسماءؓ نے کہا "ہاں وہی" حضرت عمرؓ نے کہا ہم کو تم پر فضیلت ہے، اس لئے کہ ہم مہاجر ہیں، حضرت اسماءؓ کو یہ فقرہ سن کر غصہ آیا، بولیں "کبھی نہیں! تم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے آپ ﷺ بھوکوں کو کھلاتے اور جاہلوں کو پڑھاتے تھے، لیکن ہماری حالت بالکل جداگانہ تھی ہم نہایت دور دراز مقام میں صرف خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی کے لئے پڑے رہے اور بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں" آنحضرت ﷺ مکان پر تشریف لائے تو انہوں نے سارا قصہ بیان کیا۔ ارشاد ہوا انہوں نے ایک ہجرت کی اور تم نے دو ہجرتیں کیں اس لئے تم کو زیادہ فضیلت ہے" حضرت اسماء اور دوسرے مہاجرین کو اس سے اس درجہ مسرت ہوئی کہ دنیا کی تمام فضیلتیں ہیچ معلوم ہوتی تھیں مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماءؓ کے پاس آتے اور یہ واقعہ دریافت کرتے تھے۔(۱)

۸ ہجری غزوہ موتہ میں حضرت جعفرؓ نے شہادت پائی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی (حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی دیکھا کہ حضور ﷺ آبدیدہ تھے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ غمگین کیوں ہیں یا جعفرؓ کے متعلق کوئی اطلاع آئی ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں وہ لوگ شہید ہو گئے ہیں بچوں کو نہلا دھلا کر ہمراہ لے گئی تھی، حضور ﷺ نے بچوں کو اپنے پاس بلایا اور میں چیخ اٹھی) آنحضرت ﷺ اپنے (اہل بیت کے پاس تشریف لے گئے) اور فرمایا جعفرؓ کے بچوں کے لئے کھانا پکاؤ کیونکہ وہ رنج و غم میں مصروف ہیں۔(۲)

اس کے بعد مسجد میں جا کر غمزدہ بیٹھے اور اس خبر کا اعلان کیا اسی حالت میں ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفرؓ کی مستورات ماتم کر رہی ہیں اور رو رہی ہیں، آپ نے ان کو منع کرانے بھیجا، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں آپ نے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "تو ان کے منہ میں خاک بھر دو" یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ "خدا کی قسم! تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) تو آنحضرت ﷺ کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی"(۳)

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۶۰۷، ۶۰۸ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۷۰ (۳) بخاری ج ۲ ص ۶۱۱

تیسرے دن(۱) آنحضرت ﷺ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لائے اور سوگ کی ممانعت کی (۲) تقریباً ۶ مہینے کے بعد شوال ۸ھ ہجری میں جو غزوہ حنین کا زمانہ تھا آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے ان کا نکاح پڑھادیا (۳) جس کے دو برس بعد ذوقعدہ ۱۰ھ میں محمد بن ابوبکرؓ پیدا ہوئے اس وقت حضرت اسماءؓ حج کی غرض سے مکہ آئی تھیں چونکہ محمد ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے تھے اسماءؓ نے دریافت کرایا کہ میں کیا کروں؟ ارشاد ہوا نہا کر احرام باندھیں۔(۴)

آنحضرت ﷺ کے مرض الموت میں حضرت ام سلمہؓ اور اسماءؓ نے ذات الجنب تشخیص کر کے دوا پلانا چاہی چونکہ گوارا نہ تھی۔ آپ نے انکار فرمادیا۔ اسی ممانعت میں غشی طاری ہوگئی انہوں نے منہ کھول کر پلادی' افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا تو فرمایا" یہ مشورہ اسماء نے دیا ہوگا' وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں' عباسؓ کے علاوہ سب کو دوا پلائی جائے" چنانچہ تمام ازواج مطہراتؓ کو دوا پلائی گئی۔(۵)

۱۳ھ ہجری میں حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی تو وصیت فرمائی کہ اسماءؓ غسل دیں۔(۶)

حضرت ابوبکرؓ کے بعد اسماءؓ حضرت علیؓ کے عقد میں آئیں' محمد بن ابوبکرؓ بھی ساتھ آئے اور حضرت علیؓ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ ایک دن عجیب لطیفہ ہوا' محمد بن جعفر اور محمدؓ بن ابوبکر نے باہم فخراً کہا کہ ہم تم سے بہتر ہیں اس لئے کہ ہمارے باپ تمہارے باپ سے بہتر تھے۔ حضرت علیؓ نے حضرت اسماءؓ سے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ کرو بولیں کہ تمام نوجوانوں پر جعفرؓ کو اور تمام بوڑھوں پر ابوبکرؓ کو فضیلت حاصل ہے حضرت علیؓ بولے " پھر ہمارے لئے کیا رہا"(۷)

۳۸ھ ہجری میں محمد بن ابوبکرؓ مصر میں قتل ہوئے اور گدھے کی کھال میں ان کی لاش جلائی گئی حضرت اسماءؓ کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ واقعہ کیا ہو سکتا تھا؟ ان کو سخت غصہ

---

(۱) مسند ج۶ ص ۳۶۹ (۲) جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے اس کو ۴ماہ دس دن سوگ کرنا چاہئے مسئلہ یہی ہے حضرت اسماءؓ کی اس روایت سے شبہ میں نہ پڑنا چاہئے اس لئے کہ یہ روایت تمام صحیح احادیث کے خلاف ہے اور شاذ ہے اور اجماع اس کے خلاف ہے' امام طحاوی کے نزدیک یہ روایت منسوخ ہے اور امام بیہقی کے نزدیک منقطع ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج۹ ص ۴۲۹' ان کے سوا اور بہت سے جوابات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے)
(۳) اصابہ ج ۸ ص ۹ (۴) مسلم ج ۱ ص۳۸۵'۳۹۴ (۵) بخاری ج ۲ وطبقات ج ۲ ق۲ ص ۳۱'۳۲ و مسند ج ۲ ص۴۳۸ (۶) اصابہ ج ۸ ص۹ بحوالہ ابن سعد (۷) اصابہ ج ۸ ص ۹

آیا لیکن نہایت صبر سے کام لیا اور مصلے پر کھڑی ہو گئیں۔(۱)

وفات :

۴۰ھ ہجری میں حضرت علیؓ نے شہادت پائی اور ان کے بعد حضرت اسماءؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔(۲)

اولاد :

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت اسماءؓ نے تین نکاح کئے چنانچہ حضرت جعفرؓ سے محمد، عبداللہ، عون، حضرت ابوبکرؓ سے محمد اور حضرت علیؓ سے یحییٰ پیدا ہوئے۔(۳)

ریاض النضرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے دو لڑکے ہوئے تھے، یحییٰ اور عون، (۴) لیکن علامہ ابن اثیر نے اس کو غلط کہا ہے اور لکھا ہے کہ یہ ابن کلبی کا خیال ہے جو مشہور دروغ گو تھا۔

فضل و کمال :

حضرت اسماءؓ سے ۶۰ حدیثیں مروی ہیں، جن کے راویوں کے نام یہ ہیں، حضرت عمرؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، ابن عباسؓ، قاسم بن محمدؒ، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عروہ ابن مسیب، ام عون بنت محمد بن جعفرؓ، فاطمہؓ بنت علی، ابو یزید مدنی۔

آنحضرت ﷺ سے براہ راست تعلیم حاصل کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے مصیبت اور تکلیف میں پڑھنے کے لئے انکو ایک دعا بتائی تھی۔(۵)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جعفرؓ کے بچوں کو دبلا دیکھا تو پوچھا کہ یہ اس قدر دبلے کیوں ہیں، اسماءؓ نے کہا ان کو نظر بہت لگتی ہے، فرمایا تو تم جھاڑ پھونک کرو، حضرت اسماءؓ کو ایک منتر یاد تھا، آنحضرت ﷺ کو سنایا، فرمایا "ہاں یہی سہی" (۶)

حضرت اسماءؓ کو خواب کی تعبیر میں بھی دخل تھا چنانچہ حضرت عمرؓ اکثر ان سے خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے۔(۷)

---

(۱) ایضاً (۲) خلاصہ تہذیب ص ۴۸۸ (۳) استیعاب ج ۲ ص ۷۲۵ (۴) ریاض النضرہ ج ۲ ص ۲۴۹ (۵) مسند ج۶ ص ۳۶۹
(۶) مسلم ج ۲ ص ۲۲۳
(۷) اصابہ ج ۸ ص ۹

(۳۰) حضرت اسماءؓ (بنت ابی بکرؓ)

نام ونسب :

اسماء نام' ذات النطاقین لقب' حضرت ابوبکرؓ کی صاحب زادی ہیں۔
ماں کا نام قتلہ بنت عبد العزیٰ تھا' ہجرت سے ۲۷ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔

نکاح :

حضرت زبیرؓ بن عوام سے نکاح ہوا۔

اسلام :

اپنے شوہر کی طرح انہوں نے بھی قبول اسلام میں سبقت کی ابن اسحٰق کے قول کے مطابق ان کا ایمان لانے والوں میں اٹھار ہواں نمبر تھا۔

عام حالات :

جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی' تو حضرت ابوبکرؓ رفیق صحبت تھے آپ ﷺ دوپہر کو ان کے گھر تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا' نطاق جس کو عورتیں کمر میں لپیٹتی ہیں' پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا' یہ وہ شرف تھا جس کی بناء پر آج تک انکو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔(۱)

حضرت ابوبکر صدیقؓ ہجرت کے وقت کل روپیہ ساتھ لے گئے تھے' ابو قحافہ کہ ان کے والد تھے' معلوم ہوا' بولے انہوں نے جانی اور مالی دونوں قسم کی تکلیف دی حضرت اسماءؓ نے کہا وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں' یہ کہہ کر انھیں اور جس جگہ حضرت ابوبکرؓ کا مال رہتا تھا بہت سے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا پھر ابو قحافہ کو لے گئیں اور کہا ٹٹول لیجئے دیکھئے یہ رکھا ہے' ابو قحافہ نابینا ہو گئے تھے اس لئے مان گئے اور کہا کھانے کے لئے بہت ہے حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ میں نے صرف ابو قحافہ کی تسکین کے لئے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہ تھا۔(۲)

آنحضرت ﷺ نے مدینہ پہنچ کر مستورات کو بلوایا تو حضرت اسماءؓ بھی آئیں (۳) قبا

---

(۱) بخاری ج ۱ ص ۵۵۳'۵۵۵ (۲) مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۵۰
(۳) اصابہ ج ٤ ص ۲۲۹' طبقات ج ۱ ق ۱ ص ۱٦۱ و تهذيب ج ۵ ص ۲۱٤

میں قیام کیا' یہاں عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے' ان کو لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' آپ نے عبداللہ کو گود میں لیا تحنیک دی اور ان کے لئے دعا فرمائی(۱) عبداللہ بن زبیرؓ جب جوان ہوئے تو حضرت اسماءؓ ان کے پاس رہنے لگیں کیونکہ حضرت زبیرؓ نے ان کو طلاق دیدی تھی۔(۲)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے گھٹی میں آنحضرت ﷺ کا لعاب مبارک پیا تھا اس بناء پر جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل اخلاق کے پیکر مجسم تھے ادھر سلطنت بنو امیہ کا فرماں روا (یزید) سر تاپا فسق و فجور تھا حضرت عبداللہؓ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا مکہ میں پناہ گزیں ہوئے اور وہیں سے اپنی خلافت کی صدا بلند کی چونکہ حضرت عبداللہؓ کی عظمت و جلالت کا ہر شخص معترف تھا' اس لئے تمام دنیائے اسلام نے اس صدا پر لبیک کہی اور ملک کا بڑا حصہ ان کے علم کے نیچے آ گیا لیکن جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا' تو اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کر لیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کیں' شامی لشکر نے خانہ کعبہ کا محاصرہ کیا تو ابن زبیرؓ حضرت اسماءؓ کے پاس آئے' وہ بیمار تھیں پوچھا' کیا حال ہے؟" بولیں "بیمار ہوں" کہا" آدمی کو موت کے بعد آرام ملتا ہے" حضرت اسماءؓ نے کہا" شاید تم کو میرے مرنے کی تمنا ہے لیکن میں بھی مرنا پسند نہیں کرتی میری آرزو یہ ہے کہ تم لڑ کر قتل ہو اور میں صبر کروں' یا تم کامیاب ہو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں" ابن زبیرؓ ہنس کر چلے گئے' شہادت کا وقت آیا تو دوبارہ ماں کی خدمت میں آئے' وہ مسجد میں بیٹھی تھیں' صلح کے متعلق مشورہ کیا" بولیں بیٹا! قتل کے خوف سے ذلت آمیز صلح بہتر نہیں' کیونکہ عزت کے ساتھ تلوار مارنا ذلت کے ساتھ کوڑا مارنے سے بہتر ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ نے اس پر عمل کیا اور لڑ کر مردانہ وار شہادت حاصل کی حجاج نے ان کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا تین دن گزرنے پر حضرت اسماءؓ کنیز کو ساتھ لیکر اپنے بیٹے کی لاش پر آئیں۔ لاش الٹی لٹکی تھی دل تھام کر اس منظر کو دیکھا اور نہایت استقلال سے کہا" کیا اس سوار کے گھوڑے سے اترنے کا ابھی وقت نہیں آیا"(۳) حجاج کو چھیڑ منظور تھی آدمی بھیجا کہ جا کر لائے' حضرت اسماءؓ نے انکار کیا' اس نے پھر آدمی بھیجا کہ ابھی خیریت ہے' ورنہ آئندہ جو شخص بھیجا جائے گا وہ بال پکڑ کر گھسیٹ لائے گا" حضرت اسماءؓ صرف خدا کی شان جباری کی معترف تھیں جواب دیا میں نہیں جا سکتی حجاج نے مجبوراً خود

---

(۱) بخاری ج ۱ ص ۵۵۵ (۲) فتح الباری ج ٦ ص ۱٦۳ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۲

(۳) اسد الغابہ ج ۳ ص ۱٦۳ و استیعاب ج ۱ ص ۳٦٦

جوتا پہنا اور حضرت اسماءؓ کی خدمت میں آیا اور حسب ذیل گفتگو ہوئی، حجاج نے کہا "کہئے میں نے دشمن خدا (ابن زبیرؓ) کے ساتھ کیا سلوک کیا" حضرت اسماءؓ بولیں۔ "تو نے ان کی دنیا بگاڑی اور انہوں نے تیری عاقبت خراب کی! میں نے سنا ہے کہ تو ان کو طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے، خدا کی قسم ذات النطاقین میں ہوں! میں نے نطاق سے آنحضرت ﷺ اور ابو بکرؓ کا کھانا باندھا تھا اور دوسرے کو کمر میں لپیٹتی تھی، لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب اور ظالم پیدا ہوگا' چنانچہ کذاب کو دیکھ چکی ہوں اور ظالم تو ہے" حجاج نے یہ حدیث سنی تو چپکا اٹھ کھڑا ہوا۔ (۱)

چند دنوں کے بعد عبد الملک کا حکم پہنچا تو حجاج نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوادی حضرت اسماءؓ نے لاش اٹھوا کر گھر منگوایا اور غسل دلوا کر جنازہ کی نماز پڑھی حضرت ابن زبیرؓ کا جوڑ الگ تھا، نہلانے کے لئے کوئی عضو اٹھایا جاتا تو ہاتھ کے ساتھ چلا آتا تھا، لیکن حضرت اسماءؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر صبر کیا کہ خدا کی رحمت ان ہی پارہ پارہ ٹکڑوں پر نازل ہوتی ہے۔

وفات:

حضرت اسماءؓ دعا کرتی تھیں کہ جب تک میں عبد اللہ کی لاش نہ دیکھ لوں مجھے موت نہ آئے (۲) چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا یہ جمادی الاولیٰ ۷۳ ہجری کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد ہوئی' عبد اللہ' منذر' عروہ' مہاجر' خدیجۃ الکبریٰ' ام الحسن' عائشہ (۳)

حلیہ:

حضرت اسماءؓ بایں ہمہ کہ سو برس کی تھیں لیکن ایک دانت بھی نہیں گرا تھا اور ہوش و حواس بالکل درست تھے (۴) دراز قد اور لحیم شحیم تھیں اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی (۵)

فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ سے حضرت اسماءؓ نے (۵۶) حدیثیں روایت کی ہیں جو صحیحین اور

---

(۱) مسلم ج ۲ ص ۳۷۵ (۲) استیعاب ج ۱ ص ۳۶۶ (۳) طبری ج ۳ ص ۲۴۶۱ اور الریاض النضرۃ ص ۲۷۹، ۲۸۰ (۴) اصابہ ج ۸ ص ۸ (۵) مسند ج ۶ ص ۳۴۸ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۹۳

سنن میں موجود ہیں راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔

عبداللہ' عروہ (پسران) عباد بن عبداللہ 'عبداللہ بن عروہ (نبیر گان) فاطمہ بنت المنذر ابن زبیرؓ' عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیرؓ' عبداللہ بن کیسان (غلام) ابن عباس' صفیہ بنت شیبہ' ابن ابی ملیکہ' وہب بن کیسان' ابوبکر و عامر (پسران) ابن زبیرؓ' مطلب بن حنطب' محمد بن منکدر' مسلم معری' ابونوفل' ابن ابو عقرب

اخلاق :

حضرت اسماءؓ بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے' نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماءؓ نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا' ان کے پاس دو عورتیں کھڑی تھیں جن میں ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ دیر تک کھڑا رہنا چاہئیے(۱) لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی تھی حضرت اسماءؓ کو غش آ گیا اور سر پر پانی چھڑکنے کی نوبت آئی۔(۲) ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ ان کے سر میں درد ہوتا تو سر پکڑ کر کہتیں یہ میرا گناہ ہے (اور جو گناہ خدا معاف کرتا رہتا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں)

حق گوئی ان کا خاص شعار تھا' اس کی متعدد مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔ حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور جبار کے سامنے وہ جس صاف گوئی سے کام لیتی تھیں وہ بجائے خود اپنی آپ ہی نظیر ہے' ایک دن وہ منبر پر بیٹھا ہوا تھا' حضرت اسماءؓ اپنی کنیز کے ساتھ آئیں اور دریافت کیا کہ "امیر کہاں ہے؟" معلوم ہوا تو حجاج کے قریب گئیں اس نے دیکھتے ہی کہا "تمہارے بیٹے نے خدا کے گھر میں الحاد پھیلایا تھا' اس لئے خدا نے اس کو بڑا دردناک عذاب دیا" حضرت اسماءؓ نے برجستہ جواب دیا تو جھوٹا ہے' وہ ملحد نہ تھا' بلکہ صائم' پارسا اور شب بیدار تھا۔(۳)

نہایت صابر تھیں' حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت ایک قیامت تھی' جو ان کے لئے قیامت کبریٰ بن گئی' لیکن اس میں انہوں نے جس عزم' جس استقلال جس صبر اور جس تحمل سے کام لیا اس کی تاریخ میں بہت کم نظیریں مل سکتی ہیں۔

حد درجہ خوددار تھیں' حجاج بن یوسف جیسے امیر کی نخوت بھی ان کی خودداری کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتی تھی۔

باایں ہمہ نہایت متواضع اور خاکسار تھیں' محنت مشقت میں ان کو بالکل عار نہ تھا'

---

(۱) مسند ج ٦ ص ٣٤٩ (۲) بخاری ج ۱ ص ١٤٤ (۳) مسند ج ٦ ص ٣٥١

چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو حضرت زبیرؓ کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک اونٹ اور ایک گھوڑا تھا وہ گھوڑے کو دانہ دیتی، پانی بھرتی اور ڈول سیتی تھیں، روٹی پکانی نہیں آتی تھی اس لئے آٹا گوندھ کر رکھتی اور انصار کی بعض عورتیں پکا دیتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو جو زمین عنایت فرمائی تھی وہاں جا کر وہ چھوہاروں کی گٹھلیاں چنتی اور تین فرلانگ سے سر پر لاد کر لاتی تھیں ایک دن اسی حالت میں آرہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں، لیکن ان کو شرم معلوم ہوئی اور اونٹ پر نہ بیٹھیں، گھر آ کر حضرت زبیرؓ سے سارا قصہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا سبحان اللہ! سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہیں آئی؟ کچھ زمانہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کو ایک غلام دیا جو گھوڑے کی تربیت اور پرداخت کرتا تھا اس وقت حضرت اسماءؓ کی مصیبت کم ہوئی کہتی تھیں فکانما اعقنی یعنی گویا ابو بکرؓ نے مجھ کو آزاد کر دیا۔(۱)

غربت کی وجہ سے جو کچھ خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں، آنحضرت ﷺ نے منع کیا، کہ پھر خدا بھی ناپ کر دے گا اس وقت سے یہ عادت چھوڑ دی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمدنی وافر ہو گئی اور پھر کبھی تنگدست نہیں ہوئیں۔(۲)

حد درجہ فیاض تھیں، عبداللہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا، حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت ترکہ میں ایک جنگل چھوڑا تھا جو ان کے حصہ میں آیا تھا، لیکن انہوں نے اس کو لاکھ درہم پر فروخت کر کے کل رقم عزیزوں پر تقسیم کر دی(۳) بیمار پڑتیں تو اپنے تمام غلام آزاد کر دیتی تھیں(۴) حضرت زبیرؓ کا مزاج تیز تھا، اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ میں بلا اجازت ان کے مال سے فقراء کو خیرات دے سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے اجازت دی۔(۵)

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا، حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ مشرک ہیں، کیا ایسی حالت میں ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ ارشاد ہوا "ہاں (اپنی ماں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو)(۶)

حضرت اسماءؓ نے کئی حج کئے۔ پہلا حج آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا(۷) اس میں

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۷۵۶ (۲) مسند ج ۶ ص ۳۵۲ (۳) بخاری باب ہبۃ الواحد للجماعۃ
(٤) خلاصہ تہذیب ص ٤٨٨ (٥) مسند ج٦ ص ٣٥٣ (٦) بخاری ج٢ ص ٨٨٤ (٧) مسلم ج١ ص ٤٧٩

جو کچھ دیکھا تھا(۱) ان کو بالکل یاد نہ تھا' چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے بعد جب حج کے لئے آئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تورات کو نماز پڑھی پھر اپنے غلام سے پوچھا" چاند چھپ گیا' اس نے کہا نہیں' جب چاند ڈوب گیا' بولیں کہ اب رمی کے لئے چلو' رمی کے بعد پھر واپس آئیں اور صبح کی نماز پڑھی اس نے کہا آپ نے بڑی عجلت کی فرمایا آنحضرت ﷺ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے (۲) جب کبھی حجوں سے گزرتیں کہتیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہاں ٹھہرے تھے' اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا اور طواف کر کے حلال ہوئے تھے۔(۳)

نہایت بہادر تھیں' اخلاقی جرأت کے چند واقعات اوپر تحریر ہو چکے ہیں سعید بن عاص کے زمانہ حکومت میں جب اسلام میں فتنہ پیدا ہوا اور بدامنی شروع ہو گئی تو انہوں نے ایک خنجر رکھا تھا لوگوں نے پوچھا' اس کا کیا فائدہ ہے ؟ بولیں اگر کوئی چور آئے گا تو اس سے اس کا پیٹ چاک کروں گی ؟(۴)

حضرت اسماءؓ کے تقدس کا عام چرچا تھا لوگ ان سے دعا کراتے تھے جب کوئی عورت بخار میں مبتلا ہوتی اور دعا کے لئے آتی تو اس کے سینہ پر پانی چھڑکتیں اور کہتیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو(۵) (حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ بخار آتش جہنم کی گرمی سے ہے اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو) (۶) گھر کا کوئی آدمی بیمار ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کا جبہ (جس کو حضرت عائشہؓ نے وفات کے وقت ان کے سپرد کیا تھا) دھوتی اور اس کا پانی پلاتی تھیں اس سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔(۷)

(۳۱) حضرت فاطمہ بنت قیسؓ

نام ونسب :

فاطمہ نام' سلسلہ نسب یہ ہے : فاطمہ بنت قیس بن خالد اکبر بن وہب ثعلبہ ابن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر' والدہ کا نام امیمہ بنت ربیعہ تھا اور بنی کنانہ سے تھیں۔

---

(۱) بخاری ج ۱ ص ۲۳۷ (۲) ایضاً (۳) ایضاً (٤) ذیل طبری ج ۱۳ ص ۲٤٦۱
(٥) بخاری ج ۲ ص ۸٥۲ (٦) ایضاً باب الحمی میں فیح جهنم (۷) مسند ج ٦ ص ۳٤۸

نکاح :

ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ سے نکاح ہوا۔

اسلام :

اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان لائیں۔

ہجرت :

اور ہجرت کی۔

عام حالات :

۱۰ھ ہجری میں حضرت علیؓ ایک لشکر لے کر یمن گئے تھے، ابو عمرو بھی ان کے ساتھ تھے، چلتے وقت عیاش بن ابی ربیعہ کی معرفت اپنی بیوی کو آخری طلاق (دو طلاق پہلے دے چکے تھے) اور ۵، ۵ صاع جو اور خرمے بھیجے حضرت فاطمہؓ نے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو عیاش نے کہا کہ جو کچھ دیا گیا محض احسان ہے ورنہ ہمارے ذمہ یہ بھی ضروری نہیں، اس جواب پر فاطمہ کو غصہ آیا اور اپنے کپڑے لیکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئیں خالد بن ولیدؓ وغیرہ بھی پہنچے، آپ نے دریافت کیا کہ انہوں نے تم کو کتنے مرتبہ طلاق دی بولیں ۳ مرتبہ فرمایا۔ اب تم کو نفقہ نہیں مل سکتا۔(۱) تم ام شریک کے ہاں عدت کے دن پورے کرو لیکن چونکہ ام شریک کے اعزہ و اقارب ان کے مکان میں آتے جاتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ابن مکتوم نابینا اور تمہارے ابن عم ہیں، اس لئے بہتر ہے کہ تم ان کے ہاں رہو" عدت کا زمانہ پورا ہوا تو ہر طرف سے پیغام آئے امیر معاویہؓ، ابو جہم اور اسامہ بن زیدؓ نے بھی پیغام دیا لیکن آنحضرت ﷺ نے پہلے دو شخصوں کا پیغام اس لئے مسترد کر دیا کہ اول الذکر مفلس اور دوسرے تند مزاج تھے پھر فاطمہؓ سے فرمایا کہ تم اسامہؓ سے نکاح کر لو چونکہ فاطمہؓ کو خیال تھا کہ خود آنحضرت ﷺ ان کو اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمائیں گے اس لئے انکار کیا ارشاد ہوا "خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے" یہ سن کر فاطمہ مجبور ہوئیں اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کر لیا، کہتی ہیں کہ پھر میں قابل رشک بن گئی۔(۲)

۲۳ھ ہجری میں جب حضرت عمرؓ نے انتقال کیا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس فاطمہ ہی کے مکان میں ہوتا تھا۔(۳)

---

(۱) عدت کے اندر عورت کا کھانا کپڑا اسی مرد کے ذمہ ہے جس نے طلاق دی ہے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی اس روایت کے متعلق بڑی بحث ہے جس کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔ (۲) مسلم ج ۱ ص ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵ مسند ج ٦ ص ٤١١، ٤١٢، ٤١٣، ٤١٤، (۳) اسد الغابہ ج ۸ ص ۸۲٦

۵۴ھ ہجری میں حضرت اسامہؓ نے انتقال فرمایا فاطمہؓ کو سخت صدمہ ہوا دوسری شادی نہیں کی اور اپنے بھائی ضحاکؓ کے ساتھ رہیں جب یزید نے اپنے عہد حکومت میں ان کو عراق کا گورنر مقرر کیا تو فاطمہؓ بھی ان کے ساتھ کوفہ چلی آئیں اور یہیں سکونت اختیار کی۔

وفات:

وفات کا سال معلوم نہیں، حضرت ابن زبیرؓ کے زمانہ خلافت تک زندہ تھیں۔(۱)

حلیہ:

خوبصورت تھیں۔(۲)

فضل و کمال:

اسد الغابہ میں ہے:

لها عقل و كمال (ص ۵۲۶، ج۵)

"یعنی وہ عنایت عقیل اور صاحب کمال تھیں۔

حضرت سعید بن زید کی صاحبزادی، عبداللہ بن عمرو (بن عثمان) کو منسوب تھیں، انہوں نے ان کو تین طلاقیں دیں، فاطمہؓ ان کی خالہ ہوتی تھیں کہلا بھیجا کہ میرے گھر چلی آؤ مروان نے قبیصہ کو بھیجا کہ فاطمہؓ سے سبب دریافت کرو، قبیصہ نے آ کر کہا کہ آپ ایک عورت کو ایام عدت گزرنے سے قبل کیوں گھر سے نکالتی ہیں، بولیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو یہی حکم دیا تھا اس کے بعد اپنا واقعہ بیان کیا اور اس کی قرآن مجید سے تائید کی، قرآن مجید میں ہے:

إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ (طلاق ۱)

"جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کو عدت کے وقت تک طلاق دو اور عدت کو شمار کرو اور خدا سے ڈرو اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں مگر یہ کہ کھلی ہوئی بے حیائی کی مرتکب ہوں"

یہ مراجعہ کی صورت تھی اس کے بعد ہے۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ (طلاق ۲)

"پس جب میعاد کو پہنچ جائیں تو ان کو اچھی طرح روک کے رکھو یا اچھی طرح جدا کر دو"

---

(۱) مسلم ج ۱ ص ۵۸۶ (۲) اصابہ ج ۸ ص ۱۶۴

اس بناء پر تین مرتبہ کے بعد پھر کسی صورت کا احتمال نہیں ہے' اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمہارے نزدیک عورت جب تک حاملہ نہ ہو اس کا نفقہ نہ دینا چاہئیے اس لئے اس کو روک رکھنا بالکل بیکار ہے (جب مروان کو حضرت فاطمہؓ کی اس گفتگو کی اطلاع ہوئی تو کہا کہ یہ ایک عورت کی بات ہے اور ان مطلقہ خاتون کو حکم دیا کہ اپنے گھر واپس آئیں' چنانچہ وہ واپس آئیں اور وہیں عدت گزاری)(۱)

فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں' جو متعدد اشخاص کے ذریعہ سے مروی ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

قاسم بن محمد' ابو بکر بن ابو الجہم' ابو سلمہ' سعید بن مسیب' عروہ' عبداللہ بن عبداللہ' اسود' سلیمان بن یسار' عبداللہ البہی' محمد بن عبدالرحمٰن بن ثوبان' شعبی' عبدالرحمٰن ابن عاصم' تمیم

اخلاق :

عادات واخلاق نہایت شریفانہ تھے' شعبی جو ان کے شاگرد تھے' ملنے کو آئے تو انہوں نے چھوہارے کھلائے اور ستو پلایا۔(۲)

(۳۲) حضرت شفاء بنت عبداللہؓ

نام و نسب :

شفاء نام' قبیلہ قریش کے خاندان عدی سے ہیں سلسلہ نسب یہ ہے : شفاء بنت عبداللہ بن عبد شمس بن خلف بن سداد بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی' والدہ کا نام فاطمہ بنت وہب بن عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم تھا۔

نکاح :

ابو حشمہ بن حذیفہ عدوی سے نکاح ہوا۔

اسلام :

ہجرت سے قبل مسلمان ہوئیں۔(۳)

---

(۱) مسلم ج ۱ ص ۵۸٤ و مسند ج ٦ ص ٤١٦'٤١٥ (۲) مسلم ج ۱ ص ۵۸۵
(۳) اصابہ ج ۸ ص ۲۰

عام حالات:

آنحضرت ﷺ سے ان کو بہت محبت تھی آپ ﷺ کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے انہوں نے آپ کے لئے علیحدہ بچھونا اور ایک تہمد رکھ چھوڑی تھی چونکہ ان میں آنحضرت ﷺ کا پسینہ جذب ہوتا تھا یہ بڑی متبرک چیزیں تھیں حضرت شفاءؓ کے بعد ان کی اولاد نے ان تبرکات کو نہایت احتیاط سے محفوظ رکھا لیکن مروان نے ان سے یہ سب چیزیں لے لیں۔(۱)

آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک مکان بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اسی میں سکونت پذیر تھیں۔(۲)

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کے ساتھ خاص رعایتیں کیں۔ چنانچہ ابن سعد میں ہے:-

کان عمر یقد مهافی الرائ و یرعاها و یفضلها و ربما ولا هلشیئا من امر السوق(۳)

"حضرت عمرؓ ان کو رائے میں مقدم رکھتے ان کی فضیلت کی رعایت کرتے اور ان کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے۔"

وفات:

وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

اولاد:

اولاد میں دو کا پتہ چلتا ہے، سلیمان اور ایک لڑکی جو شرجیل بن حسنہ کو منسوب تھی۔

فضل و کمال:

جاہلیت میں دو چیزوں میں مشہور تھیں، جھاڑ پھونک اور لکھنا، جھاڑ پھونک کے متعلق آنحضرت ﷺ سے انہوں نے استفسار کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ حفصہؓ کو بھی سکھادو، لکھنے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا تھا(۴) چیونٹی کے کاٹے میں یہ منتر پڑھتی تھیں۔ بسم الله صلو صلب جبر تعوذ امن افواهها فلا تضر احداً اللهم اکشف الباس رب الناس .(۵)

---

(۱) اسد الغابہ ج۵ ص۴۸٦ (اصابہ ج ۸ ص ۱۲۱) (۲) اصابہ ۱۲۱ بحوالہ ابن سعد
(۳) اصابہ ص ۱۲۱ (٤) مسند ج ٦ ص ۳۷۳ (۵) اسد الغابہ ج ۵ ص ٤۸۷

حضرت شفاء نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں جن کی تعداد صاحب خلاصہ کے نزدیک بارہ ہے، راویوں میں ان کے بیٹے اور دو پوتے ابوبکر و عثمان اور ابوسلمہ، حضرت حفصہؓ ابو اسحٰق شامل ہیں۔

اخلاق :

اسد الغابہ میں ہے :(۱)

کانت من عقلاء النسا و فضلا نهن

"یعنی وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ تھیں"

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ان کو بلا کر ایک چادر عنایت کی اور عاتکہ بنت اسید کو ان سے بہتر چادر دی، تو بولیں تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں، ان کو مجھ سے بہتر چادر دی حالانکہ میں ان سے پہلے مسلمان ہوئی تمہاری بنت عم بھی ہوں اس کے علاوہ تم نے مجھ کو طلب کیا تھا اور یہ خود چلی آئیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں تمہیں عمدہ چادر دیتا لیکن جب یہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ سے نسباً قریب تر ہیں۔(۲)

(۳۳) حضرت زینبؓ بنت ابی معاویہ

نام و نسب :

زینب نام، رائطہ عرف، قبیلہ ثقیف سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے : زینب بنت عبداللہ، ابی معاویہ بن معاویۃ بن عتاب بن اسعد بن غاضرہ بن حطیط بن جشم ابن ثقیف۔

نکاح :

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نکاح ہوا، چونکہ ان کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اور زینبؓ دستکار تھیں۔ اس لئے اپنے شوہر اور اولاد کی خود کفیل ہوئیں، ایک دن کہنے لگیں کہ تم نے اور تمہاری اولاد نے مجھ کو صدقہ و خیرات سے روک رکھا ہے، جو کچھ کماتی ہوں تم کو کھلا دیتی ہوں، بھلا اس میں میرا کیا فائدہ؟ حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا تم اپنے فائدہ کی صورت نکال لو، مجھ کو تمہارا نقصان منظور نہیں حضرت زینب آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچیں اور عرض کی

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۸۶ (۲) ایضاً ج ۵ ص ۴۹۷ حالات عاتکہؓ

کہ میں دست کار ہوں اور جو کچھ اس سے پیدا کرتی ہوں شوہر اور بال بچوں پر صرف ہو جاتا ہے' کیونکہ میرے شوہر کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے اس بناء پر میں محتاجوں کو صدقہ نہیں دے سکتی۔ اس حالت میں کیا مجھ کو کچھ ثواب ملتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں تم کو ان کی خبر گیری کرنا چاہئیے۔(۱)

عام حالات :

حضرت زینبؓ کے حالات بہت کم معلوم ہیں سال وفات کا بھی یہی حال ہے۔

اولاد :

ابو عبیدہؒ جو اپنے زمانہ کے مشہور محدث گزرے ہیں حضرت زینبؓ کے نور نظر تھے۔

فضل و کمال :

آنحضرت ﷺ کی حضرت عمرؓ اور ابن مسعودؓ سے چند حدیثیں روایت کیں' راویوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔ ابو عبیدہ' عمرو بن حارث بن ابی ضرار' بسر بن سعید' عبید بن سباق' کلثوم' محمد بن عمرو بن حارث۔

اخلاق :

بارگاہ نبوت میں ان کو مخصوص درجہ حاصل تھا۔ اکثر آپ کے مکان میں آتی جاتی تھیں ایک دن وہ آپؐ کے سر کی جوئیں دیکھ رہی تھیں' مہاجرین کی اور عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں' ایک مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے اپنے کام چھوڑ کر بولنا شروع کیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو کام بھی کرو اور گفتگو بھی۔(۲)

(۳۴) حضرت اسماءؓ بنت یزید

نام و نسب :

اسماء نام' ام سلمہ کنیت۔ سلسلہ نسب یہ ہے : اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع بن امرء القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

---

(۱) مسلم (۲) مسند ج ٦ ص ۳٦۳

اسلام:

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں اور چند عورتوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لئے آئیں۔ آپ صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کی کہ "مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں خدا نے آپ کو مرد اور عورت سب کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، ہم نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ پر ایمان لائے ہیں لیکن ہماری حالت مردوں سے بالکل جداگانہ ہے، ہم پردہ نشین ہیں اس لئے جمعہ اور جماعت میں شریک نہیں ہو سکتے اور مرد جمعہ و جماعت میں شریک ہوتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حج کو جاتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جہاد کرتے ہیں لیکن ان تمام صورتوں میں ہم گھر میں بیٹھ کر ان کی اولاد کو پالتے ہیں، گھروں کی حفاظت کرتے ہیں، کپڑوں کے لئے چرخہ کاتتے ہیں، تو کیا اس صورت میں ہم کو بھی کچھ ثواب ملے گا" آنحضرت ﷺ نے سنا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ تم نے کسی عورت سے ایسی گفتگو بھی سنی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے اسماء کو جواب دیا نہیں، آپ نے اسماءؓ کو جواب دیا کہ عورت کے لئے شوہر کی رضا جوئی نہایت ضروری چیز ہے، اگر وہ فرائض زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی مرضی پر چلتی ہے تو مرد کو جس قدر ثواب ملتا ہے، عورت کو بھی اسی قدر ملتا ہے۔(۱)

جامع ترمذی، ابن سعد اور مسند ابن حنبل میں اس بیعت کا کسی قدر تذکرہ آیا ہے۔ مسند میں ہے کہ اس بیعت میں اسماءؓ کی خالہ بھی شریک تھیں جو سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنے تھیں، آپ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں تو فرمایا تو کیا تم کو یہ پسند ہے کہ خدا آگ کے کنگن اور انگوٹھیاں پہنائے، حضرت اسماءؓ نے کہا خالہ ان کو اتار دو، چنانچہ فوراً تمام چیزیں اتار کر پھینک دیں اسماءؓ نے کہا، یا رسول اللہ! ہم زیور نہ پہنیں گے تو شوہر بے وقعت سمجھے گا ارشاد ہوا" تو پھر چاندی کے زیور بنوا لو اور ان پر زعفران مل لو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے"

غرض ان باتوں کے بعد جب بیعت کا وقت آیا آنحضرت ﷺ نے زبانی چند اقرار کرائے حضرت اسماءؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں، اپنا ہاتھ بڑھایئے فرمایا، میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

---

(۱) اسد الغابہ ج۵ ص۳۹۸ و استیعاب ج ۲ ص۷۲۶

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ کنگن کا واقعہ خود حضرت اسماءؓ کا تھا۔(۱)

عام حالات :

سنہ ۱ ہجری میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی اور وہ اپنے میکہ سے کاشانہ نبوت میں آئیں، تو جن عورتوں نے ان کو سنوارا تھا ان میں حضرت اسماءؓ بھی داخل تھیں حضرت عائشہؓ کو جلوے میں بٹھا کر آنحضرت ﷺ کو اطلاع کی، آپ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے، کسی نے دودھ پیش کیا تو تھوڑا سا پی کر حضرت عائشہؓ کو دے دیا ان کو شرم معلوم ہوئی اور سر جھکا لیا، حضرت اسماءؓ نے ڈانٹا کہ رسول اللہ ﷺ جو دیتے ہیں، لے لو، حضرت عائشہؓ نے دودھ لے کر کسی قدر پی لیا اور پھر آنحضرت ﷺ کو واپس کر دیا آنحضرت ﷺ نے حضرت اسماء کو دیا انہوں نے پیالہ کو گھٹنے پر رکھ کر گردش دینا شروع کیا کہ جس طرف سے آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا تھا وہاں بھی منہ لگ جائے اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اور عورتوں کو بھی دو، لیکن سب نے جواب دیا کہ ہم کو اس وقت خواہش نہیں ہے ارشاد ہوا " بھوک کے ساتھ جھوٹ بھی"؟(۲)

سنہ ۱۵ ہجری یرموک کا واقعہ پیش آیا اس میں حضرت اسماءؓ نے اپنے خیمہ کی چوب سے ۹ رومیوں کو قتل کیا۔(۳)

وفات :

یرموک کے بعد مدت تک زندہ رہیں اور پھر وفات پائی، وفات کا سال معلوم نہیں ہے۔

فضل وکمال :

حضرت اسماءؓ نے آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں، جن کے راوی اصحاب ذیل ہیں۔ محمود بن عمرو انصاری، مہاجر بن ابی مسلم، شہر بن حوشب، مجاہد، اسحٰق بن راشد لیکن ان میں سب سے زیادہ شہر بن حوشب نے راویتیں کی ہیں۔

اخلاق :

استیعاب میں ہے :

كانت من ذوات العقل والدين

---

(۱) ان واقعات کے لئے دیکھو مسند ج ٦ ص ٤٥٣، ٤٥٤، ٤٦٠، ٤٦١ (۲) مسند ج ٦ ص ٤٥٨
(۳) اصابہ ج ۸ ص ۱۳

"یعنی وہ عقل اور دین دونوں سے متصف تھیں"

آنحضرت ﷺ کی خدمت کرتی تھیں (۱) ایک مرتبہ ناقہ عضباء کی مہار تھامے تھیں کہ آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہوئی ان کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بار تھا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اونٹنی کے ہاتھ پاؤں نہ ٹوٹ جائے (۲) حضرت آسماءؓ اکثر اوقات کاشانہ نبوت میں حاضر ہوتیں ایک مرتبہ بیٹھی تھیں کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر فرمایا' گھر میں کہرام مچ گیا آنحضرت ﷺ دوبارہ واپس آئے تو وہی حالت قائم تھے' فرمایا کیوں روتی ہو؟ حضرت اسماءؓ نے کہا ہماری حالت یہ ہے کہ لونڈی آٹا گوندھنے بیٹھی ہے' ہم کو سخت بھوک ہوتی ہے وہ پکا کر فارغ نہیں ہوتی کہ ہم بھوک سے بیتاب ہو جاتے ہیں' پھر دجال کے زمانہ میں جو قحط پڑے گا اس پر کیوں کر صبر کر سکیں گے (یعنی فوراً اس کے دام میں پھنس جائیں گے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اس دن تسبیح و تکبیر بھوک سے بچائے گی پھر کہارونے کی ضرورت نہیں اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں خود سینہ سپر ہوں گا' ورنہ میرے بعد خدا ہر مسلمان کی حفاظت کرے گا۔ (۳)

مہمان نواز تھیں (ایک بار حضرت) شہر بن حوشبؓ آئے تو (انہوں نے) ان کے سامنے کھانا رکھا (حضرت شہر بن حوشب نے) انکار کیا تو آنحضرت ﷺ کا ایک واقعہ بیان کیا (جس سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ انکار کرنا مناسب نہیں' انہوں نے کہا اب دوبارہ ایسی غلطی نہ کروں گا) (۴)

(۳۵) حضرت ام الدرداءؓ

نام و نسب:

ام الدرداءؓ دو تھیں۔ اور دونوں حضرت ابو الدرداءؓ کے عقد نکاح میں آئیں۔ لیکن جو بڑی تھیں وہ صحابیہ ہیں امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق ان کا نام خیرہ تھا اور ابو حدرد اسلمی کی صاحب زادی تھیں۔

وفات:

حضرت ابو درداءؓ سے دو سال قبل شام میں وفات پائی۔ یہ خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔

فضل و کمال:

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

---

(۱) مسند ج ٦ ص ٤٥٩ (۲) ایضاً ص: ٤٥٨،٤٥٥ (۳) مسند ج ٦ ص ٤٥٤،٤٥٣
(٤) ایضاً ٤٥٨

كانت من فضلى النساء و عقلائهن و ذوات الراى فيهن(۱)

" وہ بڑی عاقلہ اور فاضلہ اور صاحب الرائے تھیں "

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو الدرداءؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں ان کے شاگرد میمون بن مہران ہیں، جن کی سماعت پر جمہور کا اتفاق ہے، حافظ ابن عبد البر نے بعض اور راویوں کے نام بھی لکھے ہیں لیکن یہ سخت غلطی ہے کیوں کہ ان میں سے کسی نے ام الدرداءؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

اخلاق :

نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔(۲)

(۳۶) حضرت ام حکیمؓ

نام و نسب :

قریش کے خاندان مخزوم سے تھیں، باپ کا نام حارث بن ہشام بن المغیرہ اور ماں کا نام فاطمہ بنت الولید تھا۔ فاطمہ حضرت خالد بن الولید کی ہمشیر تھیں۔

نکاح :

عکرمہ بن ابو جہل سے (جو ان کے ابن عم تھے) شادی ہوئی۔

عام حالات :

غزوہ احد میں کفار کے ساتھ شریک تھیں۔ لیکن جب ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو پھر اسلام سے چارہ نہ تھا ان کا خسر (ابو جہل) مکہ میں اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور کفر کا سرغنہ رہ چکا تھا شوہر عکرمہ کی رگوں میں اسی کا خون دوڑتا تھا (ماموں) خالد بھی مدت سے اسلام سے برسرپیکار رہ چکے تھے لیکن بایں ہمہ ام حکیمؓ نے اپنی فطری سلامت روی کی بناء پر فتح مکہ میں اسلام قبول کرنے میں بہت عجلت کی۔ ان کے شوہر جان بچا کر یمن بھاگ گئے تھے ام حکیمؓ نے ان کے لئے امن کی درخواست کی تو رحمت عالم کا دامن عفو نہایت کشادہ تھا غرض یمن جا کر ان کو واپس لائیں اور عکرمہ نے صدق دل سے اسلام قبول کیا حضرت عکرمہؓ نے

---

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۷۳

(۲) اصابہ ج۸ ص ۷۳

مسلمان ہو کر اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کیا نہایت جوش سے غزوات میں شرکت کی اور بڑی پامردی اور جاں بازی سے لڑے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے جنگ چھڑی۔ حضرت عکرمہؓ ام حکیمؓ کو لے کر شام گئے اور اجنادین کے معرکہ میں داد شجاعت دیکر شہادت حاصل کی۔ حضرت ام حکیمؓ نے عدت کے بعد خالد بن سعید بن العاص سے نکاح کیا ۴۰۰ سو دینار مہر بندھا اور رسم عروسی ادا کرنے کی تیاریاں ہوئیں' چونکہ نکاح مرج الصفر میں ہوا تھا جو دمشق کے قریب ہے اور ہر وقت رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا۔ حضرت ام حکیمؓ نے خالد سے کہا کہ ابھی توقف کرو" لیکن خالد نے کہا کہ مجھے اسی معرکہ میں اپنی شہادت کا یقین ہے' غرض ایک پل کے پاس جو اب قنطرہ ام حکیمؓ کہلاتا ہے' رسم عروسی ادا ہوئی دعوت ولیمہ سے لوگ فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومی آپہنچے اور لڑائی شروع ہو گئی خالد میدان جنگ میں گئے اور شہادت حاصل کی' حضرت ام حکیمؓ اگرچہ عروس تھیں تاہم انھیں' کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑ کر کفار پر حملہ کیا' لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے اس چوب سے سات کافروں کو قتل کیا تھا۔(۱)

وفات:

حضرت ام حکیم کی وفات کا زمانہ معلوم نہیں' اولاد کا بھی یہی حال ہے۔

(۳۷) حضرت خنساءؓ

نام ونسب:

تماضر نام' خنساء لقب' قبیلہ قیس کے خاندان سلیم سے ہیں' سلسلہ نسب یہ ہے: خنساء بنت عمرو بن الشرید بن رباح بن یقظہ بن عصیتہ بن خفاف بن امرء القیس بن بہثہ ابن سلیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان بن مضر مجد کی رہنے والی تھیں۔

نکاح:

پہلا نکاح قبیلہ سلیم کے ایک شخص رواحہ بن عبدالعزیٰ سے ہوا' اس کے انتقال کے بعد مرداس بن ابو عامر کے عقد نکاح میں آئیں۔(۲)

---

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۲۲۵ (۲) طبقات الشعراء لابن قیتبہ ص ۱۹۷ اسد الغابہ ج: ۵ ص: ۴۴۱

اسلام :

پیری کا زمانہ تھا کہ مکہ کے افق سے ماہتاب رسالت طلوع ہوا' حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ میں آئیں اور مشرف باسلام ہوئیں' آنحضرت ﷺ دیر تک ان کے اشعار سنتے اور تعجب کرتے رہے' یہ ہجرت کے بعد کا واقعہ ہے۔

عام حالات :

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قادسیہ (عراق) میں جنگ ہوئی تو حضرت خنساء اپنے چار بیٹوں کو لیکر میدان میں آئیں اور ان کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کی' پیارے بیٹو! تم نے اسلام اور ہجرت اپنی مرضی سے اختیار کی ہے' ورنہ تم اپنے ملک کو بھاری نہ تھے' اور نہ تمہارے یہاں قحط پڑا تھا باوجود اس کے تم اپنی بوڑھی ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا خدا کی قسم! تم ایک ماں اور باپ کی اولاد ہو میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا تم جانتے ہو کہ دنیا فانی ہے اور کفار سے جو جہاد کرنے میں بڑا ثواب ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین امنو ااصبروا وصابروا ورابطوا اس بنا پر صبح اٹھکر لڑنے کی تیاری کرو اور آخر وقت تک لڑو" (۲) چنانچہ بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور نہایت جوش میں رجز پڑھتے ہوئے بڑھے اور شہید ہوئے حضرت خنساءؓ کو خبر ہوئی تو خدا کا شکر ادا کیا۔

حضرت عمرؓ ان لڑکوں کو ۲۰۰ درہم سالانہ وظیفہ عطا کرتے تھے ان کی شہادت کے بعد یہ رقم حضرت خنساء کو ملتی رہی۔ (۳)

وفات :

اس واقعہ کے دس برس کے بعد حضرت خنساءؓ نے وفات پائی۔ سال وفات ۲۴ ہجری ہے۔

اولاد :

چار لڑکے تھے جو قادسیہ میں شہید ہوئے ان کے نام یہ ہیں "عبداللہ' ابو شجرہ (پہلے شوہر سے) زید' معاویہ (دوسرے شوہر سے)"

فضل و کمال :

اقسام سخن میں سے مرثیہ میں حضرت خنساءؓ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں صاحب

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۴۲ (۲) ایضاً

اسد الغابہ لکھتے ہیں۔(۱)

اجمع اهل العلم بالشعراء لم تكن امرأة قبلها و لا بعدها اشعر منها

"یعنی ناقدان سخن کا فیصلہ ہے کہ خنساءؓ کے برابر کوئی عورت شاعر نہیں پیدا ہوئی"

لیلائے اخیلیہ کو شعراء نے تمام شاعر عورتوں کا سرتاج تسلیم کیا ہے تاہم اس میں بھی حضرت خنساءؓ مستثنیٰ رکھی گئی ہیں(۲) بازار عکاظ میں جو شعرائے عرب کا سب سے بڑا مرکز تھا، حضرت خنساءؓ کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کے خیمے کے دروازے پر ایک علم نصب ہوتا تھا، جس پر یہ الفاظ لکھے تھے ارثی العرب یعنی عرب میں سب سے بڑی مرثیہ گو، نابغہ جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شاعر تھا اس کو حضرت خنساءؓ نے اپنا کلام سنایا تو بولا کہ اگر میں ابو بصیر (اعشیٰ) کا کلام نہ سن لیتا تو تجھ کو تمام عالم میں سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتا" (۳)

حضرت خنساءؓ ابتداءً ایک دو شعر کہتی تھیں، لیکن صخر کے مرنے سے ان کو جو صدمہ پہنچا اس نے ان کی طبعیت میں ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا چنانچہ کثرت سے مرثیے لکھے ہیں یہ شعر خاص طور پر مشہور ہیں :-

وان صخر التاتم الهداة به　　　كانه علم في راسه نار

صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا وہ ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے

حضرت خنساءؓ کا دیوان بہت ضخیم ہے ۱۸۸۸ء میں بیروت میں مع شرح کے چھاپا گیا ہے اس میں حضرت خنساءؓ کے ساتھ ۶۰ عورتوں کے اور بھی مرثیے شامل ہیں ۱۸۸۹ء میں اس کا فرنچ زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

(۳۸) حضرت ام حرامؓ

نام و نسب :

نام معلوم نہیں، ام حرام کنیت تھی، قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھیں سلسلہ نسب یہ ہے : ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جند بن عامر بن غنم بن عدی ابن نجار۔ والدہ کا نام ملیکہ تھا جو مالک بن عدی بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار کی دختر تھیں۔ اس بناء پر ام حرامؓ حضرت ام سلیمؓ کی بہن اور حضرت انسؓ کی خالہ ہوتی ہیں

---

(۱) ایضاً ص ۴۴۱ (۲) طبقات الشعراء ص ۲۷۱ (۳) ایضاً ص ۱۹۸

آنحضرت ﷺ سے بھی ان کا یہی رشتہ تھا۔

نکاح:

عمرو بن قیس انصاریؓ سے ہوا۔[1] لیکن جب انہوں نے احد میں شہادت پائی تو حضرت عبادہؓ بن صامت کے عقد نکاح میں آئیں جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔

عام حالات اور وفات:

آنحضرت ﷺ جب کبھی قباء کی طرف تشریف لے جاتے تو حضرت ام حرامؓ کے گھر آتے اور کھانا نوش فرماتے تھے حجتہ الوداع [2] کے بعد ایک روز آپ ﷺ تشریف لائے اور کھانا کھا کر آرام فرمایا تو حضرت ام حرام نے جوئیں دیکھنا شروع کیں آپ کو نیند آگئی لیکن تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے اٹھے اور فرمایا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اور وہ یہ کہ "میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں غزوہ کے ارادہ سے سوار ہیں" حضرت ام حرامؓ نے کہا "یارسول اللہ ! دعا کیجئے کہ میں بھی ان میں شامل ہوں" آپ نے دعا کی اور پھر آرام فرمایا۔ کچھ دیر کے بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے اور اسی خواب کا اعادہ کیا حضرت ام حرامؓ نے پھر اپنی شرکت کے لئے دعا کی درخواست کی فرمایا تم پہلی جماعت کے ساتھ ہو اس خواب کی تعبیر ۲۸ھ ہجری میں پوری ہوئی۔

حضرت امیر معاویہؓ حضرت عمرؓ کی طرف سے شام کے حاکم تھے انہوں نے متعدد بار جزائر پر حملہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن حضرت عمرؓ نے اجازت نہیں دی حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو اجازت ملی، انہوں نے جزیرہ قبرس (سائپرس) پر حملہ کرنے کے لئے ایک بیڑا تیار کیا اس حملہ میں بہت سے صحابہؓ شریک تھے حضرت ابوذرؓ، حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت ام حرامؓ بھی ان ہی میں داخل تھیں[3] بیڑا حمص[4] کے ساحل سے روانہ ہوا اور قبرس فتح ہو گیا واپسی میں حضرت ام حرامؓ سواری پر چڑھ رہی تھیں کہ نیچے گریں اور جاں بحق تسلیم ہوئیں لوگوں نے ان کو وہیں دفن کر دیا۔[5]

---

(۱) تهذیب ج ۱۲ ص ٤٦٢ (۲) زرقانی ج ۲ ص ٦٦ واصابه ج ۸ ص ۲۲۲، ۲۲۳
(۳) اسد الغابه ج ٥ ص ٥٧٥ (٤) زرقانی ص ٦١ (٥) بخاری ج ۲ ص ۹۲۹

اولاد:

حضرت ام حرامؓ سے ۳ لڑکے پیدا ہوئے پہلے شوہر سے قیس اور عبداللہ اور حضرت عبادہؓ سے محمد۔

فضل و کمال:

آنحضرت ﷺ سے چند حدیثیں روایت کیں، راویوں میں حضرت عبادہؓ، حضرت انسؓ، عمرو بن اسود، عطاء بن یسار اور یعلی بن شداد بن اوس ہیں۔

(۳۹) حضرت ام ورقہؓ بنت عبداللہ

نام و نسب:

نام معلوم نہیں، ام ورقہ کنیت اور انصار کے کسی قبیلہ سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل۔

اسلام:

ہجرت کے بعد مسلمان ہوئیں۔

غزوات:

غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شرکت کی اجازت مانگی کہ مریضوں کی تیمارداری کروں گی، ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں شہادت نصیب ہو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا" تم گھر میں رہو خدا تم کو وہیں شہادت عطا فرمائے گا"

شہادت:

چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے ان کو عورتوں کا امام بنایا تھا۔ اس لئے درخواست کی کہ ایک مؤذن بھی مقرر فرمایئے چنانچہ مؤذن اذان دیتا اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں[۱] راتوں کو قرآن پڑھا کرتیں انہوں نے ایک لونڈی اور ایک غلام کو مدبر بنایا یعنی اس شرط پر آزادی کا وعدہ کیا تھا کہ میرے بعد تم آزاد ہو ان بدبختوں نے اس وعدے سے (ناجائز) فائدہ اٹھانا چاہا، اور رات کو ایک چادر ڈال کر ان کا کام تمام کر دیا یہ خلافت فاروقی کا واقعہ ہے۔ صبح کو حضرت عمرؓ نے لوگوں سے پوچھا، آج خالہ کے پڑھنے کی آواز نہیں آئی، معلوم نہیں

---

(۱) عورتوں کی امامت کے متعلق دیباچہ کے ص ۱۰ پر ایک نوٹ ہے وہ ملاحظہ ہو

کیسی ہیں؟ مکان میں گئے تو دیکھا کہ ایک چادر میں لپٹی پڑی ہوئی ہیں، نہایت افسوس ہوا اور فرمایا خدا اور رسول ﷺ نے سچ کہا تھا آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے "شہیدہ کے گھر چلو" اس کے بعد منبر پر چڑھے اور کہا غلام اور لونڈی دونوں گرفتار کئے جائیں، چنانچہ وہ گرفتار ہو کر آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کو سولی پر لٹکا دیا (یہ دونوں وہ پہلے مجرم ہیں) جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی۔[1]

(۴۰) حضرت ہندؓ

نام و نسب:

ہند نام، قبیلہ قریش سے تھیں، سلسلہ نسب یہ ہے۔ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف، ہند کا باپ قریش کا سب سے معزز رئیس تھا۔

نکاح:

فاکہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا لیکن پھر کسی وجہ سے جھگڑا ہو گیا، تو ابو سفیان بن حرب کے عقد میں آئیں جو قبیلہ امیہ کے مشہور سردار تھے۔

عام حالات:

عتبہ، ابو سفیان اور ہند تینوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی، اور وہ اسلام کی غیر معمولی ترقی کو نہایت رشک سے دیکھتے تھے۔ اور حتی الامکان اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتے تھے، ابو جہل ان سب کا سردار تھا لیکن جب بدر کے معرکہ میں جو اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ تھا، قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ابو جہل اور عتبہ وغیرہ بھی قتل ہو گئے تو ابو سفیان **بن** حرب نے جو عتبہ کے داماد تھے، اس کی جگہ لی اور ابو جہل کی طرح مکہ میں ان کی سیادت مسلم ہو گئی چنانچہ بدر کے بعد سے جس قدر معرکے پیش آئے ابو سفیان سب میں پیش پیش تھے۔ غزوہ احد ان ہی کے جوش انتقام کا نتیجہ تھا اس موقع پر ان کے ساتھ ان کی بیوی ہند بھی آئی تھیں، جنہوں نے اپنے باپ کے انتقام میں سنگ دلی اور خون خواری کا ایسا خطرناک منظر پیش کیا جس کے تخیل سے بھی جسم لرز اٹھتا ہے حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے چچا تھے، انہوں نے عتبہ کو قتل کیا تھا ہند ان کی فکر میں تھیں۔

---

(۱) اصابہ ج ۸ ص ۲۸۹

چنانچہ انہوں نے وحشی کو جو جبیر بن مطعم کے غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتے تھے حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا تھا (یہ حضرت وحشیؓ کے قبل از اسلام کا واقعہ ہے) اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کردیئے جائیں گے' چنانچہ حضرت حمزہؓ جب ان کے برابر آئے تو وحشی نے حربہ پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا حضرت حمزہؓ نے ان پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔

خاتونان قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا تھا ان کے ناک کان کاٹ لئے ہند نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئیں' لیکن گلے سے نہ اتر سکا۔ اس لئے اگل دینا پڑا (حضرت ابو سفیانؓ اور ہند کے یہ سب واقعات اسلام قبول کرنے سے پہلے کے ہیں) آنحضرت ﷺ کو اس فعل سے جس قدر صدمہ ہوا تھا' اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ لیکن ایک اور چیز تھی جو ایسے نازک موقعوں پر بھی جبین رحمت کو شکن آلود نہیں ہونے دیتی تھی۔

اسلام :

چنانچہ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرت ﷺ لوگوں سے بیعت لینے کے لئے بیٹھے تو مستورات میں ہند بھی آئیں' شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں ہندؓ بھی نقاب پہن کر آئیں جس سے اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی ان کو پہچاننے نہ پائے۔ بیعت کے وقت انہوں نے نہایت دلیری سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں۔

ہندؓ۔ یارسول اللہ ! اپ ہم سے کن باتوں کا اقرار لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ !۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہندؓ : یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا۔ لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ ﷺ : چوری نہ کرنا۔

ہندؓ : میں اپنے شوہر کے مال میں سے کبھی کچھ لے لیا کرتی ہوں معلوم نہیں۔ یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

رسول اللہ ﷺ : اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہندؓ ربینا هم صغار و قتلتهم كباراً فانت وهم اعلم. ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا بڑے ہوئے تو جنگ بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔

(اس دیدہ دلیری کے باوجود) آنحضرت ﷺ نے ہند سے درگزر فرمایا۔ (ہند کے قلب پر اس کا بہت اثر ہوا) اور ان کے دل نے اندر سے گواہی دی کہ آپ سچے پیغمبر ہیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ! اس سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ میرے نزدیک کوئی مبغوض خیمہ نہ تھا لیکن اب آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی محبوب خیمہ میرے نزدیک نہیں ہے۔[1]

حضرت ہندؓ مسلمان ہو کر گھر گئیں تو اب وہ ہند نہ تھیں، ابن سعد نے لکھا ہے کہ انہوں نے گھر جا کر بت توڑ ڈالا اور کہا کہ ہم تیری طرف سے دھوکے میں تھے۔[2]

(اسد الغابہ میں ان کے حسن اسلام کے متعلق لکھا ہے کہ **اسلمت یوم الفتح و حسن اسلامھا**[3]

غزوات:

فتح مکہ کے بعد اگرچہ اسلام کو اعلانیہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور اس لئے عورتوں کو غزوات میں شریک ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی تاہم جب حضرت عمرؓ کے عہد میں روم و فارس کی مہم پیش آئی تو بعض مقامات میں اس شدت کا رن پڑا کہ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی تیغ و خنجر سے کام لینا پڑا چنانچہ شام کی لڑائیوں میں جنگ یرموک ایک یادگار جنگ تھی اس میں حضرت ہند اور ان کے شوہر حضرت ابو سفیانؓ دونوں نے شرکت کی اور فوج میں رومیوں کے مقابلہ کا جوش پیدا کیا۔

وفات:

حضرت ہندؓ نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں انتقال کیا، اسی دن حضرت ابو بکرؓ کے والد ابو قحافہ نے بھی وفات پائی تھی۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ان کی وفات حضرت عمرؓ کے زمانہ میں نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ہوئی کتاب الامثال سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابو سفیانؓ نے وفات پائی (ابو سفیانؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں وفات پائی ہے) تو کسی نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ مجھ سے ہندؓ کا نکاح کر دو انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا کہ اب ان کو نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔[4]

---

(۱) صحیح بخاری (۲) اصابہ ج ۸ ص ۲۰۶ (۳) اسد الغابہ ج۵ ص ۵۶۲ (٤) اصابہ ج ۸ ص ۲۰٦

اولاد :

اولاد میں حضرت امیر معاویہؓ زیادہ مشہور ہیں۔

اخلاق :

حضرت ہندؓ میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو ایک عرب عورت کے مابہ الامتیاز ہو سکتے ہیں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے :

کانت امرأة لها نفس وانفته ورائ و عقل (۱)

"ان میں عزت نفس، غیرت، رائے تدبیر اور دانش مندی پائی جاتی تھی"

فیاض تھیں، حضرت ابو سفیانؓ ان کو ان کے صلہ کے مطابق خرچ نہیں دیتے تھے، اسلام لانے کے وقت جب آنحضرت ﷺ نے ان سے عہد لیا کہ چوری نہ کریں، تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ابو سفیانؓ مجھے پورا خرچ نہیں دیتے اگر ان سے چھپا کر لوں تو جائز ہے؟ آپ نے اجازت دی۔ (۲)

(۴۱) حضرت ام کلثومؓ بن عقبہ

نام و نسب اور اسلام :

ام کلثوم کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے : ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط لن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ والدہ کا نام اروی بنت کریز تھا۔ اس بناء پر حضرت عثمانؓ اور حضرت ام کلثومؓ اخیافی بھائی بہن ہیں ام کلثومؓ کا باپ عقبہ بن ابی معیط قبیلہ امیہ کا ایک ممتاز شخص تھا اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی لیکن خدا کی قدرت دیکھو! اس نے اس ظلمت کدہ میں ایمان کا چراغ روشن کیا یعنی اس کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ مشرف بالاسلام ہوئیں۔

ہجرت :

۷ھ ہجری میں صلح حدیبیہ کے بعد حضرت ام کلثومؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی خزاعہ کے ایک شخص کے ہمراہ مکہ سے پا پیادہ روانہ ہوئیں، چونکہ بھاگ کر نکلی تھیں اس لئے ان کے بھائی پیچھے سے آئے، مدینہ پہنچیں تو دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے حضرت ام

---

(۱) اسد الغابہ ج۵ ص ۶۲ (۲) بخاری

کلثومؓ نے فریاد کی کہ مجھ کو اپنے ایمان کا خوف ہے میں عورت ہوں اور عورتیں کمزور ہوتی ہیں، آنحضرت ﷺ نے صلح نامہ میں یہ شرط کی تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا اس لئے آپ کو فکر ہوئی لیکن چونکہ اس میں عورتیں داخل نہ تھیں اس لئے ان کے متعلق خاص یہ آیت اتری۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا جَآءَ كُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٌ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ

"مسلمانو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو!"

اور آپ ﷺ نے اس کے مطابق حضرت ام کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔

نکاح :

حضرت ام کلثومؓ اب تک کنواری تھیں، اس لئے حضرت زید بن حارثہؓ سے کہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے، ان کا نکاح کیا گیا لیکن جب زیدؓ نے غزوہ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیرؓ بن العوام کے عقد نکاح میں آئیں لیکن انہوں نے طلاق دے دی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے نکاح ہوا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص سے نکاح پڑھایا اور یہ آخری نکاح تھا۔

وفات :

ایک مہینہ کے بعد وفات پائی اس زمانہ میں حضرت عمروؓ والی مصر تھے۔

اولاد :

حضرت ام کلثومؓ کے حضرت زید اور حضرت عمروؓ بن عاص سے کوئی اولاد نہیں پیدا ہوئی، لیکن حضرت زبیرؓ سے زینب اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے ابراہیم، حمید، محمد اور اسماعیل پیدا ہوئے۔

فضل و کمال :

حمید اور ابراہیم نے ان سے کچھ حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۴۲) حضرت زینبؓ بنت ابی سلمہ

نام ونسب :

زینب نام، قبیلہ مخزوم سے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: زینب بنت ابی سلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن عمرو بن مخزوم، حبشہ میں حضرت ام سلمہؓ کے بطن سے پیدا ہوئیں اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا [۱]، پہلے برہ نام تھا آنحضرت ﷺ نے زینب نام رکھا۔ [۲]

عام حالات :

سنہ ۴ ہجری میں ابو سلمہؓ نے وفات پائی تو حضرت ام سلمہؓ آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آئیں اس وقت زینب شیر خوار تھیں والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے آغوش تربیت میں آئیں، آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت تھی پیروں پر چلنے لگیں تو آنحضرت ﷺ کے پاس آتیں۔ آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اس کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب ورنگ باقی رہا۔

حضرت عبداللہؓ بن زمعہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی دو لڑکے پیدا ہوئے جن میں ایک کا نام ابو عبیدہ تھا سنہ ۶۳ ہجری میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینبؓ کے سامنے ان کی لاشیں لا کر رکھی گئیں۔ انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا کہ مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی، ایک تو میدان میں لڑ کر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا"

وفات :

بیٹوں کے قتل کے بعد دس برس زندہ رہیں اور سنہ ۷۳ ہجری میں انتقال فرمایا یہ طارق کی حکومت کا زمانہ تھا [۳] حضرت ابن عمرؓ جنازہ میں تشریف لائے۔

فضل وکمال :

حضرت زینب فضل وکمال میں شہرہ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان

---

(۱) اصابہ ج۸ ص ۹۶ بحوالہ ابن سعد (۲) مسلم ج ۲ ص ۲۳ باب استحباب تفسیر الاسم القبیح الی حسن (۳) تہذیب جلد ۲ ص ۴۲۱

سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی تھی۔ اسد الغابہ میں ہے۔

کانت من افقه نساء زمانها (۱)

"وہ اپنے عصر کی فقیہہ بیوی تھیں"

آنحضرت ﷺ سے کچھ حدیثیں روایت کیں آپ کے علاوہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ سے بھی چند حدیثیں سنیں جن لوگوں نے ان سے یہ حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

امام زین العابدین، ابو عبیدہ، محمد بن عطاء، عراک بن مالک، حمید بن نافع، عروہ، ابو سلمہ، کلیب بن وائل، ابو قلابہ جرمی۔

(۴۳) حضرت ام ابی ہریرۃ

نام و نسب:

امیمہ نام تھا۔ باپ کا نام صبیح یا صفیح بن الحارث تھا۔

اسلام:

اگرچہ حضرت ابو ہریرہؓ جو ان کے صاحبزادے تھے، مسلمان ہو چکے تھے تاہم وہ مشرک تھیں ایک روز انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی کی، تو حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت ناگوار ہوا، روتے ہوئے خدمت اقدس میں پہنچے اور کہا "حضور! اب میری ماں کے مسلمان ہونے کے لئے دعا فرمایئے" آنحضرت ﷺ نے دعا کی، ادھر ان کی حالت میں دفعتہً انقلاب پیدا ہو گیا۔ غسل کر کے کپڑے بدلے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کلمہ پڑھا حضرت ابو ہریرہؓ فرط مسرت سے آبدیدہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کو خبر کی آنحضرت ﷺ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ (۲)

وفات:

وفات کی تاریخ معلوم نہیں۔

اولاد:

اولاد میں حضرت ابو ہریرہؓ زیادہ مشہور ہیں۔

---

(۱) اسد الغابہ ج ۵ ص ٤٦٩ (۲) مسلم ج ۲ ص ۳۰۲ باب فضائل ابی ہریرۃ

(۴۴) حضرت خولہؓ بنت حکیم

نام ونسب :

خولہ نام ام شریک کنیت، قبیلہ سلیم سے تھیں، آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوتی ہیں (۱)
نسب نامہ یہ ہے: خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص بن مرۃ بن ہلال بن فالج بن زکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم۔

نکاح :

حضرت عثمانؓ بن مظعون سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ نکاح ہوا۔

عام حالات :

مسلمان ہو کر مدینہ کو ہجرت کی ۲ھ ہجری میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وفات پائی تو خولہؓ نے دوسرا نکاح نہیں کیا اکثر پریشان رہتی تھیں صحیح بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ (۲)

فضل وکمال :

آنحضرت ﷺ سے ۱۵ احادیثیں روایت کیں راویان حدیث میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سعید بن مسیب بشر بن سعید اور عروہ اور ربیع بن مالک داخل ہیں۔

اخلاق :

اسد الغابہ میں ہے **کانت امرأۃ صالحۃ** "وہ ایک نیک بی بی تھیں" مسند میں ہے **تصوم النهار و تقوم الليل** یعنی وہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں۔

ابتداءً زیور کا بڑا شوق تھا چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اگر طائف فتح ہو تو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجئے گا آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر خدا اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ (۳)

---

(۱) مسند ج ٦ ص ٤٠٩ (۲) بخاری ج ۲ ص ٧٦ (باب هل للمراة ان يهب انفسها لاحد و تهذيب ج ۲ ص ۲۱۵ (۳) اصابہ ج ۸ ص ۷۰

(۴۵) حضرت حمنہؓ بنت جحش

نام و نسب :

حمنہ نام، حضرت زینبؓ کی ہمشیر ہیں سلسلہ نسب اوپر گزر چکا ہے۔

نکاح :

حضرت مصعبؓ بن عمیر سے نکاح ہوا۔

اسلام :

اور ان ہی کے ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔

عام حالات :

مدینہ کی ہجرت کا شرف حاصل کیا اور جب آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کی عورتوں سے بیعت لی تو اس میں یہ بھی شامل ہوئیں مسند ابن حنبل اور ابن سعد وغیرہ نے اکثر عورتوں کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ کانت من المبایعات اس سے یہی بیعت مراد ہے چنانچہ حضرت اسماءؓ بنت یزید کے حالات میں بھی اس کا ذکر کر آئے ہیں۔

غزوات میں سے اُحد میں نمایاں شرکت کی وہ پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں ان کے علاوہ اور عورتیں بھی یہ خدمت انجام دے رہی تھیں چنانچہ رفیدہؓ اور ام کبشہؓ وغیرہ کی نسبت بھی اسی قسم کی تصریحات موجود ہیں۔

اس واقعہ میں حضرت حمنہؓ کے شوہر حضرت مصعبؓ بن عمیر نے شہادت پائی جن کے بعد انہوں نے حضرت طلحہؓ سے کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے نکاح کیا۔

افک کے واقعہ میں منافقین کے ساتھ غلطی سے جو مسلمان شریک ہو گئے تھے، ان میں حضرت حسانؓ اور حضرت مسطحؓ کے ساتھ حضرت حمنہؓ بھی تھیں چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔[1]

وطفقت اختها حمنة تحارب لها فهلكت فيمن هلك من اصحاب الافك

"یعنی حضرت زینبؓ کی بہن حمنہ برابر میرے خلاف رہیں یہاں تک کہ اور اصحاب افک کی طرح برباد ہوئیں"

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۵۹۶

فتح الباری میں ہے کہ حضرت حمنہؓ کے شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہؓ کو آنحضرت ﷺ کی نظروں سے گرا کر حضرت زینبؓ (اپنی بہن) کو بلند کریں[1] لیکن تعجب ہے کہ خود حضرت زینبؓ نے اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا' چنانچہ اس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا ہے۔

وفات:

وفات کا سنہ صحیح طور پر معلوم نہیں' اتنا علم ہے کہ حضرت زینبؓ کی وفات تک زندہ تھیں حضرت زینبؓ نے ۲۰ھ ہجری میں وفات پائی ہے۔

اولاد:

حضرت طلحہؓ سے حضرت حمنہؓ کے دو لڑکے پیدا ہوئے محمد اور عمران' محمد کو سجاد کے لقب سے شہرت تھی۔

تمت بالخیر

یعنی سیر الصحابیات ختم ہوئی
آگے اسوۂ صحابیات شروع ہوتی ہے

---

(۱) فتح الباری ج ۸ ص ۳۶۷

رضی اللّٰہ عنہم و رضوا عنہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرامؑ کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

اسوۂ صحابیات

حصہ یازدہم (11)

جس میں خاص طور پر عورتوں اور لڑکیوں کے درس، ہدایت اور مطالعہ کے لئے ازواجِ مطہرات، بنات طیبات اور اکابر صحابیاتؓ کی زندگی کے مذہبی اخلاقی معاشرتی واقعات اور مذہبی اخلاقی اور علمی خدمات کی تفصیل مستند حوالوں سے لی گئی ہے

تحریر و ترتیب
جناب مولانا عبدالسلام ندویؒ

دارالاشاعت
اردو بازار، ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

بسم اللہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عورتوں کی تعلیم وتربیت کے مسئلہ سے اصولاً کسی کو اختلاف نہیں ہے گفتگو جو کچھ ہے یہ ہے کہ موجودہ دور کی تعلیم وتربیت سے متمتع ہو کر ایک مسلمان عورت مذہب' اخلاق اور معاشرت کے قدیم اصول کو قائم رکھ سکے گی یا نہیں یا دوسرے الفاظ میں قدیم اسلامی روایات کا تحفظ کر سکے گی یا نہیں جن لوگوں کو مسئلہ تعلیم نسواں سے اختلاف ہے وہ اسی شبہ کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور کے تعلیم یافتہ مردوں نے جو مذہبی اخلاقی اور معاشرتی نمونے قائم کئے ہیں ان سے بھی اس شبہ کی تائید ہوتی ہے اور غیر قوموں کی تعلیم یافتہ عورتوں نے بھی ہماری خواتین کے لئے کوئی عمدہ نمونہ نہیں قائم کیا ہے' لیکن اسلام کی قدیم تاریخ ہمارے سامنے مسلمان عورت کا بہترین اور اصلی نمونہ پیش کرتی ہے اور آج جب کہ زمانہ بدل رہا ہے' یورپین تمدن اور یورپین طرز معاشرت سے ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی بیزاری ظاہر کر رہے ہیں اگر ہماری عورتوں کے سامنے اسلام کی ممتاز اور برگزیدہ خواتین کا نمونہ پیش کر دیا جائے' تو ان کی فطرتی لچک ان سے بھی زیادہ متاثر ہو سکے گی اور موجودہ دور کے مؤثرات سے بیزار ہو کر خالص اسلامی اخلاق 'اسلامی معاشرت اور اسلامی تمدن کا نمونہ بن جائے گی۔

اسلام کے ہر دور میں اگرچہ عورتوں نے مختلف حیثیتوں سے امتیاز حاصل کیا ہے لیکن ازواج مطہرات بنات طیبات اور اکابر صحابیات ان تمام حیثیات کی جامع ہیں اور ہماری عورتوں کے لئے انہی کے مذہبی اخلاقی معاشرتی اور علمی کارنامے اسوۂ حسنہ بن سکتے ہیں اور موجودہ دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی خطرات سے ان کو محفوظ رکھ سکتے ہیں' میں نے اسوۂ صحابہ کی دونوں جلدوں میں عہد صحابہ کے جو مذہبی اخلاقی معاشرتی اور علمی واقعات جمع کئے ہیں ان میں اگرچہ صحابیات کے یہ تمام کارنامے بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن ان کی اہمیت ان کی عظمت اور ان کی اسلامی خدمت کے لحاظ سے میں نے ان واقعات کو جو اس کتاب کی

دونوں جلدوں میں متفرق طور پر موجود تھے متعدد واقعات کے اضافہ کے ساتھ اس مختصر سے رسالے میں الگ جمع کردیا ہے، جس سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوگا جبکہ صحابیاتؓ کی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور علمی زندگی ایک مستقل حیثیت اختیار کرے گی، دوسری طرف ہماری عورتوں اور لڑکیوں کے درس ہدایت اور مطالعہ کے لئے مستند اور مؤثر واقعات کا ایک مجموعہ مرتب ہو جائے گا جس پر عمل کر کے وہ خالص اسلامی تعلیمات کا بہترین نمونہ بن جائیں گی اور ان کی تعلیم وتربیت کے متعلق جو شبہات ظاہر کئے جارہے ہیں، ان کی عملی تردید کرسکیں گی۔ وماتوفیقی الا باللہ

عبدالسلام ندوی
شبلی منزل، اعظم گڑھ، ۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قبول اسلام

لطافت طبع رقت قلب اور اثر پذیری ایک نیک سرشت انسان کا اصلی جوہر ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے وہ ہر قسم کی پندو موعظت، تعلیم وتربیت اور ارشاد و ہدایت کو قبول کر سکتا ہے پھولوں کی پنکھڑیاں، نسیم صبح کی خاموش حرکت سے ہل جاتی ہیں لیکن تناور درختوں کو باد صرصر کے جھونکے بھی نہیں ہلا سکتے، شعاع نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے لیکن پتھروں پر فولادی تیر بھی نہیں اثر کرتے بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے، لطیف الطبع اور رقیق القلب آدمی ہر دعوت حق کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے لیکن سنگ دل اور غلیظ القلب لوگوں پر بڑے بڑے معجزے بھی اثر نہیں کرتے، اس فرق مراتب کی جزئی مثالیں ہر جگہ مل سکتی ہیں لیکن اشاعت اسلام کی تاریخ تمام تر اسی قسم کی مثالوں سے لبریز ہے کفار میں ہم کو بہت سے اشقیاء کا نام معلوم ہے جنہوں نے ہزاروں کوششوں کے بعد بھی خدائے ذوالجلال کے آگے سر نہیں جھکایا لیکن صحابہ کرامؓ میں سینکڑوں بزرگ ہیں جو توحید کی آواز کے سننے کے ساتھ ہی اسلام کے حلقے میں داخل ہو گئے، صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی اس فضیلت میں شریک ہیں اور نہ صرف شریک ہیں بلکہ ان سے اسبق واقدم ہیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے بغیر کسی قسم کی کدوکاوش اور جبر واکراہ کے اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کرنے کے ساتھ ہی اپنے خدا کے آگے سر جھکایا، تاریخ ابن خمیس میں (1) حضرت رافعؓ سے مروی ہے۔

قال النبی ﷺ بعثت یوم الاثنین و صلت خدیجة آخر یوم الاثنین و صلی علی یوم الثلاثاء من الغد ثم زید بن حارثه ثم ابوبکر .

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دوشنبہ کے دن مبعوث ہوا اور خدیجہؓ نے اس دن کے آخری حصہ میں نماز پڑھی اور علی نے دوسرے دن منگل کو نماز پڑھی، اس کے بعد زید بن حارثہؓ اور ابو بکرؓ شریک نماز ہوئے۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب رسالت سے پہلے دن جو شعاع افق عالم پر چمکی وہ ایک رقیق القلب مقدس خاتون کے سینہ پر نور سے چھن کر نکلی۔

---

(1) ص ۲۸٦

اعلان اسلام:

ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کرنے سے زیادہ اظہار اسلام کے لئے ہمت، شجاعت اور جسارت کی ضرورت تھی لیکن باوجود کفار کی روک ٹوک اور ستم کے صحابہؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی نہایت جرأت وبیباکی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کیا، چنانچہ ابتداء میں جن سات بزرگوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا، ان میں چھ آدمی یعنی خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ مرد تھے اور ساتویں ایک غریب صحابیہ یعنی حضرت عمارؓ کی والدہ حضرت سمیہؓ تھیں۔[1]

صحابیات نے اپنی نیک طینتی سے صرف آسانی کے ساتھ اسلام ہی کو قبول نہیں کیا، بلکہ انہوں نے نہایت آسانی کے ساتھ اسلام کی اشاعت بھی کی، چنانچہ صحیح بخاری کتاب التیمم میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ایک سفر میں ایک عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، اس کے پاس پانی کے مشکیزے تھے اور صحابہؓ نے پانی ہی کی ضرورت سے اس کو پکڑا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا پانی لیا، تو اس کی قیمت ادا فرمائی، اس کو آپ کی اس دیانت سے اسی وقت آپ کی نبوت کا یقین آگیا، اور اس کے اثر سے اس کا تمام قبیلہ بھی مسلمان ہو گیا۔

تحمل شدائد:

صحابہ کرامؓ کے ساتھ صحابیات نے بھی اسلام کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں اور ان کے ایمان میں ذرہ برابر بھی تزلزل واقع نہیں ہوا۔

حضرت سمیہؓ نے اسلام قبول کیا، تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں سب سے سخت اذیت یہ تھی کہ ان کو مکہ کی تپتی ریت میں لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیتے تھے لیکن باایں ہمہ وہ اسلام پر ثابت قدم رہتی تھیں ایک دن کفار نے حسب معمول ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر کر دھوپ میں زمین پر لٹا دیا تھا۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو فرمایا "صبر کرو، تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے" لیکن کفار کی اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی اور ابو جہل نے ان کی ران میں برچھا مار کر ان کو شہید کر دیا چنانچہ اسلام میں سب سے پہلے شرف شہادت ان ہی کو نصیب ہوا[2] اور صحابیات کی یہ سب سے بڑی فضیلت ہے کہ سب سے پہلے ایک صحابیہ نے اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے ایک صحابیہؓ نے شرف شہادت حاصل کیا۔

حضرت عمرؓ کی بہن جب اسلام لائیں اور حضرت عمرؓ کو اس کا حال معلوم ہوا تو اس

---

(۱) تاریخ خمیس ص ۲۵۷ (۲) اسد الغابہ تذکرہ حضرت سمیہؓ ۱۲

قدر مارا کہ بدن لہولہان ہو گیا، لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جو کچھ کرنا ہو کرو میں تو اسلام لاچکی[1] لبینہؓ کو بھی حضرت عمرؓ مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ میں نے رحم کی بناء پر نہیں بلکہ تم کو اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں" اسی طرح وہ زنیرہؓ کو جو ان کے گھرانے کی کنیز تھیں نہایت اذیت دیتے تھے۔

قطع علائق:

صحابہ کرامؓ ایمان لائے تو ان کے تمام رشتے ناتے منقطع ہو گئے لیکن اس سے ان کی قوت ایمانی میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا، صحابیات کی حالت اس معاملہ میں صحابہ کرامؓ سے بھی زیادہ نازک تھی، انسان اگرچہ اپنے تمام اعزہ واقارب کی اعانت کا محتاج ہو جاتا ہے، لیکن عورت کی زندگی کا تمام تر دارومدار شوہر کی اعانت وامداد پر ہوتا ہے، اور وہ کسی حالت میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، باپ بیٹے سے بیٹا باپ سے قطع تعلق کر کے زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن عورت شوہر سے جدا ہو کر بالکل بیکس وبیچارہ ہو جاتی ہے، لیکن بااین ہمہ صحابیاتؓ نے اسلام کے لئے اس نازک رشتے کو بھی منقطع کیا اور اپنے کافر شوہروں سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو گئیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ

"کافرہ عورتوں سے تعلق نہ رکھو"

تو جس طرح صحابہ کرامؓ نے اپنی کافرہ عورتوں کو طلاق دیدی اسی طرح بہت سی صحابیاتؓ بھی اپنے کافر شوہروں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں، اور ان میں سے ایک بھی اپنے شوہر کے پاس واپس نہ گئی، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

ما نعلم ان احداً من المهاجرات ارتدت بعد ایمانها[2]

"ہم کو کسی ایسی مہاجرہ عورت کا حال معلوم نہیں جو ایمان لا کر پھر مرتد ہوئی ہو"

عقائد

توحید:

کفار نے صحابیاتؓ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں لیکن ان کی زبان سے کلمہ توحید کے سوا کلمہ شرک نہیں نکلا حضرت ام شریکؓ ایمان لائیں، تو ان کے اعزہ واقارب نے ان کو دھوپ

(۱) ایضاء تذکرہ حضرت عمرؓ (۲) بخاری کتاب الشروط ذکر صلح حدیبیہ ۱۲

میں لیجاکر کھڑا کر دیا' اس حالت میں جب کہ وہ دھوپ میں جل رہی تھیں' روٹی کے ساتھ شہد جیسی گرم چیز کھلاتے اور پانی نہیں پلاتے تھے جب ان مصیبت میں تین دن گزر گئے تو ظالموں نے کہا کہ "جس مذہب پر تم ہو اب اس کو چھوڑ دو" وہ اس قدر بدحواس ہو گئی تھیں کہ ان جملوں کا مطلب نہ سمجھ سکیں' اب ان لوگوں نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بتایا تو سمجھیں کہ توحید الٰہی کا انکار مقصود ہے بولیں خدا کی قسم میں تو اب تک اس عقیدہ پر قائم ہوں۔[۱]

شرک سے علیحدگی:

عورتیں قدیم رسم و رواج اور قدیم عقائد کی نہایت پابند ہوتی ہیں' اور عرب میں مشرکانہ عقائد ایک مدت سے پھیل کر قلوب میں راسخ ہو گئے تھے۔ لیکن صحابیاتؓ نے اسلام لانے کے ساتھ ان عقائد کا انکار کیا' عرب کا خیال تھا کہ جو لوگ بتوں کی برائی بیان کرتے ہیں وہ مختلف امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں' اس لئے حضرت زنیرہؓ اسلام لانے کے بعد اندھی ہو گئیں تو کفار نے کہنا شروع کیا ان کو لات اور عزیٰ نے اندھا کر دیا لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ لات و عزیٰ کو اپنے پوجنے والوں کی کیا خبر' یہ خدا کی طرف سے ہے۔[۲]

زمانہ جاہلیت میں بچوں کے بچھونے کے نیچے استرہ رکھنا!

جاہلیت کے زمانہ میں بچوں کے بچھونوں کے نیچے استرا رکھ دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس طرح بچے آسیب سے محفوظ رہتے ہیں حضرت عائشہؓ نے ایک بار کسی بچے کے سرہانے استرا دیکھا تو منع فرمایا' اور کہا "رسول اللہ ﷺ ٹوٹکے کو سخت ناپسند فرماتے تھے"۔[۳]

عرب میں شرک کا اصلی مرکز بت تھے جو گھر گھر میں نصب تھے لیکن صحابیاتؓ نے ہر موقع پر ان سے تبری ظاہر کی' چنانچہ حضرت ہند بنت عتبہؓ جب ایمان لائیں تو گھر میں جو بت نصب تھا اس کو توڑ پھوڑ ڈالا اور کہا کہ "ہم تیری نسبت بڑے دھوکے میں مبتلا تھے"۔[۴]

حضرت ابو طلحہؓ نے جب حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے کہا "ابو طلحہؓ کیا تم کو یہ خبر نہیں کہ جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت) جو زمین سے اگا ہے اس کو فلاں حبشی نے گڑھ کر تیار کیا ہے" بولے مجھے معلوم ہے بولیں "تو کیا

---

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام شریکؓ (۲) اسد الغابہ تذکرہ حضرت زنیرہؓ (۳) ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن (٤) طبقات ابن سعد تذکرہ ہند بنت عتبہؓ

تمہیں اس کی عبادت سے شرم نہیں آتی چنانچہ جب انہوں نے بت پرستی سے توبہ کر کے کلمہ توحید نہیں پڑھا انہوں نے ان سے نکاح کرنا پسند نہیں کیا۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان :

رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتقاد نہ صرف صحابیات کے لوح دل پر کالنقش فی الحجر تھا بلکہ ان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے دل میں بھی یہ عقیدہ نہایت شدت سے راسخ ہو گیا تھا' ایک بار آپ نے ایک لڑکی کو بددعا دے دی کہ "تیرا سن زیادہ نہ ہو" اس نے شدت اعتقاد کی بناء پر اس کا یقین کر لیا اور حضرت ام سلیمؓ کے پاس روتی ہوئی آئی اور کہا کہ آپ نے مجھ کو یہ بددعا دی ہے اب میرا سن نہ بڑھے گا' وہ بدحواس آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپ نے میری یتیمہ کو یہ بددعا دی" آپ ہنس پڑے اور فرمایا میں بھی آدمی ہوں اور آدمیوں کی طرح خوش اور رنجیدہ ہوتا ہوں پس جس کو میں ایسی بددعا دوں جس کا وہ مستحق نہیں ہے تو یہ اس کے لئے پاکی' تزکیہ اور نیکی ہو گی"(۲)

عبادات

ابواب الصلوٰۃ

پابندی جماعت :

اگرچہ عورتوں پر جماعت کی پابندی فرض نہیں ہے' اور اس بناء پر بعض غیور صحابہ جماعت میں اپنی عورتوں کی شرکت کو پسند بھی نہیں کرتے تھے' تاہم بعض صحابیاتؓ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا تھا اور وہ مناسب اوقات میں نماز باجماعت ادا فرماتی تھیں حضرت عمرؓ کی بی بی برابر عشاء اور فجر کی نماز میں شریک جماعت ہوتی تھیں' ایک بار ان سے لوگوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ عمر اس کو پسند نہیں کرتے پھر کیوں ایسا کرتی ہو' بولیں تو پھر روک کیوں نہیں دیتے۔ (۳)

نماز جمعہ :

عورتوں پر اگرچہ جمعہ فرض نہیں ہے تاہم صحابیات اس دن کی بہت عزت کرتی تھیں اور اس کی برکتوں میں عمدہ طریقوں سے شریک ہوتی تھیں' ایک صحابیہ تھیں' جو اپنے کھیتوں

---

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ (۲) مسلم کتاب البر والصلۃ الاداب باب من لعنہ النبی ﷺ وسبہ ودعا علیہ (۳) بخاری باب هل علی من لا یشهد الجمعة غسل من النساء والصبیان وغیرهم

میں چقندر ربودیا کرتی تھیں جب جمعہ کا دن آتا تھا تو اس کو پکا کر نماز جمعہ کے بعد تمام صحابہؓ کو کھلاتی تھیں۔ (۱)

نماز اشراق:

نماز اشراق اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے جیسا کہ حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے تمام عمر میں صرف ایک بار پڑھی ہے' لیکن بعض صحابیاتؓ نے اس کا التزام کر لیا تھا' چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو کبھی نماز اشراق پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں خود پڑھتی ہوں' کیونکہ آپ بہت سی چیزوں کو پسند فرماتے تھے لیکن اس پر عمل اس لئے نہیں کرتے تھے کہ امت پر فرض نہ ہو جائیں۔ (۲)

تہجد و نماز شبانہ:

صحابہ کرامؓ تہجد پڑھتے تھے تو اس میں صحابیاتؓ بھی شریک ہوتی تھیں' چنانچہ حضرت عمرؓ رات کو تہجد کے لئے اپنے اہل و عیال کو جگاتے تھے' تو یہ آیت پڑھتے تھے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (۳)
حضرت ابوہریرہؓ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے ایک میں خود' دوسرے میں ان کی بیوی اور تیسرے میں ان کا خادم تہجد پڑھتا تھا اور ایک دوسرے کو جگاتا تھا۔ (۴)

ابواب الزکوٰۃ والصدقات

زیور عورتوں کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں' لیکن صحابیاتؓ کو خدا کی مرضی ان سے بھی زیادہ عزیز تھی' ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صحابیہؓ اپنی لڑکی کو لیکر حاضر ہوئیں' لڑکی کے ہاتھ میں سونے کی موٹے موٹے کنگن تھے' آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کیا تم اس پر زکوٰۃ دیتی ہو؟ بولیں نہیں! فرمایا "کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ خدا قیامت کے دن اس کے بدلے اس کے ہاتھ میں آگ کے کنگن پہنائے' انہوں نے یہ سنا تو فوراً کنگن آپ کے سامنے ڈال دیئے کہ یہ خدا اور خدا کے رسول کے ہیں۔ (۵)

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے خطبہ عید میں صدقہ و خیرات کی ترغیب دی صحابیاتؓ کا مجمع تھا' حضرت بلالؓ دامن پھیلائے ہوئے تھے اور صحابیاتؓ اپنے کان کی بالیاں سونے کے ہار اور

---

(۱) بخاری کتاب الجمعہ باب فی قول اللہ عزو جل فاذ اقضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ (۲) مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب صلوۃ الضحی (۳) موطا کتاب الصلوٰۃ باب فی صلوٰۃ اللیل (٤) بخاری کتاب الجمعہ باب الحثف (۵) ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ماھو وزکوٰۃ الحلی ۱۲

انگلیوں کے چھلے تک پھینکتی جاتی تھیں (۱) حضرت اسماءؓ کے پاس صرف ایک ہی لونڈی تھی' انہوں نے اس کو فروخت کیا اور روپیہ گود میں لیکر بیٹھیں' اسی حالت میں ان کے شوہر حضرت زبیرؓ آئے اور کہا کہ روپیہ مجھے دیدو' بولیں میں نے تو اس کو صدقہ کر دیا۔ (۲)

اعزہ و اقارب پر صدقہ کرنا :

ایک بار حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بی بی حضرت زینبؓ نے ان سے کہا کہ تم نادار آدمی ہو' رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اگر آپ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں تمہیں کو دوں' لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ تمہیں جاؤ' وہ آئیں' تو آستان مبارک پر اسی غرض سے ایک دوسری صحابیہ بھی موجود تھیں' دونوں نے حضرت بلالؓ کے ذریعہ سے پوچھوایا کہ دو عورتیں اپنے شوہروں اور چند یتیموں پر جو ان کی کفالت میں ہیں' صدقہ کرنا چاہتی ہیں' کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا "ان کو دو دو ثواب ملیں گے' ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا"

ایک بار حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر میں ابو سلمہؓ کے لڑکوں پر صدقہ کروں تو مجھ کو ثواب ملے گا' میں ان کو چھوڑ نہیں سکتی' کیونکہ وہ میرے لڑکے ہیں'' آپ نے فرمایا ہاں تمہیں ثواب ملے گا۔"

ایک صحابیہؓ نے اپنی ماں کو ایک لونڈی صدقۃً دی تھی' ماں کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کی نسبت دریافت کیا آپ نے فرمایا" صدقے کا ثواب تمہیں مل چکا' اور اب وہ لونڈی تمہاری وراثت میں داخل ہو گئی"(۳)

محتاج کی حسب حاجت امداد :

صحابیات موت و حیات دونوں حالتوں میں اہل حاجت کی اعانت و امداد فرماتی تھیں' غزوہ احد میں حضرت صفیہؓ آئیں اور اپنے بھائی حضرت حمزہ سید الشہداء کے کفن کے لئے دو کپڑے لائیں' لیکن ان کی لاش کے پاس ایک انصاری کی لاش بھی اسی طرح برہنہ نظر آئی دل میں شرمائیں کہ حمزہ دو کپڑوں میں کفنائے جائیں اور انصاری کے لئے ایک کپڑا بھی نہ ہو' ناپا تو ایک کا قد بڑا نکلا' مجبوراً کپڑے پر قرعہ ڈالا گیا' اور جو کپڑا جس کے حصہ میں پڑا وہ اسی میں کفنایا گیا۔ (۴)

---

(۱) ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الخطبه و باب الصلوٰۃ بعد صلوٰۃ العید (۲) مسلم کتاب الاداب باب جواز ارواف المراۃ الاجنبية (۳) ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب من تصدق بصدقه ثم ورثها (۴) مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۱۶۵

ابواب الصوم

صائم الدہر رہنا:

آج ہماری عورتیں صوم مفروضہ میں بھی لیت و لعل کرتی ہیں لیکن بعض صحابیات صائم الدہر رہتی تھیں یعنی ہمیشہ روزہ رکھتی تھیں، حضرت ابو امامہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے بار بار دعائے شہادت کی درخواست کی لیکن آپ نے سلامتی کی دعا فرمائی، اخیر میں عرض کی کہ کسی ایسے عمل کی ہدایت فرمایئے کہ خدا مجھے اس سے نفع دے، آپ نے روزہ رکھنے کا حکم دیا، اور انہوں نے متصل روزہ رکھنے کا التزام کر لیا، ان کے ساتھ ان کے خادم اور بی بی نے بھی اس عمل صالح میں شرکت کی اور روزہ ان کے گھر کی امتیازی علامت ہو گئی اگر کسی دن ان کے گھر میں دھواں اٹھتا تو لوگ سمجھتے کہ آج ان کے گھر میں کوئی مہمان آیا ہے، ورنہ اس گھر میں دن کا کھانا کیونکر پک سکتا تھا۔[1]

نفل کے روزے رکھنا:

بعض صحابیہؓ نفل کے روزے رکھتی تھیں، جس سے ان کے شوہر کو تکلیف ہوتی تھی انہوں نے روکا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا کر شکایت کی، لیکن آپ نے حکم دیا کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نفل کا روزہ نہیں رکھ سکتی۔[2]

مردوں کی جانب سے روزہ رکھنا:

صحابیاتؓ نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنے مردوں کی جانب سے بھی روزے رکھتی تھیں، ایک صحابیہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے اور اس پر روزے فرض تھے کیا میں ان کو پورا کر دوں؟ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی۔[3]

اعتکاف:

صحابیات کو اعتکاف کا اس قدر شوق تھا کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا، تو حضرت عائشہؓ نے اپنا خیمہ الگ نصب کروایا، ان کی دیکھا دیکھی تمام ازواج مطہراتؓ نے بھی خیمے نصب کروائے۔[4]

---

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۵

(۲) ابوداؤد کتاب الصیام باب المراۃ تصوم بغیر اذن زوجھا

(۳) بخاری کتاب الصوم باب من مات و علیہ صوم

(٤) ابوداؤد کتاب الصیام باب فی الاعتکاف

ابواب الحج

حج:

فرائض اسلام میں اگرچہ حج صرف ایک بار فرض ہے لیکن صحابیاتؓ کو ایک بار کے حج سے کیا تسکین ہو سکتی تھی اس لئے تقریباً ہر سال فریضہ حج ادا کرتی تھیں، ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے جہاد کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا بہترین جہاد حج مبرور ہے، اس کے بعد سے ان کا کوئی سال حج سے خالی نہ گیا۔[1]

صحابیاتؓ جس ذوق و شوق سے حج ادا کرتی تھیں، اسکا موثر منظر حجۃ الوداع میں دنیا کو نظر آیا رسول اللہ ﷺ نے اعلان حج کیا تو حضرت اسماء بنت عمیسؓ اگرچہ حاملہ تھیں، لیکن وہ بھی روانہ ہوئیں۔

بچہ کا حج:

بہت سے صحابہ حجۃ الوداع کی شرکت کے لئے جارہے تھے، راستے میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی، تو ایک صحابیہ جھپٹ کے آپ کے پاس آئیں اور ہودج سے اپنے بچے کو نکال کر پوچھا کیا اس کا حج بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں تمہیں اس کا ثواب ملے گا۔[2]

صحابیاتؓ فریضہ حج کے ادا کرنے میں طرح طرح کا التزام مالایلتزم کرتی تھیں، ایک صحابیہ نے خانہ کعبہ تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی، رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا پیادہ بھی چلو اور سوار بھی ہو لو[3] اگر کسی مجبوری سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا تھا تو صحابیات کو سخت صدمہ ہوتا تھا حجۃ الوداع میں حضرت عائشہؓ کو ضرورت نسوانی سے معذوری ہو گئی، رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ رورہی ہیں، فرمایا کیا ماجرا ہے؟ بولیں کہ میں نے اب تک حج نہیں کیا تھا فرمایا سبحان اللہ یہ تو فطری چیز ہے، تمام مناسک حج ادا کرلو صرف خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو۔[4]

ماں باپ کی طرف سے حج ادا کرنا:

صحابیاتؓ نہ صرف خود بلکہ اپنے ماں باپ کی جانب سے بھی حج ادا کرتی تھیں، حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک صحابیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرے

---

(۱) بخاری کتاب الحج باب حج النساء (۲) ابوداؤد کتاب المناسک باب فی الصبی الحج
(۳) بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج و فضلہ (٤) ابوداؤد کتاب الحج مناسک باب فی افراد الحج

باپ پر حج فرض ہو گیا ہے لیکن وہ بڑھاپے کی وجہ سے سواری پر بیٹھ نہیں سکتے میں ان کی جانب سے حج ادا کر دوں؟ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی (۱) ایک صحابیہ کی ماں کا انتقال ہو چکا تھا وہ آپ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں ان کی جانب سے یہ فرض ادا کر دوں؟ آپ ﷺ نے انکو بھی اجازت دیدی (۲)

عمرہ ادا کرنا:

عمرہ فرض ہو یا نہ ہو، لیکن صحابیات اس کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتی تھیں، اور جب وہ فوت ہو جاتا تھا تو ان کو سخت قلق ہوتا تھا، جب حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ ہو وہ عمرہ ادا کر سکتے ہیں، تو خیمے میں آکر دیکھا کہ حضرت عائشہؓ رو رہی ہیں وجہ پوچھی تو بولیں کہ میں ضرورت نسوانی سے مجبور ہوں لیکن لوگ دو دو فرض (حج و عمرہ) کا ثواب لیکر جاتے ہیں اور میں صرف ایک کا، فرمایا کوئی حرج نہیں خدا تم کو عمرہ کا ثواب بھی عطا فرمائیں گے چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو ساتھ کر دیا اور مقام تنعیم میں انہوں نے جا کر عمرہ کا احرام باندھا اور آدھی رات کو فارغ ہو کر آئیں۔ (۳)

ابواب الجہاد

شوق شہادت:

عہد نبوت میں شہادت ایک ابدی زندگی خیال کی جاتی تھی، اس لئے ہر شخص اس آب حیات کا پیاسا رہتا تھا، حضرت ام ورقہ بنت نوفلؓ ایک صحابیہ تھیں جب غزوہ بدر پیش آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھ کو شریک جہاد ہونے کی اجازت عطا فرمائی جائے میں مریضوں کی تیمار داری کروں گی، شاید مجھے بھی درجہ شہادت حاصل ہو جائے، آپ نے فرمایا گھر ہی میں رہو خدا تمہیں اسی میں شہادت دے گا، یہ معجزانہ پیشن گوئی کیونکر غلط ہو سکتی تھی، انہوں نے دو غلام مدبر کئے تھے (۴) دونوں نے انکو شہید کر دیا کہ جلد آزاد ہو جائیں۔ (۵)

---

(۱) بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج و فضلہ (۲) مسلم کتاب الصوم، باب قضاء الصیام من المیت، ۱۲
(۳) بخاری ابواب العمرہ کتاب الحج (۴) مدبر ان غلاموں کو کہتے ہیں جن سے آقا کہہ دیتا ہے کہ وہ ان کی موت کے بعد آزاد ہو جائیں گے اس لئے قدرتی طور پر یہ لوگ آقا کی موت کے متمنی ہوتے ہیں
(۵) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ النساء

عمل بالقرآن

صحابیاتؓ پر قرآن مجید کا شدت سے اثر پڑتا تھا' ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت:

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءً ا يُّجْزَ بِهٖ

"جو شخص کوئی بھی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا"

نہایت سخت ہے ارشاد ہوا کہ عائشہؓ تم کو خبر نہیں کہ مسلمان کے پاؤں میں اگر ایک کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو وہ اس کے اعمال بد کا معاوضہ ہو جاتا ہے بولیں لیکن خدا تو کہتا ہے:

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا

" خدا ذرا ذرا سی برائی کا بھی حساب لے گا"

فرمایا" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا' عذاب اسی کو دیا جائے گا جس کے حساب میں ردوقدح[1] ہوگی اس اثر پذیری کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیات نہایت سرعت کے ساتھ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتی تھیں' حضرت ابو حذیفہ بن عتبہؓ نے حضرت سالمؓ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا' اس لئے زمانہ جاہلیت کے رسم ورواج کے مطابق ان کو حقیقی بیٹے کے حقوق حاصل ہو گئے تھے' لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ

" ان کو ان کے حقیقی باپوں کا بیٹا کہہ کر پکارو"

نازل ہوئی تو ان کی بی بی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ سالم پہلے ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا اب آپ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ دودھ پلا دو وہ تمہارے رضاعی بیٹے ہو جائیں گے۔[2]

زمانہ جاہلیت میں عرب کی عورتیں نہایت بے پروائی کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی تھیں' اس لئے سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا' اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ

"عورتوں کو چاہئیے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے سینوں پر ڈال دیں'

اس کا اثر یہ ہوا کہ عورتوں نے اپنے تہہ بند اور متفرق کپڑوں کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے

---

(۱) ابوداؤد کتاب الجنائز باب الامراض المکفرۃ للذنوب (۲) ابوداؤد کتاب النکاح باب من حرم بہ

اور اپنے آپ کو سیاہ چادروں سے اس طرح ڈھانپ توپ لیا کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سر کوؤں کے آشیانے بن گئے ہیں۔[۱]

منہیات شرعیہ سے اجتناب

مزامیر سے اجتناب:

راگ باجا تو بڑی چیز ہے' حضرت عائشہ کا یہ حال تھا کہ اونٹ کی گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہیں کرتی تھیں' اگر سامنے سے گھنٹی کی آواز آتی تو ساربان سے کہتیں کہ ٹھہر جاؤ' تا کہ یہ آواز سننے میں نہ آئے اور اگر سن لیتیں تو کہتیں کہ تیزی کے ساتھ لے چلو کہ میں اس آواز کو نہ سن سکوں۔[۲]

ایک بار ایک لڑکی ان کے گھر میں گھنگھرو پہنے ہوئے داخل ہوئی گھنگھرو کی آواز سننے کے ساتھ ہی بولیں کہ گھنگھرو پہنے ہوئے وہ میرے پاس نہ آنے پائے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں' اس میں فرشتے نہیں آتے۔[۳]

مشتبہات سے اجتناب:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو چیز مشتبہ ہے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو غیر مشتبہ ہے' حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی لیکن ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں' پس جو شخص مشتبہ گناہوں کو چھوڑ دے گا وہ کھلے ہوئے گناہوں کا سب سے زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کا مرتکب ہوگا بہت ممکن ہے کہ کھلے ہوئے گناہوں کا مرتکب ہو جائے' گناہ خدا کی چراگاہ ہے اور جو شخص چراگاہ کے آس پاس چرائے گا' ممکن ہے کہ اس کے مویشی اس میں پڑ جائیں' صحابیات اس حدیث پر نہایت شدت سے عامل تھیں' ایک صحابیہ نے اپنی لونڈی کو اپنی ماں پر صدقہ کر دیا تھا' وہ مر گئیں تو اس لونڈی کی حالت مشتبہ ہوگئی' صدقہ کر چکی تھیں اور صدقہ کا مال واپس لینا جائز نہیں' ماں اس کی مالک ہوگئی تھی اور اس کے مرنے کے بعد یہ اس کی وارث ہوگئی تھیں اس لئے وہ ان کو وراثت میں مل سکتی تھی' اس اشتباہ کے رفع کرنے کے لئے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور واقعہ بیان کیا' آپ نے فرمایا تمہیں صدقہ کا ثواب مل چکا

---

(۱) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی قول اللہ تعالی ولیضربن بخمرھن (۲) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۲ (۳) مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۴۲

اور اب وہ تمہاری وراثت میں آگئی ہیں۔[1]

کافروں کا ہدیہ قبول کرنا:

حضرت اسماءؓ کی ماں قتیلہ کافرہ تھیں اور حضرت ابو بکرؓ نے زمانہ جاہلیت میں ہی ان کو طلاق دیدی تھی ایکبار وہ حضرت اسماءؓ کے پاس متعدد چیزیں ہدیہ لیکر آئیں چونکہ یہ کافرہ کا ہدیہ تھا اس لئے حضرت اسماءؓ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عائشہؓ کے ذریعہ سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروایا' آپ نے اس کو قبول کرنے کی اجازت دیدی۔[2]

مذہبی زندگی کے مظاہر مختلفہ

تسبیح و تہلیل:

تسبیح و تہلیل پاک مذہبی زندگی کی مخصوص علامات ہیں اور صحابیات میں یہ علامت پائی جاتی تھی' ایک صحابیہؓ سامنے کنکری یا گٹھلی رکھ کر تسبیح پڑھ رہی تھیں' رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ میں اس سے آسان ترکیب بتاتا ہوں' اس کے بعد ایک دعا بتادی۔[3]

مقامات مقدسہ کی زیارت:

حصول برکت کا شوق صحابیات کو مقامات مقدسہ کی طرف کھینچ لئے جاتا تھا' ایک بار ایک صحابیہ بیمار ہوئیں اور یہ نذر مانی کہ اگر خدا شفادے گا تو بیت المقدس میں جاکر نماز پڑھوں گی' صحت یاب ہوئیں تو سامان سفر کیا اور رخصت ہونے کے لئے حضرت میمونہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں انہوں نے کہا کہ مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھ لو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔[4]

ایک صحابیہؓ نے مسجد قبا تک پاپیادہ جانے کی نذر مانی تھی' ابھی نذر پوری ہونے نہیں پائی تھیں کہ انتقال ہو گیا' حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتویٰ دیا کہ ان کی صاحبزادی نذر پوری کریں۔[5]

---

(۱) ابوداؤد کتاب الوصایا ماجاء فی الرجل یهب امه ثم یوصی له (۲) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت اسماءؓ
(۳) ابوداؤد' ابواب تضریع شهر رمضان باب التسبیح بالحصی (٤) مسلم باب فضل الصلوۃ فی مسجد المدینة و مکه (٥) موطا امام محمد باب الرجل یحلف بالمشی الیٰ بیت اللہ

فرائض مذہبی ادا کرنے میں جسمانی تکلیفیں اٹھانا :

شوق عبادت ہر قسم کی جسمانی تکلیفوں کو آسان کر دیتا ہے اور صحابیات میں یہ شوق موجود تھا' اس لئے وہ ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتی تھیں' اور فرائض اسلام کو بخوشی ادا کرتی تھیں حضرت حمنہ بنت جحشؓ ایک صحابیہ تھیں' ان کا معمول تھا کہ برابر مصروف نماز رہتی تھیں' جب تھک جاتی تھیں تو ستون مسجد میں ایک رسی باندھ رکھی تھی' اس سے لٹک جاتی تھیں' رسول اللہ ﷺ نے اس رسی کو دیکھا تو فرمایا' ان کو صرف اسی قدر نماز پڑھنی چاہئے جو ان کی طاقت میں ہو' اگر تھک جائیں تو بیٹھ جانا چاہئے' چنانچہ وہ رسی کھلوا کر پھنکوا دی۔[1]

پابندی قسم :

ہم لوگ بات بات پر قسم کھایا کرتے ہیں اور ہم کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کس قدر ذمہ داری کا کام ہے' لیکن صحابیات بہت کم قسم کھاتی تھیں اور جس بات پر قسم کھا لیتی تھیں' اس کو پورا کرتی تھیں ایک بار حضرت عائشہؓ عبداللہ بن زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور قسم کھالی کہ اب ان سے بات چیت نہ کریں گی' لیکن جب حضرت زبیرؓ نے معافی مانگی اور دوسرے صحابہؓ نے بھی ان کی سفارش کی تو رو کر کہنے لگیں :

انی نذرت والنذر شدید

"میں نے نذر مان لی ہے اور نذر کا پورا کرنا نہایت سخت ہے"

بلآخر اصرار و سفارش سے ان کا قصور معاف کر دیا' تو کفارہ قسم میں ۴۰ غلام آزاد کئے۔[2]

تبجیل الرسول

برکت اندوزی :

صحابیاتؓ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ذات پاک سے برکت اندوز ہوتی رہتی تھیں اس لئے جو بچہ پیدا ہوتا' صحابیات سب سے پہلے اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتیں' آپ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے' اپنے منہ میں کھجور ڈال کر اس کے منہ میں ڈالتے اور اس کے لئے برکت کی دعا فرماتے۔[3]

---

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب النعاس فی الصلوٰۃ (۲) بخاری کتاب الادب باب الھجرۃ

(۳) مسلم کتاب الفضائل باب فی قرب النبی من الناس و تبرکہم

محافظت یادگار رسول ﷺ:

صحابیاتؓ رسول اللہ ﷺ کی یادگاروں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں، حضرت عائشہؓ کے پاس آپ کا ایک جبہ محفوظ تھا، جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت اسماءؓ نے اسکو لے لیا، اور محفوظ رکھا، چنانچہ جب کوئی شخص ان کے خاندان میں بیمار ہوتا تھا، تو شفاء حاصل کرنے کے لئے اس کو دھو کر اس کا پانی پلاتی تھیں۔[1]

جن کپڑوں میں آپ کا وصال ہوا تھا، حضرت عائشہؓ نے ان کو محفوظ کر رکھا تھا، چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو ایک یمنی تہ بند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ ﷺ نے ان ہی کپڑوں میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔[2]

ایک بار ایک صحابیہ نے آپؐ کی دعوت کی، آپ نے کھانے کے بعد جس مشکیزہ سے پانی پیا، اس کو انہوں نے محفوظ رکھا جب کوئی شخص بیمار ہوتا، یا برکت حاصل کرنے کا موقع آتا، تو وہ اس سے پانی پیتی اور پلاتی تھیں۔[3]

جب آپؐ حضرت انسؓ کے گھر تشریف لاتے تھے، تو ان کی والدہ آپ کے پسینے کو نچوڑ کر ایک شیشی میں بھر لیتی تھیں اور اس کو محفوظ رکھتی تھیں۔[4]

غزوہ خیبر میں آپ نے ایک صحابیہ کو خود دست مبارک سے ایک ہار پہنایا تھا وہ اس کی اس قدر قدر کرتی تھیں کہ عمر بھر اس کو گلے سے جدا نہیں کیا اور جب انتقال کرنے لگیں تو وصیت کی کہ ان کے ساتھ وہ بھی دفن کر دیا جائے۔[5]

ایک دن آپ ام سلیمؓ کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، آپ نے اس کا دہانہ اپنے منہ سے لگایا اور پانی پیا، حضرت ام سلیمؓ نے مشکیزے کے دہانے کو کاٹ کر اپنے پاس بطور یادگار رکھ لیا۔[6]

آپ حضرت شفابنت عبداللہ کے یہاں کبھی کبھی قیلولہ فرماتے تھے، اس غرض سے انہوں نے آپ کے لئے ایک بستر اور ایک خاص تہ بند بنوالیا تھا، جس کو پہن کر آپ استراحت فرماتے تھے، یہ یادگاریں ایک مدت تک ان کے خاندان میں محفوظ رہیں، اخیر میں مروان نے ان سے لے لیا۔[7]

---

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ٦ ص ٣٤٨ (٢) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر
(٣) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام نیاز (٤) بخاری کتاب الاستیذان باب من زار قوما فقال عندهم
(٥) مسند ابن حنبل جلد ٦ ص ٣٨٠ (٦) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی لبس الصوف والشعر
(٧) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ

ادب رسول :

صحابیات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو دربار نبوت کے ادب عظمت کے لحاظ سے تمام کپڑے زیب تن کر لیتیں، ایک صحابیہ فرماتی ہیں :

جمعت علی ثیابی فاتیت [1] رسول اللہ ﷺ

" میں نے تمام کپڑے پہن لئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی"

اگر نادانستگی کی حالت میں بھی کوئی کلمہ آپ کی شان کے خلاف منہ سے نکل جاتا تو اس کی معافی چاہتیں، ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا تھا، اور وہ اس پر رو رہی تھیں، آپ کا گزر ہوا تو فرمایا" خدا سے ڈرو، اور صبر کرو" بولیں تمہیں میری مصیبت کی کیا پروا ہے ؟ آپ چلے گئے تو لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوڑی ہوئی آئیں اور عرض کی کہ میں نے حضور ﷺ کو نہیں پہچانا۔ [2]

حمایت رسول اللہ ﷺ :

صحابیاتؓ اپنے دلوں میں نہایت شدت کے ساتھ آپ کی حمایت کی آرزو رکھتی تھیں حضرت طیب بن عمیرؓ اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبد المطلب کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ "تم نے جس شخص کی حمایت کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا، اگر مردوں کی طرح ہم بھی استطاعت رکھتے، تو آپ کی حفاظت کرتے اور آپ کی طرف سے لڑتے" [3]

خدمت رسول اللہ ﷺ :

صحابیاتؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کو اپنا سب سے بڑا شرف خیال کرتی تھیں حضرت سلمیٰؓ ایک صحابیہ تھیں، انہوں نے اس استقلال کے ساتھ آپ کی خدمت کی کہ ان کو خادم رسول اللہ ﷺ کا لقب حاصل ہوا۔ [4]

سفینہ حضرت سلمہؓ کی والدہ کی لونڈی تھیں، انہوں نے اس کو اس شرط پر آزاد کرنا چاہا کہ وہ اپنی عمر آپ کی خدمت گزاری میں صرف کرے اس نے کہا" اگر آپ یہ شرط نہ بھی کرتیں تب بھی میں تا نفس واپسین آپ کی خدمت سے علیحدہ نہ ہوتی" [5]

ہیبت رسول اللہ ﷺ :

رسول اللہ ﷺ کی پر عظمت روحانیت سے صحابیات اس قدر مرعوب ہو جاتی تھیں

---

(۱) ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی عدۃ الحامل، اسد الغابہ تذکرہ حضرت شفا بنت عبداللہ
(۲) ابوداؤد کتاب الجنائز باب الصبر عند الصدمہ (۳) استیعاب تذکرہ حضرت طیب بن عمیرؓ
(۴) ابوداؤد کتاب الطب باب الحاجۃ (۵) ایضاً کتاب العتق باب فی العتق علی الشرط

کہ جسم میں رعشہ پڑ جاتا تھا، ایک بار حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو مسجد میں اکڑو بیٹھے ہوئے دیکھا، ان پر آپ کے اس خشوع خضوع کی حالت کا یہ اثر پڑا کہ کانپ اٹھیں۔[۱]

نعت رسول اللہ ﷺ :

صحابیات کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں تک آپ کی مدح میں رطب اللسان رہتی تھیں، آپ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو لڑکیاں دف بجابجا کر یہ شعر گاتی پھرتی تھیں۔

نحن جوار من بنی النجار — یاحبذا محمدا من جار

ہم خاندان بنو نجار کی لڑکیاں ہیں — محمد ﷺ کتنے اچھے پڑوسی ہیں

پردہ نشین عورتیں یہ اشعار پڑھتی تھیں :

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

ثنیۃ الوداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا ہے

وجب الشکر علینا — مادعی للہ داعی

جب تک دعا کرنے والے دعا کریں — ہم پر خدا کا شکر واجب ہے

حضرت عائشہؓ جب رخصت ہو کر آئیں، تو لڑکیاں دف بجابجا کر واقعات بدر کے متعلق اشعار گاتی تھیں، ان میں سے ایک نے یہ مصرعہ گایا :

وفینا نبی یعلم ما فی غد

ہم میں ایک پیغمبر ہے جو کل کی بات جانتا ہے۔

تو آپ ﷺ نے اسے روک دیا اور کہا کہ وہی گاؤ جو پہلے گا رہی تھیں۔[۲]

پابندی احکام رسول ﷺ

صحابیاتؓ رسول اللہ ﷺ کے احکام کی نہایت شدت کے ساتھ پابندی کرتی تھیں آپ نے شوہر کے علاوہ اور اعزہ کے ماتم کے لئے صرف تین دن مقرر فرمائے تھے، صحابیات نے اس کی اس شدت کے ساتھ پابندی کی کہ جب حضرت زینب بنت جحشؓ کے بھائی کا انتقال ہوا تو چوتھے دن کچھ عورتیں ان سے ملنے آئیں، انہوں نے ان سب کے سامنے خوشبو لگائی اور

---

(۱) شمائل ترمذی باب ما جاء فی حلیه رسول الله ﷺ

(۲) بخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح

کہا کہ مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی، لیکن میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے کہ "کسی مسلمان عورت کو شوہر کے سوا تین دن سے زیادہ کسی کا ماتم کرنا جائز نہیں" اس لئے یہ اسی حکم کی تعمیل تھی۔

جب حضرت ام حبیبہؓ کے والد نے انتقال کیا تو انہوں نے تین روز کے بعد تیل لگایا، خوشبو لگائی اور کہا کہ "مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی، صرف آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل مقصود تھی"۔(۱)

ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک سائل آیا، انہوں نے ایک روٹی کا ٹکڑا دیدیا، پھر اس کے بعد ایک خوش لباس شخص آیا تو انہوں نے اس کو بٹھا کر خوب کھانا کھلایا، لوگوں نے اس تفریق و امتیاز پر اعتراض کیا، تو بولیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ :

انزلوا الناس علی قدر منازلھم

"لوگوں کو ان کے درجہ پر رکھو"

ایک بار آپ ﷺ مسجد سے نکل رہے تھے، دیکھا کہ راستے میں مرد و عورت مل جل کر چل رہے ہیں، عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "پیچھے رہو تم وسط راہ سے نہیں گزر سکتیں" اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کے چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے الجھ جاتے تھے۔(۲)

رضامندی رسول اللہ ﷺ :

صحابیاتؓ کو رسول اللہ ﷺ کی رضامندی کی ہمیشہ فکر رہتی تھی، اس لئے اگر آپ کبھی ناراض ہو جاتے تھے، تو ہر ممکن تدبیر سے آپ کے رضامندی کرنے کی کوشش کرتی تھیں، آپ جب حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو تمام بی بیاں ساتھ تھیں، سوء اتفاق سے راستہ میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ تھک کر بیٹھ گیا وہ رونے لگیں، آپ کو خبر ہوئی تو خود تشریف لائے اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے، آپ جس قدر ان کو رونے سے منع فرماتے تھے، اسی قدر اور زیادہ روتی تھیں، جب کسی طرح چپ نہ ہوئیں تو آپ نے ان کی سرزنش فرمائی اور تمام لوگوں کو منزل کرنے کا حکم دیا، اور خود بھی اپنا خیمہ نصب کروایا، اب حضرت صفیہؓ کو خیال ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہو گئے اس لئے آپ کی رضامندی کی تدبیریں اختیار کیں۔ اس غرض سے حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں اپنی

---

(۱) ابوداؤد کتاب الطلاق باب اعداد المتوفی عنھا زوجھا

(۲) ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق

باری کا دن کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی، لیکن اگر آپ رسول اللہ ﷺ کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں، حضرت عائشہؓ نے آمادگی ظاہر کی، اور ایک دوپٹہ اوڑھا جو زعفرانی رنگ میں رنگا ہوا تھا، پھر اس پر پانی کے چھینٹے دیئے کہ خوشبو خوب پھیلے اس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خیمہ کا پردہ اٹھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا، عائشہؓ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے بولیں۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ [1] "یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے"

تفویض الی الرسول ﷺ :

عورت کے لئے نکاح کا معاملہ سب سے اہم ہوتا ہے، لیکن صحابیاتؓ نے اپنے آپ کو بالکل رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیدیا تھا، اس لئے آپ جس سے چاہتے تھے ان کا نکاح کر دیتے تھے اور وہ خوشی اس کو قبول کر لیتی تھیں، حضرت فاطمہؓ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں، جن سے ایک طرف تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف جو نہایت دولت مند صحابی تھے، نکاح کرنا چاہتے تھے دوسری طرف آپ نے حضرت اسامہؓ بن زید کے متعلق ان سے گفتگو کی تھی، لیکن حضرت فاطمہؓ بنت قیس نے آپ کو اپنی قسمت کا مالک بنادیا تھا اور کہا کہ میرا معاملہ آپ کے ہاتھ میں ہے، جس سے چاہئے نکاح کر دیجئے۔[2]

حبیبؓ ایک ظریف الطبع صحابی تھے، جو راستوں میں بھی ظرافت اور مذاق کی باتیں کرتے تھے، اس لئے صحابہ کرامؓ ان کو عموماً ناپسند کرتے تھے، ایک بار آپ نے ان کے لئے ایک انصاری لڑکی سے نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے کہا کہ اس کی ماں سے مشورہ کر لوں، ماں نے حبیب کا نام سنا تو انکار کیا لیکن لڑکی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بات نامنظور نہیں کی جاسکتی، مجھے آپ کے حوالہ کر دو، خدا مجھے ضائع نہ کرے گا۔ (مسند ج: ٤ ص: ٢٣٢)

ضیافت رسول اللہ ﷺ :

اگر خوش قسمتی سے صحابیاتؓ کو کبھی رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کا موقع ملتا تو نہایت عزت، محبت اور ادب کے ساتھ اس فرض کو بجالاتیں، ایک بار آپ حضرت ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تو انہوں نے دعوت کی آپ نے قبول فرمائی اور وہیں قیلولہ فرمایا۔[3]

ایک بار ایک صحابی نے آپ کی دعوت کی، دعوت کھا کر آپ روانہ ہوئے تو ان کی بی بی نے پردے سے سر نکال کر کہا "یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر اور میرے شوہر پر درود بھیجتے جایئے، آپ نے فرمایا خدا تم پر تمہارے شوہر پر رحمت نازل فرمائے" (مسند ابن حنبل ج: ۳ ص: ۳۹۸)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل جلد ٦ ص ٣٣٨ (٢) نسائی كتاب النكاح الخطبه فی النكاح
(٣) ابوداؤد كتاب الجهاد. باب فی ركوب البحر فی الغزو

بعض صحابیاتؓ خود کوئی نئی چیز پکا کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھیں۔ایک بار حضرت ام ایمن نے آٹا چانا اور اس کی روٹیاں تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیں آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ بولیں "ہمارے ملک میں اسی کا رواج ہے میں نے چاہا کہ آپ کے لئے بھی اسی قسم کی روٹیاں تیار کروں' لیکن آپ نے کمال زہد و تقشّف سے فرمایا' آٹے میں چوکر ملا کر پھر گوندھو" (سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمۃ)

محبت رسول اللہ ﷺ : صحابیاتؓ کے دل آپ کی محبت سے لبریز تھے' اور وہ اظہار اس کا مختلف طریقوں سے کرتی تھیں' حضرت ام عطیہ ایک صحابیہ تھیں' وہ جب آپ کا ذکر کرتیں تو فرط محبت سے کہتیں بابا یعنی میں آپ پر قربان آپ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو صحابیات فرط محبت سے آپ کی واپسی اور سلامتی کے لئے نذریں مانتی تھیں۔ایک بار آپ کسی غزوہ سے واپس آئے تو ایک صحابیہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح و سالم واپس لائے گا تو آپ کے سامنے دف بجا بجا کر گیت گاؤں گی (ترمذی کتاب المناقب ابی حفص عمر بن خطاب)

شوق محبت رسول : صحابیات کے دل میں آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا شوق نہایت رہتا تھا' حضرت قیلہؓ بیوہ ہو گئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے لے لیا اب وہ تمام دنیاوی جھگڑوں سے آزاد تھی اس لئے ایک صحابی کے ساتھ خدمت مبارک میں حاضر ہوئی اور آپ کی تعلیمات و تلقینات سے عمر بھر فائدہ اٹھایا (طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت قیلہؓ)

فضائل اخلاق

استعفاف : فیض تربیت نبوی ﷺ نے صحابیات کے ایک ایک فرد کو غیرت' خودداری اور عزت نفس کا مجسمہ بنا دیا تھا' اس لئے وہ کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتی تھیں' ماں باپ سے مانگتے ہوئے کسی کو شرم نہیں آتی' لیکن صحابیات کی غیرت اس کو بھی گوارہ نہیں کرتی تھی کہ ماں باپ سے بھری محفل میں سوال کیا جائے' حضرت فاطمہ گھر کے کام کاج سے تنگ آگئی تھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لونڈی غلام آئے' حاضر خدمت ہوئیں کہ آپ سے ایک غلام مانگیں' دیکھا کہ آپ سے کچھ لوگ باتیں کر رہے ہیں' شرم کے مارے واپس آئیں۔(ابو داؤد کتاب الادب باب فی التسبیح)

ایثار : ایک اخلاقی وصف ہے' لیکن ایثار فیاضی کی اعلیٰ ترین قسم ہے' اور وہ صحابیات میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی' حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پہلو میں اپنی قبر کے لئے جگہ مخصوص کر رکھی تھی' لیکن جب حضرت عمرؓ نے ان سے درخواست کی تو انہوں نے یہ تحفہ جنت ان کو دے دیا اور فرمایا:

كنت اريده لنفسي ولا وثرن به اليوم على نفسي [۱]

"میں نے خود اپنے لئے اس کو محفوظ رکھا تھا، لیکن آج اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں"

ایک دن وہ روزہ سے تھیں، گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا ایک مسکین عورت آئی، انہوں نے لونڈی سے کہا کہ روٹی اس کو دے دو، اس نے کہا افطار کس چیز سے کیجئے گا، بولیں دے تو دو! شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوادیا، لونڈی کو بلا کر کہا، یہ تیری روٹی سے بہتر ہے [۲]

فیاضی: صحابہؓ کی طرح اسلام کو صحابیات کی فیاضی سے بھی بہت کچھ ثبات واستحکام حاصل ہوا، حضرت ام سلیمؓ نے اپنا نخلستان خاص رسول اللہ ﷺ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ [۳]

حضرت عائشہؓ اس قدر فیاض تھیں کہ جو کچھ ہاتھ آجاتا تھا، اس کو صدقہ کر دیتی تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو فیاضی سے روکنا چاہا، تو اس قدر برہم ہوئیں کہ ان سے بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی [۴] حضرت اسماء ان سے بھی زیادہ فیاض تھیں، حضرت عائشہؓ کا معمول یہ تھا کہ جمع کرتی جاتی تھیں، جب معتد بہ سرمایا جمع ہو جاتا تھا، تو اسکو تقسیم کر دیتی تھیں، لیکن حضرت اسماء کل کے لئے کچھ نہیں رکھتی تھیں، روز کے روز خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ [۵]

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بولیں کہ تمہارے کوئی لڑکا ہے، انہوں نے کہا نہیں" فرمایا اگر میرے پاس درہم ہوتے تو میں تم کو دے دیتی، حسن اتفاق سے شام ہی کو حضرت امیر معاویہ نے ان کے پاس روپے بھیجے، بولیں، کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی، فوراً آدمی بھیج کر ان کو بلایا، اور دس ہزار درہم دے دیئے، انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خرید لی، اس سے ان کے متعدد بچے پیدا ہوئے۔ [۶]

ازواج مطہراتؓ میں حضرت زینب بنت حجشؓ نہایت فیاض تھیں، وہ اپنے ہاتھ سے چمڑے کی دباغت کرتی تھیں، اور جو کچھ آمدنی اس سے ہوتی تھی مساکین کو دے دیتی تھیں، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا وہ مجھ سے سب سے پہلے ملے گا اس بنا پر ازواج مطہرات اپنے ہاتھوں کو ناپتی تھیں، حضرت زینب کے ہاتھ سب سے چھوٹے تھے، لیکن جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تو ازواج مطہرات کو معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے فیاضی مراد تھی۔ [۷]

---

(۱) بخاری کتاب المناقب باب قضية البيعه

(۲) مؤطا امام مالك كتاب الجامع باب الترغيب في الصدقه (۳) صحيح بخاری

(۴) بخاری کتاب المناقب باب مناقب قريش (۵) ادب المفرد باب السخاوة

(۶) طبقات ابن سعد تذكره منكدر بن عبدالله (۷) اصابه تذكره حضرت زينبؓ بنت جحش

مخالف سے انتقام نہ لینا:

اگر مخالف کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے' تو انتقام لینے کا اس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں مل سکتا' لیکن صحابیات کے دل میں خدا اور رسول کی محبت نے بغض و انتقام کی جگہ کب چھوڑی تھی'؟ حضرت عائشہ اور حضرت زینبؓ میں باہم نوک جھونک رہتی تھی' لیکن جب حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا گیا' اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب سے ان کی اخلاقی حالت دریافت فرمائی' تو بجائے اس کے کہ وہ انتقام لیتیں' بولیں کہ میں اپنے کان اور اپنی آنکھ کی پوری حفاظت کرتی ہوں' مجھے ان کی نسبت بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں ہے حضرت عائشہؓ کو خود اعتراف ہے کہ:

وھی اللتی تسامینی فعصمھا اللہ بالورع [1]

"وہ اگرچہ میری حریف تھیں' لیکن خدا نے تورع کی وجہ سے ان کو بچالیا"

انتقام تو بڑی چیز ہے' صحابیات اپنے مخالفوں سے بغض رکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں' حضرت معاویہؓ بن خدیج نے حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا' ایک بار وہ کسی فوج کے سپہ سالار تھے' حضرت عائشہؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ اس غزوہ میں معاویہ کا سلوک کیسا رہا؟ اس نے کہا "ان میں کوئی عیب نہ تھا' سب لوگ ان کے مداح رہے' اگر کوئی اونٹ ضائع ہو جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا اونٹ دے دیتے تھے' اگر کوئی گھوڑا مر جاتا تھا تو وہ اس کی جگہ دوسرا گھوڑا دے دیتے تھے' اگر کوئی غلام بھاگ جاتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا غلام دیتے تھے' حضرت عائشہؓ نے سن کر کہا' استغفر اللہ اگر میں ان سے بغض اس بنا پر رکھوں کہ انہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ خدا! "جو شخص میری امت کے ساتھ ملاطفت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر اور جو شخص اس پر سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر" [2]

مہمان نوازی:

حضرت ام شریکؓ نہایت دولت مند اور فیاض صحابیہ تھیں' انہوں نے اپنے مکان کو گویا مہمان خانہ بنا دیا تھا' اس لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو مہمان آتے تھے وہ اکثر انہیں کے مکان پر ٹھہرتے تھے۔ [3]

---

(۱) بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضھن بعضا (۲) اسد الغابہ تذکرہ حضرت معاویہ بن خدیج (۳) نسائی کتاب النکاح باب خطبہ فی النکاح

عزت نفس :

صحابیاتؓ عزت نفس کا مجموعہ تھیں، حضرت عبداللہ بن زبیر جس دن شہید ہوئے اس روز اپنی والدہ حضرت اسماءؓ کے پاس تشریف لے گئے، انہوں نے ان کو دیکھا تو بولیں بیٹا قتل کے خوف سے ہرگز ایسی شرط قبول نہ کر لینا جس پر تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کر لی جائے۔

صبر و ثبات :

مردوں پر نوحہ کرنا، بال نوچنا، کپڑے پھاڑ ڈالنا، مدتوں مرثیہ خوانی کرنا عرب کا قومی شعار تھا، لیکن فیض تربیت نبوی نے صحابیات کو صبر کا اس قدر خوگر بنا دیا تھا کہ حضرت ابو طلحہ انصاری کا لڑکا بیمار ہوا، وہ صبح کے وقت اس کو بیمار چھوڑ کر کام کاج کے لئے باہر چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں یہاں لڑکا جاں بحق تسلیم ہو گیا لیکن ان کی بی بی نے لوگوں سے کہہ دیا کہ ابو طلحہ سے نہ کہنا وہ شام کو پلٹے تو بی بی سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے؟ بولیں پہلے سے زیادہ سکون کی حالت میں ہے، یہ کہہ کر کھانا لائیں، اور انہوں نے کھانا کھایا، صبح ہوئی تو کہا کہ اگر ایک قوم کسی کو کوئی چیز عاریۃً دے اور پھر اس کا مطالبہ کرے تو کیا اسکو اس کے رکھنے کا حق حاصل ہے؟ بولے "نہیں" بولیں "تو پھر اپنے بیٹے کو بھی صبر کرو"[۱]

رسول اللہ ﷺ غزوہ احد سے واپس آئے، تو تمام صحابیات اپنے اپنے اعزہ واقارب کا حال پوچھنے آئیں، انہی میں حضرت حمنہ بنت جحش بھی تھیں، وہ آئیں تو آپ نے فرمایا کہ حمنہ! اپنے بھائی عبداللہ بن جحش کو صبر کرو، انہوں نے انا للہ پڑھا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی، آپ نے پھر فرمایا کہ اپنے ماموں حمزہ بن عبدالمطلب کو بھی صبر کرو" انہوں نے اس پر بھی انا للہ پڑھا اور دعائے مغفرت کر کے خاموش ہو رہیں۔[۲]

حضرت عبداللہ بن زبیر جب حجاج سے معرکہ آرا ہوئے تو ان کی والدہ حضرت اسماء بیمار تھیں وہ انکے پاس آئے، اور مزاج پرسی کے بعد بولے کہ مرنے میں آرام ہے "بولیں" شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے، لیکن جب تک دو باتوں میں سے ایک نہ ہو جائے، میں مرنا پسند نہ کروں گی، یا تو تم شہید ہو جاؤ، اور میں تم کو صبر کر لوں، یا فتح و ظفر حاصل کرو کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں،

---

(۱) مسلم کتاب الادب باب استحباب تحنیك المولود عند ولادته الخ

(۲) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمنہ بنت جحشؓ

چنانچہ جب وہ شہید ہو چکے تو حجاج نے ان کو سولی پر لٹکا دیا' حضرت اسماء باوجود پیرانہ سالی کے یہ عبرت ناک منظر دیکھنے کے لئے آئیں' اور بجائے اس کے کہ وہ روتی پیٹتیں' حجاج کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس سوار کے لئے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے[1]

شجاعت :

غزوات میں صحابہ کرامؓ نے جس طرح داد شجاعت دی' صحابیات کے بہادرانہ کارنامے اس سے بھی حیرت انگیز ہیں' غزوہ حنین میں کفار نے اس زور شور سے حملہ کیا تھا کہ میدان جنگ لرز اٹھا تھا' لیکن حضرت ام سلیم کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ ہاتھ میں خنجر لئے ہوئے منتظر تھیں کہ کوئی کافر سامنے آئے تو اس کا کام تمام کر دیں' چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے ان کے ہاتھ میں خنجر دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بولیں کہ چاہتی ہوں کہ کوئی کافر قریب آئے تو پیٹ میں بھونک دوں۔ (ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی السلب یعطی القاتل)

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ نے تمام عورتوں کو ایک قلعہ میں کر دیا تھا' ایک یہودی آیا' اور قلعہ کے گرد چکر لگانے لگا' حضرت صفیہ نے دیکھا تو حضرت حسان بن ثابت سے کہا کہ یہ جاسوس معلوم ہوتا ہے' اس کو قتل کر دو بولے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں اس میدان کا مرد نہیں' اب حضرت صفیہؓ خود اتریں اور خیمہ کی ایک میخ اکھاڑ کر اس زور سے مارا کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ (اسد الغابہ تذکرہ حضرت صفیة بنت عبدالمطلب)

زہد و تقشف :

صحابیات نہایت زاہدانہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک بار ایک شخص حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا بولیں ذرا ٹھیر جاؤ میں اپنی نقاب سی لوں اس نے کہا اگر میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں تو لوگ آپ کو بخیل سمجھیں گے بولیں "جو لوگ پرانا دھرانا کپڑا نہیں پہنتے ان کو آخرت میں نیا کپڑا نصیب نہ ہوگا"[2]

زندہ دلی :

صحابیات کے جذبات کو اسلام نے تر و تازہ اور شگفتہ کر دیا تھا' اس لئے ان میں زندہ دلی پائی جاتی تھی' عید کے دن معمولاً لڑکے اور لڑکیاں رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو کر باجے بجاتے تھے' اور مسرت کے ترانے گاتے تھے۔ بخاری کتاب العیدین باب سنة العیدین لاهل الاسلام)

---

(۱) استیعاب تذکرہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (۲) ادب المفرد باب الرفق فی المعیشه

رازداری:

صحابیات کا سینہ راز کا مدفن تھا، جس سے وہ قیامت تک باہر نہیں نکل سکتا تھا، ایک دن آپ کی خدمت میں تمام ازواج مطہرات جمع تھیں، حضرت فاطمہ بھی اسی حالت میں آگئیں، آپ نے ان کو مرحبا کہا اور اپنے دائیں جانب بٹھالیا اور آہستہ سے ان کے کان میں ایک بات کہی، وہ چیخ مار کر رو پڑیں، پھر آپ نے آہستہ سے ایک بات کہی جس سے وہ ہنس پڑیں، آپ چلے گئے، تو تمام بی بیوں نے اس کی وجہ پوچھی، بولیں، میں آپ کی زندگی میں آپ کا راز فاش نہیں کر سکتی۔[۱]

عفت وعصمت:

اسلام نے پاکیزگی اخلاق کی جو تعلیم دی ہے، اس نے صحابیات کو عصمت وعفت کا مجسمہ بنادیا، ایک صحابیہ کو جن کی اخلاقی حالت زمانہ جاہلیت میں اچھی نہیں تھی، ایک شخص نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو بولیں ہٹو، اب وہ زمانہ گیا، اور اسلام آیا[۲] اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ لونڈیاں تک بدکاری سے ابا کرنے لگی، بعینہٖ کہ ایک لونڈی تھی، جس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر شکایت کی کہ میرا آقا مجھ کو بدکاری پر مجبور کرتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ [۳]

"اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو"

اس جرم کا ارتکاب تو صحابیات سے بہت بعید تھا، وہ اس کو گوارا بھی نہیں کرتی تھیں کہ کسی نامحرم کی نگاہ بھی ان پر پڑے، ایک بار حضرت مغیرہ بن شعبہ نے نکاح کرنا چاہا، اور رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ پہلے عورت کو جاکر دیکھ لو، اس غرض سے اس کے گھر گئے، عورت نے پردہ سے کہا "اگر رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے تو خیر، ورنہ تمہیں خدا کی قسم۔[۴]

اس معصیت کا ارتکاب تو بڑی چیز ہے اگر خدانخواستہ صحابیات پر کبھی اس قسم کا اتہام بھی لگ جاتا تھا تو ان کے خرمن عقل وہوش پر بجلی گر پڑتی تھی، حضرت عائشہ کے کانوں میں جب واقعہ افک کی بھنک پڑتی تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں، لرزہ بخار آگیا، اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔[۵]

---

(۱) مسلم کتاب الفضائل مناقب فاطمہؓ (۲) مسند احمد بن حنبل جلد ٤ ص ۱۸۷ (۳) ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزناء (٤) سنن ابن ماجہ کتاب النکاح، باب النظر الی المراۃ اذا اراد ان یتزوجہا (٥) بخاری کتاب بدء الخلق باب قول اللہ عزوجل، لقد کان فی یوسف واخوتہ ایات للسآئلین۔

حسن معاشرت

مصالحت اور صفائی:

اگر بہ مقتضائے فطرت انسانی صحابیات کسی سے ناراض ہو جاتی تھیں، تو ان کو اس چند روزہ ناگواری پر نہایت افسوس ہوتا تھا، ایک معاملہ میں حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیر سے ناراض ہو گئیں، اور بات چیت نہ کرنے کی قسم کھالی عفو تقصیر کے بعد جب ان کو یہ قسم یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا تھا۔[1]

صلح رحم:

حضرت زینب اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ نہایت صلہ رحمی کا سلوک کرتیں تھیں، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

ولم ارا مرأة قط خیرا فی الدین من زینب واتقی اللہ و اصدق حدیثا واوصل للرحم[2]

"میں نے زینب سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیزگار، زیادہ سچی اور زیادہ صلہ رحمی کرنے والی عورت نہیں دیکھی"

حضرت اسماءؓ نے ایک جائیداد وراثۃً پائی تھی، اور ان کو ایک لاکھ کی رقم حضرت امیر معاویہ نے دی تھی، لیکن انہوں نے اس مال و جائیداد کو حضرت قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق پر جو ان کے قرابت دار تھے، ہبہ کر دیا۔[3]

صحابیات کی صلہ رحمی صرف اعزہ کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ وہ کافر قرابت داروں کی قرابت کا بھی لحاظ رکھتی تھیں، حضرت اسماء ہجرت کر کے مدینہ آئیں، تو ان کی والدہ کافرہ تھیں، ان کے پاس آئیں، اور مالی مدد مانگی، حضرت اسماء نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہیں آپ نے فرمایا ہاں،[4] چنانچہ انہوں نے ان کو مدد دی، حضرت صفیہؓ نے اپنے ایک یہودی قرابت دار کے لئے جائیداد کی وصیت کی تھی۔[5]

ہدیہ دینا:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہدیہ ازدیاد محبت کا ذریعہ ہے اس لئے ایک دوسرے

---

(۱) بخاری کتاب الادب باب الھجرۃ (۲) مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عائشہ (۳) بخاری کتاب الھبۃ باب ھبۃ الواحد للجماعۃ (٤) مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین

(۵) مسند دارمی کتاب الوصایا باب الوصیۃ لاھل الذمہ

کے پاس عموماً ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔

حضرت نسیبہ انصاریہؓ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا، تاہم اس حالت میں بھی وہ ازواج مطہرات کی خدمت میں ہدیہ بھیجتی تھیں ایک بار ان کے پاس صدقہ کی بکری آئی تو انہوں نے اس کا گوشت حضرت عائشہؓ کے پاس ہدیۃً بھیجا[1] حضرت بریرہ کے پاس بھی جو صدقہ آتا تھا وہ ازواج مطہرات کو ہدیۃً دے دیا کرتی تھیں۔[2]

خادموں کے ساتھ سلوک:

صحابیات خادموں کے ساتھ جیسا سلوک کرتی تھیں، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار رات کو عبدالملک اٹھا اور اپنے خادم کو آواز دی، اس نے آنے میں دیر لگائی تو اس نے اس پر لعنت بھیجی، حضرت ام الدرداء اس کے محل میں تھیں صبح ہوئی تو کہا کہ تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہداء نہ ہوں گے۔[3]

باہمی اعانت:

صحابیاتؓ مصیبت میں دوسروں کی اعانت فرماتی تھیں، اور ہمسایہ صحابیات اپنی پڑوسنوں کو ہر قسم کی مدد دیتی تھیں، حضرت اسماء کو روٹی پکانا نہیں آتی تھی لیکن ان کی پڑوسنیں ان کی روٹی پکایا کرتی تھیں۔[4]

اگر عورتوں کو اپنے شوہروں سے شکایت پیدا ہوتی، تو وہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دردو دکھ کہتی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہایت پر زور طریقے سے ان کی سفارش کرتی تھیں، ایک بار ان کی خدمت میں ایک عورت سبز دوپٹہ اوڑھ کر آئی، اور جسم کھول کر دکھایا کہ شوہر نے اس قدر مارا ہے کہ بدن پر نیل پڑ گئے ہیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مسلمان عورتیں جو مصیبت برداشت کر رہی ہیں، ہم نے ایسی مصیبت نہیں دیکھی، دیکھئے اس کا چمڑا دوپٹہ سے زیادہ سبز ہو گیا ہے بخاری کی اس روایت کے آخر میں عموماً عورتوں کی نسبت یہ الفاظ ہیں۔

والنساء ینصر بعضھن بعضاً

---

(۱) بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قدر کم یعطی من الزکوۃ والصدقۃ ومن اعطیٰ شاۃ (۲) مسلم کتاب الزکوۃ باب اباحۃ الھدیہ للنبی ﷺ ولبنی ھاشم ولبنی عبدالمطلب وان کان المھدی ملکھا بطریق الصدقہ (۳) کتاب البر والصلہ والآداب باب النھی عن لعن الدواب وغیرھا (۴) مسلم کتاب الآداب باب ارداف المرأۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق

"عورتوں کی یہ فطرت ہے کہ ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں"[۱]

ایک شخص کی بی بی بیمار تھیں وہ حضرت ام الدرداءؓ کے پاس آئے انہوں نے حال پوچھا تو انہوں نے کہا بی بی بیمار ہے اب انہوں نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بی بی بیمار رہیں، حال پوچھتیں اور کھانا کھلاتی رہیں۔[۲]

عیادت :

صحابیاتؓ ہر ممکن طریقہ سے مریضوں کی عیادت کرتی تھیں ایک بار اہل صفہ میں سے ایک صحابی بیمار تھے حضرت ام الدرداء اونٹ پر سوار ہو کر آئیں اور ان کی عیادت کی۔[۳]

تیمارداری :

صحابیاتؓ نہایت دل سوزی سے مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں، حضرت عبداللہ بن مظعونؓ بیمار ہوئے، تو حضرت ام الحسلاء اور ان کے تمام خاندان نے ان کی تیمارداری کی، ان کا انتقال ہو گیا تو کفن پہنانے کے بعد حضرت ام الحسلاءؓ نے محبت کے لہجے میں کہا تم پر خدا کی رحمت ہو میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا نے تمہاری عزت کی۔"[۴]

حضرت زینب مرض الموت میں بیمار ہوئیں، تو حضرت عمرؓ نے ازواج مطہرات سے پوچھوایا کہ کون ان کی تیماردار کرے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا "ہم" ان کا انتقال ہوا تو پھر دریافت کیا کہ کون ان کو غسل و کفن دے گا؟ تمام بی بیوں نے کہا "ہم"[۵]

عزاداری :

صحابیاتؓ عزاداری کو اپنا فرض خیال کرتی تھیں، ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کو دفن کر کے آرہے تھے، راہ میں دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ جارہی ہیں، پوچھا گھر سے کیوں نکلیں؟ بولیں اس گھر میں عزاداری کے لئے گئی تھی۔[۶]

عرب جاہلیت میں عزاداری کا یہ طریقہ تھا کہ عورتیں برادری میں جاکر باہم مردوں پر نوحہ کرتی تھیں، لیکن اسلام نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹادیا، چنانچہ جب عورتیں اسلام لاتیں تھیں تو ان سے اس رسم کے چھوڑنے کا معاہدہ لیا جاتا تھا ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام عطیہؓ سے یہ معاہدہ لینا چاہا، تو بولیں فلاں خاندان نے زمانہ جاہلیت میں ہمارے مردے پر نوحہ کیا

---

(۱) بخاری کتاب اللباس باب الثیاب الحضر (۲) ادب المفرد، باب عیادت الصبیان (۳) ایضاً باب عیادة النساء الرجل المریض (٤) بخاری کتاب الشهادات باب القرعة فی المشکلات (۵) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت زینبؓ (٦) ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی التعزیه

ہے' مجھے اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے چنانچہ آپ نے ان کو اس کی اجازت دیدی۔(۱)

محبت اولاد :

صحابیاتؓ اپنے بچوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں' ایک بار ایک صحابی نے بی بی کو طلاق دیدی اور بچے کو اس سے لینا چاہا' وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ "میرا پیٹ اس کا ظرف میری چھاتی اس کا مشکیزہ اور میری گود اس کا گہوارہ تھا اور اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی' اور اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے آپ نے فرمایا" جب تک تم دوسرا نکاح نہ کرلو تم بچے کی سب سے زیادہ مستحق ہو"(۲) اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں' چنانچہ خود آنحضرت ﷺ نے ان کی خصوصیت کی مدح فرمائی۔

نعم النساء نساء قریش احناھن علی الولد وارعاھن علی الزوج(۳)

"قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں' بچوں سے محبت رکھتی ہیں' اور شوہروں کے مال واسباب کی نگرانی کرتی ہیں"

بھائی بہن سے محبت :

صحابیات اپنے بھائی اور بہنوں سے نہایت محبت رکھتی تھیں' حضرت عبداللہؓ ابن ابی بکر کا مقام حبش میں انتقال ہوا' اور لاش مکہ میں دفن ہوئی تو حضرت عائشہؓ فرط محبت سے ان کی قبر تک آئیں' اور ایک مشہور مرثیہ کے چند اشعار پڑھے۔

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃً　　من الدھر حتی قیل لن یتصدعا

اور ہم دونوں ایک مدت تک جذیمہ کے دونوں ہم نشینوں کی طرح ساتھ رہے' یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ ان میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔

فلما تفرقنا کان ومالکاً　　بطول اجتماع لم نبت لیلۃ معاً(۴)

لیکن جب جدائی ہوئی تو ایسی ہوئی کہ گویا ہم نے اور مالک نے باوجود طویل ملاقات کے ایک رات بھی ساتھ بسر نہیں کی تھی۔

حضرت حمزہؓ غزوہ احد میں شریک ہوئے' تو ان کی بہن حضرت صفیہؓ آئیں کہ مقتل میں انکا پتہ لگائیں لیکن لوگوں نے ان کی پریشانی کے خیال سے نہیں بتایا' آخر رسول اللہ ﷺ

---

(۱) مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ (۲) ابوداؤد کتاب الطلاق باب من احق بالولد (۳) بخاری کتاب النکاح (۴) ترمذی کتاب الجنائز' باب ماجاء فی الزیارۃ للقبور للنساء

کے پاس آئیں تو آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اس واقعہ سے ان کی عقل نہ جاتی رہے' اس لئے ان کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے اناللہ پڑھا اور رونے لگیں (۱)

حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تو تمام عورتیں رونے لگیں' حضرت فاطمہؓ ان کی قبر کے پاس روتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھتے تھے۔ (۲)

حمایت والدین :

صحابیات والدین کی حمایت سے سخت موقعوں پر بھی اغماض نہیں کرتی تھیں ایک بار کفار نے حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی گردن میں اونٹ کی اوجھ ڈال دی حضرت فاطمہؓ دوڑ کے آئیں' اس کو آپ کی گردن سے نکال کر پھینک دیا' اور کفار کو برا بھلا کہا۔ (۳)

پرورش یتامیٰ :

یتیموں کی پرورش بڑی نیکی کا کام ہے' حدیث شریف میں آیا ہے :

انا و کافل الیتیم کھا تین فی الجنة

" ہم اور یتیموں کی پرورش کرنے والے جنت میں اس قدر قریب ہوں گے جس قدر یہ دونوں انگلیاں قریب ہیں"

اس لئے صحابیات یتیموں کی پرورش اپنا فرض سمجھتی تھیں' حضرت زینبؓ متعدد یتیموں کی پرورش کرتی تھیں' ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور پوچھا کہ میں اپنے شوہر اور یتیموں پر صدقہ کروں تو جائز ہے ؟ ایک دوسری صحابیہ بھی اسی غرض سے در دولت پر کھڑی تھیں' حضرت بلالؓ نے اطلاع کی' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا دوہرا ثواب ملے گا' ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا۔ (۴)

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کے بچے یتیم ہو گئے' تو حضرت عائشہؓ ان کی پرورش فرماتی تھیں۔ (۵)

یتیموں کے مال کی نگہداشت :

خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں یتیموں کے مال کی حفاظت و نگہداشت کے متعلق ایک نہایت مفصل آیت نازل فرمائی ہے وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ الخ اس بناء پر صحابیات نہ صرف ان کے مال کی حفاظت کرتی تھیں بلکہ اس کو ترقی دیدی تھیں' حضرت عائشہؓ

---

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت حمزہؓ (۲) مسند ابوداؤد و طیالسی صفحہ ۳۵۱ (۳) بخاری کتاب الصلوۃ باب المراۃ تطرح عن المصلی شیئاً من الاذیٰ (٤) بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الزکوۃ علی الزوج والایتام فی الحجر (۵) موطأ امام مالک کتاب الزکوۃ باب الزکوۃ فیہ من الحلی والتبر والعبر

یتیموں کے مال لوگوں کو دیتی تھیں کہ تجارت کے ذریعہ سے ان کو ترقی دیں۔[۱]

بچوں کی پرورش :

صحابیاتؓ بچوں کی پرورش میں اپنے عیش و آرام کو بھی فراموش کر دیتی تھیں حضرت ام سلیمؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت انس بن مالکؓ بچے تھے' اس لئے انہوں نے یہ عزم بالجزم کر لیا کہ جب تک ان کی نشوونما کامل طور پر نہ ہو جائے گی' وہ دوسرا نکاح نہ کریں گی چنانچہ حضرت انسؓ خود سپاس گزارانہ لہجے میں اعتراف کرتے ہیں' کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جزائے خیر دے کہ اس نے میری ولایت کا حق ادا کیا۔[۲]

رسول اللہ ﷺ صحابیات کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھے' لیکن بایں ہمہ جب آپ نے حضرت ام ہانیؓ سے نکاح کا پیام دیا تو انہوں نے معذرت کی کہ یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے میری آنکھوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں' لیکن شوہر کا حق بہت زیادہ ہے' اس لئے مجھے خوف ہے کہ اگر میں شوہر کا حق ادا کروں تو بچوں کی طرف سے بے پروائی کرنا پڑے گی اور اگر بچوں کی پرورش میں مصروف رہوں گی تو شوہر (یعنی آپ کا اگر نکاح کر لوں گی) کا حق ادا نہ کر سکوں گی[۳]

شوہر کے مال و اسباب کی حفاظت :

زن و شوہر کے معاشرتی تعلقات پر اس کا نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے کہ بیوی نہایت دیانت کے ساتھ شوہر کے مال و اسباب اور گھر بار کی حفاظت کرے' اور صحابیات میں عموماً یہ دیانت پائی جاتی تھی' حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی' وہ گھر میں تھیں کہ ایک غریب سوداگر آیا' اور کہا کہ اپنے سایہ دیوار کے نیچے مجھ کو سودا بیچنے کی اجازت دیجئے' وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوئی' فیاضی اور کشادہ دلی سے اجازت دینا چاہتی تھیں لیکن شوہر کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں بولیں "اگر میں اجازت دے دوں اور زبیر انکار کر دیں' تو مشکل پڑے گی زبیرؓ کی موجودگی میں آؤ' اور مجھ سے سوال کرو" وہ اسی حالت میں آیا' اور کہا یا ام عبداللہ! میں محتاج آدمی ہوں آپ کی دیوار کے سایہ میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں' بولیں' تم کو مدینہ میں میرا گھر ہی ملتا تھا" حضرت زبیرؓ نے کہا تمہارا کیا بگڑتا ہے' جو ایک محتاج کو بیع و شراء سے روکتی ہو؟ وہ تو چاہتی ہی تھیں اجازت دے دی[۴] وہ نہایت فیاض تھیں' اس لئے صدقہ و خیرات کرنا بہت پسند کرتی تھیں' لیکن شوہر کے مال کے سوا ان کے پاس اور کچھ نہ تھا اور شوہر کے مال میں بلا

---

(۱) موطاء امام مالک کتاب الزکوۃ باب اموال الیتمی والتجارۃ فیہا (۲) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت ام سلیمؓ
(۳) ایضاً تذکرہ حضرت ام ہانیؓ (٤) مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المراۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق

اجازت تصرف نہیں کر سکتی تھیں، مجبوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میں زبیر کی آمدنی میں سے کچھ صدقہ کروں تو کیا کوئی گناہ کی بات ہے؟ ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہو سکے، دو (۱)

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک خاتون اٹھیں اور کہا کہ ہم اپنے باپ، بیٹے اور شوہر کے محتاج ہیں ان کے مال میں سے ہمارے لئے کس قدر لینا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قدر کہ کھاپی لو اور ہدیہ دو" (۲)

اگرچہ یہ وصف عموماً تمام صحابیات میں پایا جاتا تھا لیکن اس باب میں قریش کی عورتیں خاص طور پر ممتاز تھیں، چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا اس خصوصیت کو ان الفاظ میں نمایاں کیا۔

نعم النساء نساء قریش احناھن علی الولد وارعاھن علی الزوج

"قریش کی عورتیں کس قدر اچھی ہیں بچوں سے محبت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی کرتی ہیں"

شوہر کی رضاجوئی:

صحابیات اپنے شوہروں کی رضا مندی اور خوشنودی کا نہایت خیال رکھتی تھیں، حضرت حولاءؓ عطر فروش تھیں، ایک بار حضرت عائشہؓ کی خدمت میں آئیں، اور کہا کہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں، بناؤ سنگار کر کے دلہن بن جاتی ہوں، اور خالصتہً لوجہ اللہ اپنے شوہر کے پاس جاکر سو رہتی ہوں، لیکن اس پر بھی وہ متوجہ نہیں ہوتے اور منہ پھیر لیتے ہیں، پھر ان کو متوجہ کرتی ہوں اور وہ اعراض کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ آئے تو آپ سے بھی اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا جاؤ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو۔ (۳)

ایک روز آپ نے حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے چھلے دیکھے تو فرمایا عائشہ یہ کیا ہے؟ بولیں میں نے اسکو اس لئے بنایا ہے کہ آپ کے لئے بناؤ سنگار کروں۔ (۴)

ایک صحابیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے ہاتھ میں سونے کے کنگن تھے آپ نے ان کو پہننے سے منع کیا، بولیں، اگر عورت شوہر کے لئے بناؤ سنگار نہ کرے تو اس کی نگاہوں سے گر جائے گی۔ (۵)

---

(۱) مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقۃ ولو بالقلیل (۲) ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب المراۃ تصدق من بیت زوجھا، (۳) اسد الغابہ تذکرۃ حضرت حولاءؓ (٤) ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب الکنز ما ھو وزکوۃ الحلی (۵) نسائی کتاب الزینۃ

شوہر کی محبت :

صحابیات اپنے شوہروں سے نہایت محبت رکھتی تھیں حضرت زینب ؓ کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی وہ حالت کفر میں تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آگیا اور وہ گرفتار ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے اسیران جنگ کو فدیہ لیکر رہا کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ نے اپنا ایک یادگار ہار جس کو حضرت خدیجہؓ نے ان کو رخصتی کے وقت دیا تھا' ابوالعاص کے فدیہ میں بھیج دیا۔[1]

حضرت حمنہؓ بنت جحش کو اپنے شوہر کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو فرط محبت سے چیخ اٹھیں۔[2]

حضرت عمرؓ کو اہل وعیال کے ساتھ زیادہ شغف نہ تھا تاہم ان کی بی بی حضرت عاتکہؓ روزے کے دنوں میں بھی فرط محبت سے ان کے سر کا بوسہ لیتی تھیں[3]

حضرت عاتکہؓ کو اپنے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے نہایت محبت تھی' چنانچہ جب وہ طائف میں شہید ہوئے تو حضرت عاتکہؓ نے ایک پردرد مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فالیت لا تنفك عيني خزينة　　　علیك ولا ینفك جلدی اغبر

میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے غم میں میری آنکھ ہمیشہ پرنم اور جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے شادی کی' دعوت ولیمہ میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے' انہوں نے عاتکہؓ کو یہ شعر یاد دلایا تو رو پڑیں' حضرت عمرؓ کی شہادت ہوئی تو ان کا بھی نہایت پردرد مرثیہ لکھا۔ اس کے بعد ان سے حضرت زبیر نے شادی کی اور وہ بھی شہید ہوئے تو عاتکہؓ نے ان کا بھی مرثیہ لکھا[4]

شوہر کی خدمت :

صحابیات شوہر کی خدمت نہایت دلسوزی کے ساتھ کرتی تھیں' رسول اللہ ﷺ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوایا کرتے تھے' اور اس پاک خدمت کو حضرت عائشہؓ ادا فرماتی تھیں[5] ایک بار آپ کمبل اوڑھ کر مسجد میں آئے' ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس پر دھبہ نظر آتا ہے' آپ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگایا' خود اپنے ہاتھ سے دھویا' اور خشک کیا' اور اس کے

---

(۱) ابو داؤد کتاب الجهادباب فداء الاسير بالمال (۲) سنن ابن ماجه كتاب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی الميت (۳) موطاء كتاب الصيام باب ماجاء فی الرخصة فی القبلة للصیام (٤) اسد الغابه تذکره عاتکهؓ بنت زيد (٥) ابوداؤد كتاب الطهارة باب غسل المسواك

بعد آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا[۱] جب آپ ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہؓ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔[۲]

جب آپ خانہ کعبہ ہدی بھیجتے تھے' تو وہ ان کے گلے کا قلادہ بٹتی تھیں[۳]

صحابہ کرامؓ جب تمام دنیا کی خدمت واعانت سے محروم ہو جاتے تھے' تو اس بے کسی کی حالت میں صرف ان کی بی بیاں ان کا ساتھ دیتی تھیں' رسول اللہ ﷺ تخلف غزوہ تبوک کی بنا پر حضرت ہلال بن امیہؓ سے ناراض ہوئے' اور اخیر میں تمام مسلمانوں کی طرح ان کی بی بی کو بھی تعلقات کے منقطع کر لینے کا حکم دیا' تو وہ حاضر خدمت ہوئیں اور کہا کہ وہ بوڑھے آدمی ہیں ان کے پاس نوکر چاکر نہیں اگر میں ان کی خدمت کروں تو آپ ناپسند فرمائیں گے' ارشاد ہوا "نہیں" [۴]

عورت کتنی ہی اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو' لیکن اگر اس سے تعلقات منقطع کر لئے جائیں تو وہ شوہر کی طرف مائل نہیں ہو سکتی' لیکن صحابیات نے اس فطرتی اصول کو بھی توڑ دیا تھا ایک صحابی نے اپنی بی بی سے ظہار کیا' یعنی ایک مدت معینہ کے لئے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا' تاہم اس حالت میں بھی وہ ان کی خدمت گزاری میں مصروف رہتی تھیں۔

طرز معاشرت

غربت وافلاس :

ابتدائے اسلام میں صحابیات نہایت فقر و فاقہ اور غربت وافلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں' جس کا اثر ان کے لباس' مکان' اثاث البیت اور سامان آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا۔

لباس :

صحابیاتؓ کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی' حضرت فاطمہؓ جگر گوشہ رسول ﷺ کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ادب و حیا سے جسم کے ہر حصہ کو چھپانا چاہا لیکن ناکامیابی ہوئی' سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔[۵]

---

(۱) ایضاً باب الاعادہ من النجاسۃ یکون فی الثوب (۲) ابوداؤد کتاب المناسك باب الطیب عند الاحرام (۳) ایضاً باب من بعث بھدیہ (٤) بخاری کتاب المغازی باب غزوہ تبوك (٥) ابوداؤد کتاب اللباس باب فی العبد ینظر الیٰ شعر مولاتہ .

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ نے صحابیات کو عید گاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر اوڑھا دے۔[1]

شادی بیاہ میں دولہن کے لئے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسر نہ تھا حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوالیتی تھی۔[2]

مکان :

غربت وافلاس کی وجہ سے صحابیات کے مکان نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت کے ہوتے تھے۔ گھروں میں جائے ضرورت تک نہ تھی[3] اس لئے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا، دروازوں پر پردے تک نہ تھے[4] راتوں کو جلانے کے لئے چراغ تک میسر نہ تھا۔[5]

اثاث البیت :

صحابیات کے گھروں میں نہایت مختصر سامان ہوتے تھے یہاں تک کہ میاں بی بی دونوں کے لئے صرف ایک بچھونا ہوتا تھا[6] اور وہ بھی کھجور کے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔

زیورات :

صحابیات نہایت معمولی اور سادہ زیور استعمال کرتی تھیں، احادیث کی کتابوں کے تتبع استقراء سے بازوبند، کڑے، بالی، ہار، انگوٹھی اور چھلے کا پتہ چلتا ہے لونگ کا ہار بھی پہنتی تھیں جس کو عربی میں سخاب کہتے ہیں، حضرت عائشہؓ کا ایک ہار جو سفر میں گم ہو گیا تھا وہ مہرہ یمانی کا تھا۔[7]

سامان آرائش :

صحابیات سرمہ اور مہندی کا استعمال بھی کرتی تھیں، زچہ خانے سے نکلتی تھیں، تو منہ پر درس (ایک قسم کی سرخ گھاس کا نام ہے) کا غازہ ملتی تھیں کہ چہرے سے داغ دھبے مٹ جائیں[8] خوشبو میں زعفران، عطر اور سک کا استعمال کرتی تھیں، سک ایک قسم کی

---

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین (۲) بخاری کتاب الھبه باب الاستعارۃ للعروس عند البناء (۳) بخاری قصة الافك (٤) ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث (۵) صحیح بخاری (٦) ابوداؤد کتاب الطھارت باب فی الرجل یصیب منھا مادون الجماع (۷) ایضاً باب فی الیتیم (۸) ایضاً ماجاء فی وقت النفساء

خوشبو ہے جو ماتھے پر لگائی جاتی ہے۔

اپنا کام خود کرنا:

صحابیات خانہ داری کے کاموں کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں، اور اس میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کرتی تھیں، حضرت فاطمہؓ رسول اللہ ﷺ کی محبوب ترین صاحبزادی تھیں، لیکن چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے، مشکیزوں میں پانی لاتے لاتے سینہ داغدار ہو گیا تھا، جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو گئے تھے۔[1]

ازواج مطہرات باری باری گھر کا کام دھندا خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہؓ کی باری تھی، جَو پیسے اور اس کی روٹی پکائی، اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار شروع کیا، آپ کے آنے میں دیر ہو گئی تو سو گئیں آپ آئے تو جگایا،[2] حضرت اسماءؓ حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی تھیں اور ان کی شادی حضرت زبیرؓ سے ہوئی تھی، وہ اس قدر مفلس تھے کہ ایک گھوڑے کے سوا گھر میں کچھ نہ تھا، حضرت اسماءؓ خود باغوں میں جا جا کر گھوڑے کی گھاس لاتی تھیں، حضرت ابو بکر نے سائسی کے لئے ایک غلام بھیجا تو انہوں نے اس خدمت سے نجات پائی رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو ایک قطع زمین بطور جاگیر دیا تھا، جو مدینہ سے تین فرسخ دور تھا حضرت اسماءؓ روز وہاں جاتیں اور وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاتیں اور ان کو کوٹ کر ان کی پانی کھینچنے والی اونٹنی کو کھلاتی تھیں۔

گھر کے معمولی کاروبار ان کے علاوہ تھے، خود پانی لاتیں، مشک پھٹ جاتی تھی تو اس کو سی لیتیں آٹا گوندھتی، روٹی پکاتیں[3] گھر کے کام دھندے کے علاوہ صحابیات بعض صنعتی کام بھی کرتی تھیں

حضرت سودہؓ طائف کی ادھوڑی بناتی تھیں جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت تمام ازواج مطہرات سے بہتر رہتی تھی،[4] بعض صحابیہ کپڑے بنتی تھیں[5]

پردہ

عہد نبوت میں اگرچہ اس زمانہ کا سا سخت پردہ رائج نہ تھا تاہم بالکل عورتیں بے پردہ اور آزاد بھی نہ تھیں۔

محرم کے ساتھ سفر کرتی تھیں[6] نقاب پوش رہتی تھیں[7] اور غیر محرم سے پردہ کرتی

---

(۱) کتاب الخروج والامارة باب فی بیان مواضع قسم الخمس ولھم ذی القربی (۲) ادب المفرد باب لایوذی جاره (۳) مسلم کتاب الآداب باب جواز ارداف المراة الاجنبیة اذااعیت فی الطریق و بخاری کتاب النکاح (۴) اسد الغابہ تذکرہ فلسہ (۵) بخاری کتاب البیوع باب النساء (۶) ابوداؤد کتاب المناسك باب فی الصبی یحج (۷) ابوداؤد کتاب المناسك ما یلبس المحرم

تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حجتہ الوداع کے زمانے میں جب لوگ ہمارے سامنے سے گزرتے تھے تو ہم چہرے پر چادر ڈال لیتے تھے 'لوگ گزر جاتے تو پھر منہ کھول دیتے تھے۔ [۱]

ایک بار حضرت افلح بن ابی القیس حضرت عائشہؓ کی ملاقات کو آئے 'وہ پردہ میں چھپ گئیں 'بولے "تم مجھ سے پردہ کرتی ہو میں تمہارا چچا ہوں 'بولیں کیونکہ بولے میرے بھائی کی بی بی نے تم کو دودھ پلایا ہے "بولیں مرد نے تو نہیں پلایا" [۲]

ایک صحابیہ کا بیٹا شہید ہوا 'وہ نقاب پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں 'صحابہ کرامؓ نے ان کو دیکھ کر کہا بیٹے کی شہادت کا حال پوچھنے آئی ہو اور نقاب پوش ہو کر؟ بولیں میں نے اپنے بیٹے کو کھودیا ہے شرم وحیا کو تو نہیں کھویا۔ [۳]

ہمارے زمانے میں پردہ ایک رسمی چیز ہے 'مثلاً ایک عورت کسی محرم سے رسماً پردہ کرتی ہے تو اس سے لازمی طور پر ہمیشہ پردہ کرے گی لیکن دوچار بار کسی نا محرم کے سامنے آنے کا اتفاق ہو گیا تو پھر اس کے لئے پردہ کے تمام قیود ٹوٹ جائیں گے لیکن صحابیات رسمی پردے کی پابند نہ تھیں 'ان کا پردہ بالکل شرعی تھا 'اگر شریعت اجازت دیتی تھی 'تو وہ کسی کے سامنے آتی تھیں اور جب شرعی موانع پیدا ہو جاتے تھے تو اس سے پردہ کرنے لگتی تھیں حضرت عائشہؓ کا مذہب ہے کہ غلاموں سے پردہ ضروری نہیں اس لئے وہ حضرت عبداللہ سالمؓ کے سامنے جو نہایت متدین غلام تھے 'آتی تھیں 'اور ان سے بے تکلف باتیں کرتی تھیں' ایک دن وہ آئے' اور کہا کہ "خدا نے آج مجھے آزاد کر دیا چونکہ اب وہ غلام باقی نہیں رہے 'اس لئے حضرت عائشہؓ نے پردہ گروادیا اور عمر بھر انکے سامنے نہ ہوئیں۔ [۴]

معاملات

ادائے قرض کا خیال:

حضرت عائشہؓ اکثر قرض لیا کرتی تھیں 'ان سے پوچھا گیا کہ آپ قرض کیوں لیتی ہیں؟ بولیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو بندہ قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے' خدا اپنی جانب سے اس کے لئے مددگار مقرر کر دیتا ہے تو اسی مددگار کی جستجو کرتی ہوں۔ [۵]

---

(۱) ابو داؤد کتاب المناسك باب فی المحرم تغطی وجهها (۲) ابو داؤد کتاب النكاح باب فی لبن الفحل
(۳) ابو داؤد کتاب الجهاد باب فضل قتال الروم علی غیر هم من الامم
(٤) نسائی کتاب الطهارة باب مسح المرأة رأسها (٥) مسند احمد بن حنبل جلد ٦ ص ٩٩

قرض کا ایک حصہ معاف کر دینا:

حضرت ام سلمہؓ نے ایک غلام کو مکاتب بنایا اس کے جب بدل کتابت ادا کرنا چاہا تو کہا کہ اس میں کچھ کمی کر دیجئے انہوں نے کم کر دیا۔(۱)

تقسیم وراثت میں دیانت:

حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عائشہؓ پر چند کھجور کے درخت ہبہ کئے تھے لیکن اب تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے ہبہ نامکمل تھا حضرت ابو بکرؓ کا انتقال ہونے لگا تو کہا کہ میں نے تم پر جو درخت ہبہ کئے تھے اگر تمہارا ان پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہاری ملک ہو جاتے لیکن آج وہ میرے ترکہ میں داخل ہیں، جس کے وارث تمہارے بھائی اور بہنیں ہیں اس لئے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو، حضرت عائشہؓ بولیں کہ اگر اس سے بھی زیادہ مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی۔(۲)

خدمات

سیاسی خدمات میں بھی صحابیات کی کوئی قابل الذکر خدمت نہیں ہے صرف اصابہ میں تذکرہ شفاء بنت عدویہ میں اس قدر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کی رائے کو مقدم سمجھتے تھے؛ ان کی عزت کرتے تھے اور بازار کی بعض خدمتیں بھی ان سے متعلق تھیں، لیکن سیاسی خدمات کے علاوہ صحابیات نے اسلام کی ہر ممکن خدمت کی ہے جس کی تفصیل ذیل کے عنوانات سے معلوم ہوگی۔

مذہبی خدمات

اشاعت اسلام:

مذہبی خدمات میں اشاعت اسلام سب سے اہم ہے، اور اس میں ابتدائے اسلام ہی سے صحابیاتؓ کی مساعی جمیلہ کا کافی حصہ شامل ہے، چنانچہ حضرت ام شریکؓ ایک صحابیہ تھیں جو آغاز اسلام میں مخفی طور پر قریش کی عورتوں کو اسلام کی دعوت دیا کرتی تھیں، قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔(۳)

ایک غزوہ میں مسلمان پیاس سے بے تاب ہو کر نکلے، تو حسن اتفاق سے ایک عورت

---

(۱) طبقات ابن سعد تذکرہ مصباح بن سرحس (۲) موطاء امام مالک کتاب الاقضیہ باب مالایجوز من النحل (۳) اسد الغابہ تذکرہ حضرت ام شریک

مل گئی، جس کے ساتھ پانی کا ایک مشکیزہ تھا صحابہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ کی اجازت سے پانی کو استعمال کیا' اگرچہ آپ نے اسی وقت اس کو پانی کی قیمت دلوادی۔ تاہم صحابہ پر اس کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب اس عورت کے گاؤں کے آس پاس حملہ کرتے تھے' تو خاص اس کے گھرانے کو چھوڑ دیتے تھے' اس پر صحابہ کرام کی اس منت پذیری کا یہ اثر ہوا کہ اس نے اپنے تمام خاندان کو قبول اسلام پر آمادہ کیا اور وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ [1]

حضرت ام حکیم بنتؓ الحارث کی شادی عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی تھی' وہ خود تو فتح مکہ کے دن اسلام لائیں' لیکن ان کے شوہر بھاگ کر یمن چلے گئے' حضرت ام حکیمؓ نے یمن کا سفر کیا اور ان کو دعوت اسلام دی' وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔ [2]

حضرت ابو طلحہؓ نے حالت کفر میں حضرت ام سلیمؓ سے نکاح کرنا چاہا' لیکن انہوں نے کہا کہ تم کافر ہو اور میں مسلمان' نکاح کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر قبول اسلام کر لو تو یہی میرا مہر ہو گا اس کے سوا تم سے کچھ نہ مانگوں گی' چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور اسلام ہی ان کا مہر قرار پایا۔ [3]

نو مسلموں کا تکفل :

ابتدائے اسلام میں جو لوگ اسلام لاتے تھے' ان کو مجبوراً اپنے گھر بار' اہل و عیال اور مال و جائیداد سے کنارہ کش ہونا پڑتا تھا' اس بناء پر اس وقت اشاعت اسلام کے ساتھ اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ ان نو مسلموں کی کفالت کی جائے' اور صحابیات اس میں نمایاں حصہ لیتی تھیں' چنانچہ حضرت ام شریکؓ کا گھر ان نو مسلموں کے لئے گویا مہمان خانہ بن گیا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ بنت قیس کو ان کے یہاں صرف اس بنا پر عدت بسر کرنے کی اجازت نہیں دی [4] کہ ان کے گھر مہمانوں کی کثرت سے پردہ کا انتظام نہیں ہو سکتا تھا' حضرت درہ بنت لہب بھی نہایت فیاض تھی' اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں [5]

خدمت مجاہدین :

جس طرح صحابہ کرامؓ بہ شوق غزوات میں شریک ہوتے تھے' اسی طرح صحابیات بھی خدا کی راہ میں ان سے پیچھے رہنا نہیں چاہتی تھیں' ان کے لئے سب سے زیادہ موزوں کام زخمیوں کی مرہم پٹی اور مجاہدین کے آرام و آسائش کا سامان بہم پہنچانا تھا' اور وہ اس خدمت کو

---

(۱) بخاری کتاب الغسل باب صعید الطیب وضوء المسلم (۲) موطاء امام مالک کتاب النکاح المشرک اذا سلمت زوجته قبله (۳) اسد الغابه تذکره حضرت زید بن سهل بن اسوم (٤) مسلم کتاب الطلاق باب

نہایت خلوص اور دل سوزی سے انجام دیتی تھیں، غزوہ خیبر میں متعدد صحابیات شریک جہاد ہوئیں رسول اللہ ﷺ کو ان کا حال معلوم ہوا تو ناراضی کے لہجے میں پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟ بولیں یارسول اللہ! ہم اون کاتتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں ہمارے ساتھ زخمیوں کے دوا علاج کا سامان ہے لوگوں کو تیر اٹھا اٹھا کر دیتے ہیں اور ستو گھول گھول کر پلاتے ہیں۔ (۱)

حضرت ام عطیہؓ ایک صحابیہ تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات لڑائیوں میں شریک ہوئیں، وہ مجاہدین کے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، کھانا پکاتی تھیں، مریضوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ (۲)

غزوہ احد میں خود حضرت عائشہؓ شریک تھیں اور وہ ام سلیم اپنی پیٹھ پر مشک لاد لاد کر لاتی تھیں، اور لوگوں کو پانی پلاتی تھیں۔ (۳)

حضرت ربیعہ بنت مسعودؓ کا بیان ہے کہ ہم سب غزوات میں شریک ہوتے تھے پانی پلاتے تھے مجاہدین کی خدمت کرتے تھے، اور مدینہ تک زخمیوں اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ (۴)

حضرت رفیدہ نے مسجد نبوی میں خیمہ کھڑا کر رکھا تھا، جو لوگ زخمی ہو کر آتے تھے وہ اسی خیمہ میں ان کا علاج کرتی تھیں چنانچہ حضرت سعد بن معاذؓ غزوہ خندق میں زخمی ہوئے تو ان کا علاج اسی خیمہ میں ہوا۔ (۵)

صحابیات کی یہ خدمات خود صحابہ کرامؓ کے زمانے میں نہایت قابل قدر خیال کی جاتی تھیں اور خود خلفاء بھی ان کا لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ نے مدینہ کی عورتوں میں چادر تقسیم فرمائی ایک عمدہ چادر رہ گئی تو کسی نے کہا کہ اپنی بی بی ام کلثوم کو دے دیجئے، بولے ام سلیط اس کی زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ وہ غزوہ احد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں، اور ہم کو پلاتی تھیں۔ (۶)

خدمات مساجد:

صحابیات مساجد کی صفائی میں نہایت اہتمام کرتی تھیں ایک بار کسی نے مسجد

---

(۱) ابوداؤ کتاب الجهادباب في المراة والعبد يحذيان من الغنيمة (۲) مسلم كتاب الجهاد باب النساء الغازيات يرضع لهن ولا يهم والنهي عن قتل صبيان اهل الحرب(۳) ايضاً باب غزوة النساء مع الرجال (٤)بخاری کتاب الجهاد باب رد النساء والقبله (٥) اصابه تذکره رفیده ؓ (٦) بخاری کتاب الجهاد باب حمل الناس القرب الى الناس في الغزو

نبوی میں تھوک دیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا ایک صحابیہ اٹھیں، اور اس کو مٹادیا اور اس کی جگہ خوشبو لگائی، آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا۔[۱]

ایک صحابیہ تھیں جو ہمیشہ مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھیں یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نہایت قدر فرمائی، چنانچہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو صحابہ کرام نے ان کو راتوں رات دفن کر دیا اور آپ کو اس کی اطلاع نہیں دی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ مجھے کیوں نہیں خبر کی، بولے حضور استراحت فرما رہے تھے، ہم نے تکلیف دینا گوارہ نہیں کیا۔[۲]

بدعات کا استیصال:

بدعت مذہب کے لئے بمنزلہ گھن کے ہے، اس لئے بالاثر صحابیات ہمیشہ اس بات کی کوشش کرتی تھیں کہ نخل اسلام میں یہ گھن نہ لگنے پائے، مثلاً مسلمانوں میں غلاف کعبہ کی جو عزت و حرمت قائم ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا، تو اس پرانے غلاف چرا چھپا کر خادموں کو کچھ دے دلا کر لے لیتے ہیں، اسی کو تبرک سمجھ کر لے آتے ہیں اور مکانوں میں رکھتے ہیں، دوستوں کو بطور سوغات کے تقسیم کرتے ہیں، قرآن میں رکھتے ہیں، مسجدوں میں لٹکاتے ہیں، اور مریض کو اس سے ہوا دیتے ہیں، لیکن قرن اول میں یہ حالت نہ تھی متولی کعبہ صرف یہ کرتا تھا کہ غلاف کو زمین میں دفن کر دیتا تھا کہ وہ ناپاک انسانوں کے کام کا نہ رہے، شیبہ بن عثمان نے جو اس زمانہ میں کعبہ کے کلید بردار تھے حضرت عائشہؓ سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ تعظیم غیر شرعی ہے، خدا اور رسول ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا اور ممکن ہے کہ آئندہ اس سے سوء اعتقاد اور بدعات کا سرچشمہ پھوٹے، اس لئے شیبہ سے کہا کہ یہ اچھی بات نہیں، تم برا کرتے ہو، جب غلاف کعبہ سے اتر گیا اور کسی نے اس کو ناپاکی کی حالت میں استعمال بھی کر لیا تو کوئی مضائقہ نہیں تم کو چاہیئے کہ اس کو بیچ ڈالا کرو اور اس کی قیمت غریبوں اور مسافروں کو دے دیا کرو[۳]

احتساب:

جو چیز مذہب اور اخلاق کو صحیح اصول پر قائم رکھتی ہے شریعت کی اصطلاح میں اس کا نام احتساب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اس کے تین درجے مقرر فرما دیئے ہیں۔

من رای منکم منکرا فلیغیر بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ

---

(۱) نسائی کتاب الصلوۃ باب تخلیق المسجد (۲) سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز وباب ماجاء فی الصلوۃ علی القبر (۳) عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی

وذالک اضعف الایمان (مسلم)

"تم سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹادے اگر اس میں اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے' اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے"

اور بااثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے اس مذہبی خدمت کو انجام دیا ہے' ایک دفعہ حضرت عائشہ ایک گھر میں مہمان اتریں' میزبان کی دو لڑکیوں کو جو جوان ہو چکی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں' تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے ہوئے نماز نہ پڑھے رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا ہے۔[1]

ایک دفعہ ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ آئے اور معمولی جھٹ پٹ وضو کر کے چلے گئے حضرت عائشہؓ نے ٹوکا کہ عبدالرحمٰن وضو اچھی طرح کیا کرو رسول اللہ ﷺ کو میں نے کہتے سنا ہے کہ وضو میں جو عضو نہ بھیگے' اس پر جہنم کی پھٹکار ہو۔[2]

ایک بار انہوں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں' دیکھنے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو' رسول اللہ ﷺ ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے۔[3]

ایک بار ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں' دیکھنے کے ساتھ ہی غصہ سے دوپٹہ کو چاک کر دیا' پھر فرمایا تم نہیں جانتیں کہ سورہ نور میں خدا نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں' اس کے بعد گاڑھی کا دوسرا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا۔[4]

اخلاقی خدمات

نردبازی کی روک ٹوک :

فتوحات عجم کے بعد عرب میں نردبازی' شطرنج بازی اور مرغ بازی وغیرہ کا رواج ہوا تو صحابیات نے اس پر شدت کے ساتھ دار و گیر کی' چنانچہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں کچھ کرایہ دار رہتے تھے' ان کی نسبت ان کو معلوم ہوا کہ وہ نرد کھیلتے ہیں' تو سخت برافروختہ ہوئیں' اور کہلا بھیجا کہ اگر نرد کی گوٹیوں کو میرے گھر سے باہر نہ پھینک دو گے تو میں اپنے گھر سے نکلوا دوں

(۱) مسند جلد ۶ ص ۹۶ (۲) ایضاً ص ۳۸۵ (۳) مسند جلد ۶ ص ۱۴۰ (۴) موطا امام مالک کتاب اللباس

گی۔[1]

شراب خواری کی روک ٹوک:

فتح عجم کے بعد اہل عرب شراب کے جدید اقسام ونام سے آشنا ہوئے جن میں ایک باذوق تھا (یعنی بادہ) چونکہ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں اور اس کا اطلاق صرف انگوری شراب پر ہوتا ہے' اس بناء پر لوگوں کو شبہ تھا کہ ان شرابوں کا کیا حکم ہے؟ لیکن حضرت عائشہؓ نے اپنی مجلس میں با اعلان کہہ دیا کہ شراب کے برتنوں میں چھوارے تک نہ بھگوئے جائیں' پھر عورتوں کی طرف خطاب کر کے کہا اگر تمہارے منکوں کے پانی سے بھی نشہ آئے تو وہ بھی حرام ہے' رسول اللہ ﷺ نے ہر منشی چیز سے منع فرمایا ہے۔[2]

مصنوعی بال لگانے کی ممانعت:

قدیم زمانہ میں یہودیہ عورتوں میں جو بداخلاقیاں پھیل گئی تھیں' ان میں ایک یہ تھی کہ جن عورتوں کے بال جھڑ جاتے تھے' وہ مصنوعی بال لگا لیتی تھیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسلمان عورتوں کو اسکی ممانعت فرمادی تھی' آپ کے بعد جب مسلمان عورتوں نے بھی یہی روش اختیار کی تو صحابیاتؓ نے اس پر شدت سے روک ٹوک کی' چنانچہ ایک دفعہ کسی عورت نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میری بیٹی دلہن بنی ہے' لیکن بیماری سے اس کے بال جھڑ گئے ہیں' کیا مصنوعی بال جوڑ دوں'؟ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قسم کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (مسند ج:٦ ص:١١١)

علمی خدمات

علم تفسیر:

قرآن مجید ایک ایسی مقدس اور ایک ایسی بزرگ ترین کتاب ہے کہ اگر اس کی ایک آیت کسی کی شان میں نازل ہو جائے تو وہ اس کے شرف کے لئے کافی ہے چنانچہ حضرت زینبؓ کے متعلق قرآن مجید کی جو آیت نازل ہوئی تھی اس پر وہ فخر کیا کرتی تھیں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا ایک ہار گم ہو گیا' رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کرام کو بھیجا وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت ہو گیا اور لوگوں نے

---

(۱) ادب المفرد باب واخراج الذین یلعبونہ بالنرو (۲) سنن نسائی کتاب الخمر

بغیر وضو کئے نماز پڑھے' واپس آئے تو آپ سے اس کی شکایت کی' اس پر آیت تیمم نازل ہوئی' حضرت اسید بن حضیرؓ نے اس کو حضرت عائشہؓ کی بڑی فضیلت سمجھا اور ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

جزاك الله خيرا فوالله ما نزل بك امر قط الاجعل الله لك منه مخرجاً و جعل للمسلمين فيه بركة[1]

" خدا تم کو جزائے خیر دے تم کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا' جس سے خدا نے تمہارے نکلنے کا راستہ نہیں بنایا اور مسلمانوں کے لئے وہ ایک برکت بن گیا"

حضرت عبادہؓ بن صامت کی بی بی حضرت خولہؓ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ (مجادله)[2]

"خدا نے اس عورت کی بات سن لی جو تم سے جھگڑتی تھی"

اور اس نے ان کے رتبے کو اس قدر بلند کیا تھا کہ ایک بار حضرت عمرؓ مسجد سے آرہے تھے' راہ میں ان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے ان کو سلام کیا بولیں "اے عمرؓ! میں نے تمہارا وہ زمانہ دیکھا ہے' جب تم کو لوگ بازار عکاظ میں عمر کہتے تھے' اور اب تو تمہارا لقب امیر المؤمنین ہے' پس رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرو اور یقین کرو کہ جو شخص عذاب الٰہی سے ڈرے گا' اس پر بعید قریب ہو جائے گا' اور جو موت سے ڈرے گا اس کو فوت ہونے کا خوف لگا رہے گا" ایک شخص جو ساتھ میں تھے' بولے بی بی تم نے تو امیر المؤمنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا' جانے دو یہ خولہ بنت حکیمؓ ہیں' اور عبادہ بن صامت کی بی بی ہیں' اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر سے ان کی بات سن لی تھی' پھر عمرؓ کو تو اور سننا چاہئے۔[3]

لیکن جس کتاب کی ایک آیت بھی انسانی شرف وعزت کے لئے کافی ہے' اس کا ایک خاص حصہ صحابیات کے متعلق نازل ہوا ہے' یعنی ایک مستقل سورہ (نساء) خاص طور پر صحابیات کے احکام و معاملات کے متعلق نازل ہوئی ہے سورہ نور کی متعدد آیتیں بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہیں' ان کے علاوہ اور بھی متعدد آیتیں ان کی شان میں نازل ہوئی ہیں' اس بناء پر اگرچہ ان آیتوں اور ان سورتوں کے شان نزول' اور ان کی تفسیر سے اکثر صحابیات کو تعلق ہے' تاہم عام طور پر تفسیر کے جو معنی سمجھے جاتے ہیں اور جس معنی کی رو سے ایک شخص مفسر کہا

---

(۱) مسند جلد' ص (۲) بخاری کتاب النکاح باب استعارة الثياب العروس وغیرھا

(۳) اصابہ تذکرہ خولہ

جاتا ہے‘اس کے لحاظ سے تمام صحابیات میں صرف حضرت عائشہؓ علم تفسیر میں اکابر صحابہ کی ہمسر ہیں اور انہوں نے نہایت دقیق آیتوں کی تفسیریں کی ہیں‘ان سے احادیث کی کتابوں میں جو تفسیری روایات مذکور ہیں‘ان کی دو قسمیں ہیں‘ایک وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق ان کے دل میں کوئی بات کھٹکی ہے‘اور انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے استفسار فرمایا ہے‘اور آپ نے ان کی تفسیر کی ہے‘مثلاً[1] ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ من حوسب عذب قیامت میں جس کا حساب ہوگا‘اس پر عذاب ہوگیا‘حضرت عائشہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ خدا تو فرماتا ہے۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا

”اوراس سے آسان حساب لیا جائے گا“

آپ ﷺ نے فرمایا”یہ اعمال کی پیشی ہے‘لیکن جس کے اعمال میں جرح قدح شروع ہوئی تو وہ برباد ہی ہوا‘ایک دفعہ انہوں نے پوچھا‘یارسول اللہ ﷺ خدا فرماتا ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

”جس دن زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل دیا جائے گا‘اور تمام مخلوق خدائے واحد قہار کے روبرو ہو جائے گی“

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ آیت پڑھی۔

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ

” تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی‘اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے“

لیکن جب زمین و آسمان کچھ نہ ہوگا تو لوگ کہاں ہوں گے‘آپ نے فرمایا صراط پر‘

قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی۔

الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ

”جو لوگ جو کام کرتے ہیں خوفزدہ دل سے کرتے ہیں وہ اپنے خدا کی طرف رجوع کریں گے“

حضرت عائشہؓ کو شک تھا کہ جو چور ہے‘بدکار ہے‘شرابی ہے‘لیکن خدا سے ڈرتا ہے‘کیا وہ بھی اس سے مراد ہے آپ نے فرمایا نہیں‘عائشہ اس سے وہ مراد ہے‘جو نمازی ہے‘روزہ دار ہے زکوٰۃ دیتا ہے‘اور پھر خدا سے ڈرتا ہے‘دوسری وہ آیتیں ہیں جن کے متعلق دوسروں کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوا ہے‘اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے ان کے متعلق سوال کیا ہے

---

(۱) ماخوذ از سیرت عائشہ میں ان تفسیروں کے حوالے بھی مذکور ہیں

جس کا انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ ازالہ کیا ہے۔ مثلاً :-

(۱) اعمال حج میں سے ایک کوہ صفاء ومروہ کے درمیان دوڑنا بھی ہے' قرآن مجید میں اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرۃ)

"صفااور مروہ کی پہاڑیاں شعائر الٰہی میں سے ہیں' پس جو خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے کچھ مضائقہ نہیں اگر وہ ان کا بھی طواف کرے۔"

عروہ نے کہا خالہ جان! اس کے تو یہ معنی ہوئے ہیں کہ اگر کوئی طواف نہ کرے' تو بھی کچھ حرج نہیں' فرمایا بھانجے تم نے ٹھیک کہا' اگر آیت کا مطلب وہ ہوتا جو تم سمجھ رہے ہو تو خدا یوں فرماتا۔ لاجناح ان لاَّ یطوف بھما

اگر ان کا طواف نہ کرو تو کچھ حرج نہیں اصل میں یہ آیت انصار کی شان میں نازل ہوئی ہے' اوس وخزرج اسلام سے پہلے منات کی جسے پکارا کرتے تھے' منات مثلل میں نصب تھا' اس لئے صفا اور مروہ کے طواف کو وہ برا جانتے تھے' اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم لوگ پہلے ایسا کیا کرتے تھے' اب کیا حکم ہے' اس پر خدا نے ارشاد فرمایا کہ صفا اور مروہ کا طواف کرو' اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔

ابو بکر بن عبد الرحمٰنؒ ایک محدث تھے' ان کو حضرت عائشہؓ کی یہ تقریر معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا' علم اس کو کہتے ہیں۔

(۲) قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَايْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا

"یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور ان کو خیال ہوا کہ وہ جھوٹ بولے گئے تو ہماری مدد آگئی"

عروہ نے پوچھا (کذبوا جھوٹ بولے گئے) یعنی اس سے جھوٹ وعدہ کیا گیا یا کذبوا وہ جھٹلائے گئے' فرمایا کذبوا جھٹلائے گئے عروہ نے کہا کہ اس کا تو ان کو یقین ہی تھا کہ وہ جھٹلائے گئے اور ان کی قوم نے ان کی نبوت کی تکذیب کی' یہ ظن اور خیال تو نہ تھا' اس لئے کذبوا ان سے جھوٹ وعدہ کیا گیا' صحیح ہے' بولیں معاذ اللہ' پیغمبران الٰہی خدا کی نسبت یہ گمان نہیں کر سکتے کہ اس نے ان سے امداد و نصرت کا جھوٹ وعدہ کیا عروہ نے پوچھا کہ پھر آیت کا مطلب کیا ہے فرمایا کہ یہ پیغمبروں کے پیروں کے متعلق ہے کہ جب انہوں نے ایمان قبول

کیا، اور نبوت کی تصدیق کی اور ان کی قوم نے ان کو ستایا، اور مدد الٰہی میں ان کو تاخیر نظر آئی، یہاں تک کہ پیغمبر اپنی قوم کے منکرین ایمان سے ناامید ہو گئے، تو ان کو خیال ہوا کہ شاید اس تاخیر کے سبب سے مومنین بھی ہماری تکذیب کر دیں کہ دفعتاً خدا کی مدد آگئی۔

(۳) جس آیت پاک میں چار بیویوں کی اجازت دی گئی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتَامٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (نساء)

"اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو۔

بظاہر آیت کے پہلے اور پچھلے ٹکڑوں میں ربط نہیں معلوم ہوتا، یتیموں کے حقوق میں عدم انصاف اور چار نکاح کی اجازت میں باہم کیا تعلق ہے، چنانچہ ایک شاگرد نے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس اشکال کو پیش کیا تو فرمایا کہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ بعض لوگ یتیم لڑکیوں کے ولی ہو جاتے تھے، ان سے موروثی رشتہ داری ہوتی تھی اور وہ اپنی ولایت کے زور سے چاہتے ہیں، کہ ان سے نکاح کر کے ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیں، اور چونکہ ان کی طرف سے کوئی بولنے والا نہیں ہوتا اس لئے مجبور پا کر اس کو ہر طرح دباتے ہیں، خدائے پاک انہی لوگوں کو خطاب کرتا ہے، کہ اگر تم ان یتیم لڑکیوں کے معاملے میں انصاف سے پیش نہ آسکو تو ان کے علاوہ اور عورتوں سے دو تین چار نکاح کر لو، مگر ان کو نکاح کر کے اپنے قابو میں نہ لے آؤ۔

(۴) اسی سورہ میں ایک اور آیت ہے:۔

یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتَابِ فِیْ یَتَامَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ (نساء)

" ان لڑکیوں کی نسبت لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں، کہہ دے کہ خدا ان کے حق میں فیصلہ کرتا ہے، اس کتاب میں (قرآن) جو کچھ تم لوگوں کو پڑھ کر سنایا گیا ہے، ان یتیم لڑکیوں کی نسبت جن کو نہ تو تم ان کے مقررہ حقوق دیتے ہو، اور نہ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو"

کسی سائل نے اس کے بعد اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ اس آیت میں یہ جو ارشاد ہوا ہے کہ قرآن مجید میں پہلے جو کچھ ان کے بارے میں پڑھ کر سنایا گیا ہے، اس سے وہی پہلی آیت مراد ہے، یہ حکم ان اولیا سے متعلق ہے جو یتیم لڑکیوں کو نہ خود اپنے نکاح میں لاتے ہیں کہ وہ حسن سے محروم ہیں، اور نہ دوسروں سے ان کا نکاح کر دینا پسند کرتے ہیں کہ جائیداد مشترکہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا خوف ہے۔

(۵) اس آیت کے مطلب میں لوگوں کو اختلاف ہے۔

مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ"

"جو تونگر ہو اس کو اس سے بچنا چاہئیے اور جو تنگ دست ہو' وہ قاعدہ کے مطابق اس سے لے لے"

یہ آیت اولیائے یتامیٰ کی شان میں ہے کہ وہ اگر محتاج ہوں تو یتیموں کے مال میں سے لے کر کھا سکتے ہیں، لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت سے منسوخ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا

" جو لوگ ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں"

لیکن اس آیت میں تو یہ سزا ان لوگوں کے لئے بیان کی گئی ہے' جو ظلم کر کے یتیموں کا مال کھاتے ہیں' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس آیت میں کھانے کی اجازت ہے' وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو یتیموں کی جائیداد کی دیکھ بھال کرتے ہیں' ان کا کاروبار سنبھالتے ہیں اگر ولی صاحب استطاعت ہے تو اس کو اس خدمت کا معاوضہ لینا چاہئیے اور اگر وہ مفلس اور تنگ دست ہے تو قاعدے کے مطابق حسب حیثیت لے سکتا ہے' اس تفسیر کی بنا پر دونوں آیتوں میں کوئی تخالف نہیں ہے۔

(۶) عورت کو اگر اپنے شوہر سے شکایت ہو تو اس موقع کی آیت ہے :-

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء)

"اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے نارضامندی اور اعراض کا خوف ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ دونوں آپس میں صلح کر لیں اور صلح تو ہر حال میں بہتر ہے"

لیکن دفع ناراضی کے لئے صلح کرنا تو ایک عام ہے' اس کے لئے خدائے پاک کو اس خاص حکم کے نازل کرنے کی کیا حاجت تھی؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ آیت اس عورت کی شان میں ہے جس کا شوہر اس کے پاس زیادہ آتا جاتا نہیں' یا بیوی سن سے اتر گئی ہے' اور شوہر کی خدمت گزاری کے قابل نہیں رہی ہے' زن و شوئی کے باہمی فرائض انجام دینا ایک فرض دینی ہے لیکن اس خاص حالت میں اگر بیوی طلاق لینا پسند نہ کرے اور اپنے عام حقوق سے شوہر کو سبکدوش کر دے تو یہ باہمی مصالحت بری نہیں بلکہ قطعی علیحدگی سے بہتر ہے۔

ان آیات کے علاوہ حضرت عائشہؓ سے اور آیتوں کی تفسیریں بھی مروی ہیں' لیکن ہم نے جن آیتوں کی تفسیریں درج کی ہیں' ان سے دقت نظری کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے

کہ جو آیتیں عورتوں کے نکاح و طلاق کے معاملات سے تعلق رکھتی ہیں' ان کا مطلب انہوں نے کس قدر صحیح سمجھا ہے' اور کس طرح ان کو یاد رکھا ہے' اور سچ تو یہ ہے کہ اگر عورتیں اپنے حقوق کا تحفظ کرنا چاہتی ہیں' تو ان کو قرآن و حدیث کی صحیح تعلیم کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کرنی چاہئیے۔

علم اسرار الدین :

علم اسرار الدین اس علم کو کہتے ہیں جن میں احکام شریعت کے علل و اسباب اور ان کے حکم و مصالح بیان کئے جاتے ہیں' اور یہ علم اس قدر دقیقہ سنجی پر مبنی ہے کہ صرف چند فقہائے صحابہؓ یعنی حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت زیدؓ' اور حضرت عبداللہؓ بن عباس وغیرہ نے اس کے اصول و قواعد ممہد کئے ہیں' باقی اس فن میں اور صحابہ کی مساعی جمیلہ کا حصہ بہت کم شامل ہے' بالخصوص اس میں صحابیات کے کارنامے تو بالکل نظر نہیں آتے لیکن تنہا حضرت عائشہؓ نے شریعت کے جن رموز و اسرار کی گرہ کشائی کردی ہے' وہ صحابیات کی اس کمی کو پورا کر دیتی ہے' بلکہ اس فن میں خود صحابہ سے بھی ان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے اور صحابہ سے اس علم کے متفرق مسائل احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں' لیکن حضرت عائشہؓ کے مسائل کی تعداد سے کئی گنا زیادہ ہے' اور انہوں نے مذکورہ بالا صحابیات سے بہت زیادہ شریعت کے اسرار و مصالح کے پردہ کشائی کی ہے۔ اور بکثرت مسائل کا علل و اسباب بیان کئے ہیں' مثلاً عہد نبوت میں عورتوں کی اخلاقی حالت چونکہ قابل اعتماد تھی' اس لئے ان کو حضور ﷺ نے صلوۃ اور شرکت جماعت کی اجازت دی تھی' لیکن جب اخیر زمانہ میں عورتوں کے نظام اخلاق میں انحطاط پیدا ہو گیا تو حضرت عائشہؓ نے صاف صاف کہہ دیا :-

لوادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المساجد كما منعه نساء بني اسرائيل "[1]

" عورتوں نے اپنی حالت میں جو تغیرات پیدا کر لئے ہیں' اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں "

قرآن مجید کی مکی اور مدنی سورتوں میں متعدد فروق و امتیازات ہیں' مثلاً جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں' ان میں زیادہ تر عقائد اور وقائع اخروی کا ذکر ہے' اور مدنی سورتوں میں بتدریج اور امر و نواہی کا مطالبہ کیا گیا ہے' کیونکہ اسلام ایک جاہل قوم میں آیا ہے

---

(۱) ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد والتشدید فی ذالک۔

اس لئے اس کو پہلے خطیبانہ اور واعظانہ طریقہ سے جنت اور دوزخ کا حال سنایا گیا' جب اس سے لوگ متاثر ہو چکے تو اسلام کے احکام و قوانین اور امر و نواہی نازل ہوئے' اگر زنا و شراب خواری وغیرہ سے اجتناب کا پہلے ہی دن مطالبہ کیا جاتا' تو دفعۃً کون اس نامانوس آواز کو سنتا؟ اس قسم کے امتیازات و فروق کے دریافت کرنے پر یورپ کے علمائے مستشرقین کو بڑا ناز ہے' لیکن حضرت عائشہؓ نے پہلے ہی دن اس راز کو فاش کر دیا تھا' صحیح بخاری میں ان سے مروی ہے:-

' انما نزل اول ما انزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار حتى اذا ثاب الناس الى الاسلام ثم نزل الحرام والحلال لو نزل اول شئ لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابداً ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابداًلقد نزل بمكة وانا جاريه العب بل الساعة موعد هم والساعة ادهىٰ وامرو ما نزلت سورة البقرة والنساء لا واناعنده (باب تاليف القرآن)

" قرآن کی سب سے پہلی سورہ جو نازل ہوئی وہ مفصل کی سورہ ہے' جس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے' یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو پھر حلال و حرام اترا' اگر پہلے یہ اترتا کہ شراب مت پیو گے تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے' اور اگر یہ اترتا کہ زنا نہ کرو تو کہتے کہ ہم ہرگز نہیں زنا چھوڑیں گے مکہ میں جب میں کھیلتی تھی تو یہ اترا کہ ان کے وعدہ کا دن قیامت ہے' اور قیامت نہایت سخت اور نہایت تلخ چیز ہے' سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب اتریں تو میں آپ کی خدمت میں تھی۔"

اسلام کے ظہور سے پہلے مدینہ میں قبائل باہم خانہ جنگیوں میں مصروف تھے جن میں ان کے اکثر ارباب ادعا جو اپنے اقتدار کے تحفظ کے ہر نئی تحریک کی کامیابی میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں' قتل ہو گئے انصار ان لڑائیوں سے اس قدر چور ہو گئے تھے کہ اسلام آیا تو ان سب نے اس کو اپنے لئے رحمت سمجھا' چونکہ ارباب ادعاء کا طبقہ مفقود ہو چکا تھا' اس لئے ان کی راہ میں کسی نے موانع پیدا نہیں کئے' اس طریقہ سے خدائے پاک نے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ میں اسلام کی ترقی کے راستے صاف کر دیئے تھے' یورپ کے فلسفہ تاریخ نے آج اس نکتہ کو حل کیا ہے' لیکن حضرت عائشہؓ نے ان سے پہلے ہم کو بتا دیا تھا۔

كان يوم بعاث يوماً قدمه الله لرسوله ﷺ فقدمه رسول الله ﷺ وقد افترق ملوهم وقتلت سرواتهم وجوحوا فقدمه الله لرسوله فى دخولهم الاسلام

(بخارى باب القسامه فى الجاهلية)

" جنگ بعاث وہ واقعہ تھا جس کو خدا نے اپنے رسول کے لئے پہلے ہی سے پیدا کر دیا

تھا، رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو انصار کی جمعیت منتشر ہوگئی تھی، اور ان کے سردار مارے جاچکے تھے، اس لئے خدا نے اپنے رسول کے لئے ان کے حلقہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہ واقعہ پہلے ہی مہیا کردیا تھا۔

جن نمازوں میں چار رکعتیں ہوتی ہیں قصر کی حالت میں ان کی صرف دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چار میں سے دو سہولت کی خاطر ساقط کردی گئی ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بتاتی ہیں :

فرضت الصلوة رکعتین ثم ھا جرالنبی ﷺ ففرضت اربعاً و ترکت صلوٰۃ السفر علی ا لاول (بخاری باب ھجرت)

" مکہ میں دو رکعتیں نمازیں فرض تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو چار فرض کی گئیں، اور سفر کی نماز اپنی قدیم حالت پر چھوڑ دی گئی"

عبادت کا تو خدا نے ہر وقت حکم دیا ہے، لیکن احادیث میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ نماز عصر اور نماز فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سنت بھی جائز نہیں، اس لئے بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی لیکن حضرت عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں :

وھم عمرانما نھی رسول اللہ ﷺ عن الصلوة ان یتحری طلوع الشمس و غروبھا (مسند احمد جلد ٦ ص ١٤٤)

" عمر کو وہم ہوا، آپؐ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کے وقت کو تاک کر نماز نہ پڑھے"

یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو آفتاب پرستوں کے ساتھ وقت عبادت میں تشابہ نہ ہو، احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے، اس بناء پر لوگ بغیر کسی عذر کے بھی بیٹھ کر نفل پڑھنا مستحب سمجھتے ہیں، ایک شخص نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے؟ جواب دیا :

حین خطمه الناس (ابو داؤد باب صلوٰۃ القاعد)

" یہ اس وقت تھا جب لوگوں نے آپ ﷺ کو توڑ دیا، یعنی آپ کمزور ہوگئے"

ابو داؤد اور مسلم میں ان سے اس قسم کے اور روایتیں بھی مروی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب نمازوں میں دو رکعتوں کے بجائے چار رکعتیں ہوگئیں، تو مغرب میں یہ اضافہ کیوں نہیں کیا گیا؟ حضرت عائشہؓ اس کا جواب یہ دیتی ہیں :

فانها وتر النهار (مسند جلد ٦ ص ٢٤١)

"مغرب میں اضافہ نہ ہوا کیونکہ وہ دن کی وتر ہے"

یعنی جس طرح رات کی نمازوں میں تین رکعتیں وتر کی ہیں، اسی طرح دن کی نمازوں میں وتر کی یہ تین رکعتیں ہیں۔

نماز فجر میں تو اطمینان زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس میں رکعتیں اور زیادہ ہونی چاہئیں لیکن اور نمازوں سے کم ہیں حضرت عائشہؓ اس کی وجہ یہ بیان فرماتی ہیں:

وصلوة الفجر بطول قرأتها (مسند جلد ٦ ص ٢٤١)

"نماز فجر میں رکعات کا اضافہ اس لئے نہیں ہوا کہ دونوں رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھی جاتی ہیں"

یعنی رکعتوں کی کمی کو طول قرأت نے پورا کر دیا۔

اہل جاہلیت عاشورا کا روزہ رکھتے تھے، اور وہ فرضیت صوم سے پہلے اسلام میں بھی واجب رہا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسی قسم کی روایت احادیث میں مذکور ہے، لیکن وہ نہیں بیان کرتے کہ جاہلیت میں اس دن کیوں روزہ رکھا جاتا تھا، لیکن حضرت عائشہؓ اس کا سبب یہ بیان فرماتی ہیں:

كانوا يصومون يوم عاشورا قبل ان يفرض رمضان وكان يوم تستر فيه الكعبة (مسند احمد جلد ٦ ص ٢٤٤)

"اہل عرب رمضان کی فرضیت سے پہلے عاشورا کے دن کا روزہ رکھتے تھے، کیونکہ اس روز کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا"

باوجودیکہ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے تھے، لیکن رمضان کے پورے مہینے میں آپ نے تراویح نہیں پڑھی، حضرت عائشہؓ اس کی یہ وجہ بیان فرماتی ہیں کہ پہلے دن جب آپ نے مسجد میں نماز تراویح ادا فرمائی تو کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے، دوسرے دن اور زیادہ مجمع ہوا، تیسرے دن اور بھی جمع ہوئے، چوتھے دن اتنا مجمع ہوا کہ مسجد میں جگہ نہ رہی، لیکن آپ باہر تشریف نہ لائے اور لوگ مایوس ہو کر چلے گئے صبح کو آپ نے لوگوں سے فرمایا:

اما بعد فانه لم يخف علي شانكم الليلة ولكني خشيت ان تفرض عليكم صلاة الليل فتعجزوا.

"رات تمہاری حالت مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے قاصر رہو"

حج کے بعض ارکان مثلاً طواف کرنا بعض مقامات میں دوڑنا کہیں کھڑا ہونا کہیں کنکری پھینکنا بظاہر فعل عبث معلوم ہوتے ہیں لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

انما جعل الطواف بالبیت و بالصفا و المروة ورمی الجمار لاقامة ذکر اللہ عز وجل (مسند احمد بن حنبل جلد ٦ ص ٦٤)

"خانہ کعبہ' صفا مروہ کا طواف کنکریاں پھینکنا تو صرف خدا کے یاد کرنے کے لئے ہے"

قرآن مجید کے اشارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ بھی ایک طرز عبادت تھا چونکہ حج یادگار ابراہیمی ہے اس لئے وہی طرز عبادت قائم رکھا گیا۔

مکہ معظمہ کے پاس محصب نام ایک وادی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ایام حج میں قیام فرمایا تھا' اور آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی اس میں قیام فرماتے رہے اس بناء پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کو سنن حج میں شمار کرتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ اس کو سنت نہیں سمجھتی تھیں' اور آپ کے قیام کی یہ وجہ بیان فرماتی تھیں:

انما نزله رسول الله ﷺ لانه کان منزلا اسمح لخروجه

"آپ نے یہاں صرف اس لئے قیام کیا تھا کہ یہاں سے چلنے میں آسانی ہوتی تھی"

حضرت ابن عباسؓ اور ابو رافعؓ بھی اس مسئلہ میں حضرت عائشہؓ کے ہمزبان ہیں[1]

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا تھا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے بہت سے صحابہ کرام اس حکم کو دائمی سمجھتے تھے لیکن متعدد صحابہ کے نزدیک یہ حکم وقتی تھا' حضرت عائشہؓ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں' اور اس وقتی حکم کا سبب یہ بتاتی ہیں:

لا ولکن لم یکن یضحیٰ منهم الا قلیل ففعل ذالك لیطعم من ضحیٰ من لم یضح (مسند جلد ٦ ص ١٠٢)

"یہ نہیں ہے کہ قربانی کا گوشت تین دن کے بعد حرام ہو جاتا ہے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کم لوگ قربانی کر سکتے تھے اس لئے آپ نے یہ حکم دیا کہ جو لوگ قربانی کریں وہ ان لوگوں کو کھلائیں جنہوں نے قربانی نہیں کی ہے"

حضرت عائشہؓ کی یہی حدیث امام مسلم نے ایک خبر کی صورت میں بیان کی ہے یعنی یہ

---

(١) مسلم استحباب النزول بالمحصب و مسند جلد ٦ ص ١٦٠

کہ ایک سال مدینہ کے آس پاس دیہاتوں میں قحط پڑا' اس سال آپ نے یہ حکم دیا' اور دوسرے سال جب قحط نہیں رہا' اس کو منسوخ فرمادیا' حضرت سلمہؓ بن اکوع سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔[1]

کعبہ کے ایک طرف کی دیوار کے بعد کچھ جگہ چھوٹی ہوئی تھی جس کو حطیم کہتے ہیں اور طواف میں اس کو بھی اندر داخل کر لیتے ہیں' لیکن ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جو حصہ کعبہ کے اندر داخل نہیں اس کو طواف میں کیوں شامل کرتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ یہ دیواریں بھی خانہ کعبہ میں داخل ہیں؟ ارشاد ہوا "ہاں" عرض کی کہ پھر بناتے وقت لوگوں نے ان کو اندر کیوں نہیں کر لیا؟ فرمایا تیری قوم کے پاس سرمایا نہ تھا' اس لئے اتنا کم کر دیا' پھر عرض کی کہ اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں رکھا؟ فرمایا' یہ اس لئے تاکہ وہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں"

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ اگر عائشہؓ کی یہ روایت صحیح ہے' تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی لئے ادھر کے دونوں رکنوں کا بوسہ نہیں دیا' لیکن سوال یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ خانہ کعبہ اپنے اصلی اساس پر قائم نہیں ہے تو شریعت ابراہیمی کے مجدد کی حیثیت سے آپ کا فرض تھا کہ اس کو ڈھا کر نئے سرے سے تعمیر کرتے' لیکن آپ نے حضرت عائشہؓ سے خود اس کی وجہ یہ بیان فرمادی کہ "عائشہؓ تیری قوم اگر کفر کے زمانہ سے قریب نہ ہوتی تو میں کعبہ کو ڈھا کر اساس ابراہیم[2] پر تعمیر کراتا"

آج کل ہجرت کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ جا کر آباد ہو جانا خواہ وہ پہلے جہاں آباد تھے' کیسے ہی امن و امان کا ملک ہو' لیکن حضرت عائشہؓ نے ہجرت کی حقیقت یہ بتائی ہے۔

لا هجرة اليوم كان المومنون يفر احد هم بدينه الىٰ الله والىٰ رسوله مخافة ان يفتن عليه فاما اليوم فقد اظهر الله الاسلام واليوم يعبد ربه حيث شاء ولكن جهاد ونية (بخاری باب الهجرة)

" اب ہجرت نہیں ہے' ہجرت اس وقت تھی جب مسلمان اپنے مذہب کو لے کر خدا اور اس کے رسول کے پاس ڈر سے دوڑا آتا تھا کہ اس کو تبدیل مذہب کی بنا پر ستایا نہ جائے

---

(۱) مسلم کتاب الذبائح (۲) مسلم باب نقض الکعبہ

لیکن اب خدا نے اسلام کو غالب کر دیا اب مسلمان جہاں چاہے اپنے خدا کو پوج سکتا ہے ہاں جہاد اور نیت کا ثواب باقی ہے"

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ پیغمبر جہاں مرے ہیں وہیں دفن ہوتے ہیں لیکن اس کا اصل سبب حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں۔

قال رسول الله ﷺ في مرضه الذى لم يقم منه لعن الله اليهود والنصارىٰ اتخذ وا قبور انبيائهم مساجد لولا ذالك ابرز قبره غير انه خشي ان يتخذ مسجدًا (بخارى آخر كتاب الجنائز و مسند احمد جلد ٦ ص ١٢١)

" آپ نے مرض الموت میں فرمایا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضرت عائشہ فرماتی ہیں) کہ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلے میدان میں ہوتی لیکن چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ بھی سجدہ گاہ نہ بن جائے اس لئے آپ حجرے ہی کے اندر مدفون ہوئے۔"

علم حدیث :

محدثین نے روایت حدیث کے لحاظ سے صحابہ کے پانچ طبقے قرار دیئے ہیں اور تقریباً ہر طبقے میں صحابہ کے ساتھ صحابیات بھی شامل ہیں۔

(۱) اول طبقہ یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں ہزار یا ہزار سے زیادہ ہیں حضرت عائشہؓ کا شمار اسی طبقے سے ہے۔

(۲) دوسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں پانچ سو یا پانچ سو سے زیادہ ہیں اس میں کوئی صحابیہ شامل نہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں سو یا سو سے زیادہ ہیں مگر پانچ سو سے کم ہیں حضرت ام سلمہؓ اسی میں محسوب ہیں۔

(۴) چوتھا طبقہ، یعنی وہ صحابہؓ جن کی تعداد روایت چالیس سے سو تک ہے اس طبقہ میں بکثرت صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً ام المؤمنین ام حبیبہؓ ام المؤمنین میمونہؓ ام عطیہ انصاریہؓ ام المؤمنین حفصہؓ اسماء بنت ابی بکرؓ ام ہانیؓ

(۵) پانچواں طبقہ، یعنی وہ صحابہ جن کی روایتیں چالیس یا چالیس سے کم ہیں اس طبقہ میں بکثرت صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً حضرت ام قیسؓ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ حضرت ربیع بنت مسعودؓ حضرت سبرۃؓ بنت صفوان، حضرت کلثومؓ بنت حسین غفاریؓ حضرت جداء بنت وہب وغیرہ۔

فنِ روایت :

روایت کے علاوہ حدیث کے متعلق درایت کی ابتداء صحابیات سے ہی ہوئی یعنی حضرت عائشہؓ نے بعض روایتوں پر درایۃً تنقید کی' اور اس سے درایت کے خاص خاص اصول قائم ہوئے' مثلاً ان کے سامنے جب روایت کی گئی [1] کہ مردے پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے' تو انہوں نے درایۃً اس روایت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ قرآن مجید میں ہے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی

"ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھا سکتا"

رونا اہل و عیال کا گناہ ہے' اس کا عذاب مردے پر کیوں ہوگا؟ اس سے یہ اصول قائم ہوا کہ جو روایت نصوص قرآنیہ کے خلاف ہو' وہ قبول نہیں کی جا سکتی' چنانچہ اس اصول کی رو سے انہوں نے متعدد روایتوں کی تنقید کی ہے' مثلاً صحابہ کرام کے دور میں یہ خیال پھیل گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں خدا کو دیکھا تھا' لیکن حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کا ذکر آیا تو بولیں جو شخص یہ روایت کرے' وہ دروغ گو ہے' اس کے بعد یہ آیت پڑھی :

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ

" خدا کو کوئی نگاہ نہیں پا سکتی' اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے' وہ لطیف اور خبیر ہے"

ان کے سامنے جب یہ روایت کی گئی کہ نحوست عورت' گھوڑے اور گھر میں ہے' تو انہوں نے اس سے انکار کیا' اور یہ آیت پڑھی :

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا

"زمیں میں یا تمہارے اندر تمہیں جو مصیبتیں پہنچتی ہیں' وہ پہلے سے لکھی ہوتی ہیں"

غزوہ بدر میں جو مارے گئے تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان کے مدفن پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا : هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا

" خدا نے جو تم سے وعدہ کیا تم نے اس کو پا لیا"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ مردوں کو پکارتے ہیں' آپؐ نے جواب میں فرمایا :

---

(۱) یہ روایتیں بہ ترتیب عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابہ صفحہ ۸' ۱۷' ۱۸' ۲۱ میں موجود ہیں اخیر روایت کے علاوہ اور روایتیں بخاری میں بھی ہیں

ما انت باسمع منھم ولکن لا یجیبون

" تم ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے"

حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ روایت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے یہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا: **انھم لیعلمون الآن ما کنت اقول لھم حق**

" وہ اس وقت یقینی طور پر جانتے ہیں کہ میں ان سے جو کچھ کہتا تھا وہ سچ تھا"

اس کے بعد انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی :

اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی،وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ

" اے پیغمبر تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا اور نہ اُن کو جو قبر میں ہیں"

مطلب یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے کفار آپ کی آواز سن ہی نہیں سکتے تھے (۱)

عام طور پر لوگ متعہ کی حرمت میں احادیث پیش کرتے ہیں، لیکن حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے جواز متعہ کی روایت کی نسبت ان سے پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب حدیث سے نہیں دیا بلکہ فرمایا میرے تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے، پھر یہ آیت پڑھی :

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ .

" جو لوگ کہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، بجز اپنی بیوں یا لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں"

اس لئے ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت جائز نہیں (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ حرامی لڑکا تینوں میں (ماں، باپ، بچہ) بدتر ہے۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو فرمایا یہ صحیح نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک منافق تھا جو رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا کرتا تھا، لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اس کے علاوہ وہ ولد الزنا بھی ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے" یعنی اپنے ماں باپ سے زیادہ برا ہے، یہ ایک خاص واقعہ تھا، عام نہ تھا خدا فرماتا ہے :

وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی

" کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا"

یعنی قصور تو ماں کا ہے، بچہ کا کیا گناہ ہے (۳) جس کی بنا پر وہ ان سے برا قرار دیا جائے۔

---

(۱) بخاری غزوہ بدر (۲) اصابہ سیوطی بحوالہ حاکم (۳) ایضاً

علم فقہ :

عہد نبوت میں علم فقہ کوئی مدون و مرتب نہ تھا کہ صحابہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے سوال واستفسار کے ذریعہ بے شبہہ رسول اللہ ﷺ سے بہت سے مسائل دریافت کئے جاسکتے تھے لیکن صحابہ کرام کچھ تو فرط ادب سے اور کچھ اس لئے کہ قرآن نے سوال کی ممانعت کردی تھی آپ سے بہت کم مسائل دریافت کرتے تھے مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول اللہؐ سے صرف تیرہ مسائل دریافت کئے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں [(۱)] اس بناء پر آپ سے فقہی تعلیم حاصل کرنے کا صرف یہ طریقہ تھا کہ صحابہ کرام آپ کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور قرائن وامارات سے ان اعمال کے شروط وارکان کو مباح، واجب اور منسوخ وغیرہ قرار دیتے تھے [(۲)] لیکن صحابیات کو اس طریقہ سے فائدہ اٹھانے کا بہت کم موقع ملتا تھا اس کے ساتھ جو فقہی مسائل عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں وہ عام طور پر بیان بھی نہیں کئے جاسکتے تھے اس لئے صحابیات کو زیادہ تر آپ سے سوال واستفسار کی ضرورت پیش آتی تھی چنانچہ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعهن الحیاء ان یتفقهن فی الدین [(۳)]

" انصاریہ عورتیں کس قدر اچھی تھیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیاباز نہیں رکھتی تھی"

غرض اس طریقہ سے تعلیم سے صحابیات کو مختلف فوائد پہنچے اور اس طرح ان کے تین طبقے قرار پائے۔

(۱) مکثرین یعنی وہ لوگ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں (۲) مقلین یعنی وہ لوگ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں (۳) متوسطین یعنی وہ لوگ جو ان دونوں طبقوں کے درمیان میں ہیں اور ان تینوں طبقوں میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ جو صحابیات شامل ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں، مکثرین میں جن کے متعلق علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو ہر ایک کے فتاویٰ سے ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں حضرت عائشہؓ داخل ہیں۔

متوسطین جن کے فتاوے رسالوں کی صورت میں جمع ہو سکتے ہیں حضرت ام سلمہ شامل ہیں۔ مقلین جن سے صرف چند مسائل منقول ہیں ان میں بکثرت صحابیات شامل ہیں

---

(۱) مسند دارمی ص ۲۹ (۲) حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص ۱۱۲

(۳) مسلم کتاب الطهارت باب استحباب استعمال المغتسلة من الحیض فرصته من مسك فی موضع الدم

مثلاً حضرت ام عطیہؓ حضرت صفیہؓ حضرت حفصہؓ حضرت ام حبیبہؓ یعلی بنت قالف حضرت اسماءؓ حضرت ام شریکؓ حضرت خولاؓ حضرت عاتکہؓ بنت زید حضرت سہلہؓ حضرت جویریہؓ حضرت میمونہؓ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہن وغیرہ۔

خاتمہ

مناقب صحابیاتؓ

یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے افضل کون ہے؟ عام اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین تمام صحابہ میں افضل ہیں اور خود خلفاء میں فضیلت کے مدارج ترتیب خلافت کی رو سے قائم ہوئے ہیں لیکن علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک ازواج مطہرات تمام صحابہ سے افضل ہیں اور اس مسئلہ کو انہوں نے اپنی کتاب ملل والنحل میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اسی سلسلہ میں ان آیات و حدیث کے جوابات بھی دیئے ہیں جن سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا درجہ عموماً مردوں سے کم ہے لیکن اس وقت ہم ان مباحث میں پڑنا نہیں چاہتے بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے جو وجوہ فضیلت قائم ہو سکتی ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر صحابیات کے مناقب میں صحیح حدیثیں نقل کر دیتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوگا کہ جن وجوہ کی بنا پر صحابہ کرامؓ کے فضائل کی بنیاد قائم ہوئی ہے ان میں ان کے ساتھ صحابیاتؓ بھی شامل ہیں۔

اسلام میں سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الاسلام ہے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل میں یہ فضیلت سب سے نمایاں ہے لیکن اس فضیلت میں ان کے ساتھ دو عورتیں بھی شامل ہیں یعنی حضرت خدیجہؓ اور حضرت سمیہؓ یا ام ایمنؓ چنانچہ صحیح بخاری مناقب ابوبکرؓ میں حضرت عمارؓ سے مروی ہے:

رأیت رسول اللہ ﷺ ومامعه الاخمسة اعبدوامراتان وابوبکر

" میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ کے ساتھ صرف پانچ غلام دو عورتیں اور حضرت ابوبکرؓ تھے۔"

تقدم فی الاسلام کے بعد سب سے بڑی فضیلت تقدم فی الہجرت ہے اور اس فضیلت میں تمام مہاجرات اولات صحابہ کی شریک ہیں چنانچہ علامہ ابن حزم ظاہری ملل اور نحل میں لکھتے ہیں:

فلسنانشك ان المهاجرات الاولات من نساء الصحابة رضى الله عنهم يشاركن الصحابة فى الفضل ففاضلة و مفضولة و فاضل و مفضول ففيهن من يفضل كثيراً من الرجال وفى الرجال من يفضل كثيراً منهن وما ذكر الله تعالىٰ منزلة من الفضل الاتيرون النساء مع الرجال فيها كقوله تعالىٰ ان المسلمين والمسلمات [1]

"ہم کو اس میں شک نہیں ہے کہ صحابہ کی بیبیوں میں مہاجرات اولات فضیلت میں صحابہ کی شریک ہیں، ان میں کسی عورت پر اور کسی مرد کو کسی مرد پر فضیلت حاصل ہے، عورتوں میں بعض عورتیں بہت سے مردوں پر فضیلت رکھتی ہیں اور اسی طرح مردوں میں بعض مرد بہت سی عورتوں پر فضیلت رکھتے ہیں، خدا نے فضیلت کا کوئی درجہ ایسا نہیں بیان کیا جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو شامل نہ کیا ہو، مثلاً خدا کا یہ قول کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔"

اسلام میں سب سے پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرت ہے، اور اس ہجرت میں ایک صحابیہ کو ایک ایسا شرف حاصل ہوا، جس پر تمام مہاجرین حبشہ کو ناز تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ جب ہم کو مدینہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا سال معلوم ہوا تو ہم نے بھی اپنی قوم کے ۵۳ یا ۵۲ آدمی کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کشتی پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، سوء اتفاق سے کشتی حبش میں جا پڑی اور ان لوگوں کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے رفقاء سے ہو گئی چنانچہ حضرت جعفرؓ نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے یہاں بھیجا ہے، اور یہیں اقامت کا حکم دیا ہے، تم لوگ بھی ہمارے ساتھ اقامت کرو ان لوگوں نے وہاں اقامت اختیار کی، یہاں تک کہ جب خیبر فتح ہوا، تو سب کے سب ایک ساتھ آئے اور خیبر ہی میں رسول اللہ ﷺ سے ملے، اس موقع پر ان لوگوں کو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ جو لوگ غزوہ خیبر میں شریک نہ تھے، ان میں ان کے سواء رسول اللہ ﷺ نے کسی کو مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا، ان لوگوں سے بعض صحابہؓ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے حضرت اسماء بنت عمیس بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہی حبشہ سے آئیں تھیں، وہ ایک روز حضرت حفصہؓ کی ملاقات کو گئیں، تو حضرت عمرؓ بھی آ گئے اور ان کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت حفصہؓ نے جواب دیا کہ اسماء بنت عمیسؓ، ان کا نام سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا، حبشیہ ہے یہ بحریہ (یعنی سمندر کی رہنے والی) ہے، حضرت اسماء

---

(۱) ملل و نحل جلد ٤ ص ١٢٦

بنت عمیسؓ نے کہا کہ ہاں ہم ہیں، اب حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہم نے تم سے پہلے ہجرت کی ہے، ہم تم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے مستحق ہیں، یہ سن کر حضرت اسماء برہم ہوئیں اور کہا کہ عمر تم غلط کہتے ہو، خدا کی قسم تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے اور ہم تمہارے بھوکے کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہل کو نصیحت کرتے تھے، اور ہم حبش کے دور ترین مبغوض زمین میں پڑے ہوئے تھے، ہم کو ایذا دی جاتی تھی، ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ صرف خدا اور خدا کے رسول کی ذات کے لئے تھا خدا کی قسم تم نے جو کچھ کہا ہے، جب تک اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے نہ کرلوں گی، نہ کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی، کجروی نہ اختیار کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی، چنانچہ جب آپ تشریف لائے تو انہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا، اور آپ نے اس کو سن کر فرمایا وہ تم سے زیادہ میرے مستحق ہیں عمر اور ان کے اصحاب کی صرف ایک ہجرت ہے، اور تم اہل کشتی کی دو ہجرتیں ہیں، حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ ابو موسیٰ اور دوسرے کشتی والے جوق در جوق میرے پاس آتے تھے، اور اس حدیث کو پوچھتے تھے، ان کے لئے دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ مسرت خیز اور با عظمت نہ تھی حضرت ابو موسیٰ بار بار مجھ سے اس حدیث کو پوچھتے تھے۔ (۱)

فضیلت کی ایک بڑی وجہ محبت رسول ہے، اور اس محبت کی وجہ سے بعض صحابیات کو وہ درجہ تقرب رسول حاصل ہوا جو صرف مخصوص صحابہ کو حاصل تھا، صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کے سوا بجز حضرت ام سلیمؓ و حضرت انسؓ کی ماں کے کسی عورت کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے، چنانچہ آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی، تو آپ نے فرمایا، مجھے ان پر رحم آتا ہے کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ شہید ہوئے تھے۔ (۲)

جس لطف و محبت کے ساتھ آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے، اسی لطف و محبت کے ساتھ وہ آپ کی خدمت گزاری بھی کرتی تھیں، بخاری کتاب الاستیذان میں ہے کہ جب آپ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے تو وہ آپ کے لئے بچھونا بچھا دیتیں، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اٹھتے تھے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی میں جمع کر لیتیں، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن میں حنوط کے ساتھ عرق مبارک بھی شامل کر لیا جائے، حضرت انس بن مالکؓ کی خالہ ام حرامؓ کو بھی اکثر یہ شرف حاصل ہوتا تھا، چنانچہ معمول تھا کہ جب آپ قباء کو تشریف

---

(۱) مسلم باب من فضائل جعفر بن ابی طالب و اسما بنت عمیس و اهل سفینهم (۲) صحیح مسلم باب من فضائل ام انسؓ ابن مالك و بلالؓ

لے جاتے توان کے پاس ضرور جاتے وہ اکثر کھانا لے کر پیش کرتیں' اور آپ نوش فرماتے' آپ سوجاتے تو وہ آپ کے بالوں سے جوئیں نکالتیں[۱] مخصوص صحابیات کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی بعض صحابیات کو بعض معاشرتی فضائل حاصل ہیں اور ان فضائل میں اس قبیلے کی تمام صحابیات شامل ہیں' مثلاً ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام ہانیؓ سے نکاح کی خواہش کی توانہوں نے یہ معذرت کی کہ میرا سن زیادہ ہو گیا' اور میرے لڑکے ہیں (جن کی پرورش میرے لئے ضروری ہے اس موقع پر آپ نے عموماً قریشی عورتوں کی یہ فضیلت بیان کی)

خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناه علیٰ یتیم فی صغره وارعاه علیٰ زوج فی ذات یده[۲]

"شتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں' بچپن میں اپنے یتیم بچے سے محبت رکھتی ہیں' اور اپنے شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں"

انصاریہ کا قبیلہ اسلام میں ایک خاص درجہ فضیلت رکھتا ہے اور اس قبیلہ کے مرد اور عورت دونوں رسول اللہ ﷺ کو یکساں محبوب تھے' چنانچہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک بار انصار کی عورتیں اور انصار کے لڑکے ایک شادی کی تقریب سے واپس آرہے تھے' آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور تین بار فرمایا کہ "تم لوگ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو"

دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاریہ صحابیہ اپنے بچے کو ساتھ لیکر آئیں اور آپ نے ان سے گفتگو فرمائی اور اسی سلسلہ میں دوبارہ فرمایا کہ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو"[۳]

ان فضائل کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد خلفائے راشدینؓ نے بھی صحابیات کی قدر و منزلت کو قائم رکھا' چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ام ایمنؓ کی ملاقات کو تشریف لے جایا کرتے تھے' آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آؤ چلیں' جس طرح رسول اللہ ﷺ ان کی ملاقات کو جایا کرتے تھے' اسی طرح ہم بھی ان کی ملاقات کر آئیں' چنانچہ جب ان کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑیں' ان لوگوں نے کہا کیوں روتی ہو' خدا کے پاس رسول اللہ ﷺ کا جو درجہ ہے وہ نہایت بہتر ہے بولیں میں

---

(۱) بخاری کتاب الجهاد ص ۳۹۱ (۲) مسلم باب من فضائل نساء قریش (۳) بخاری کتاب المناقب باب قول النبی ﷺ للانصار انتم احب الناس الی

اس لئے نہیں روتی کہ میں اس سے ناواقف ہوں بلکہ اس لئے روتی ہوں کہ وحی کا آسمانی سلسلہ ٹوٹ گیا' اس پر یہ دونوں بزرگ بھی رو پڑے۔

عام صحابیاتؓ کے علاوہ ازواج مطہرات کو جو عزت حاصل تھی' عورتوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی جب رسول اللہ ﷺ کی ایک حرم محترم نے انتقال کیا تو حضرت عبداللہؓ بن عباس سجدے میں گر پڑے' لوگوں نے کہا کہ آپ اس وقت سجدہ کرتے ہیں؟ بولے جب قیامت کی کوئی نشانی دیکھو تو سجدہ کر لیا کرو' پھر ازواج مطہراتؓ کی موت سے بڑھ کر قیامت کی کون سی نشانی ہو گی[۲] مقام سرف میں حضرت میمونہؓ نے وفات پائی تو حضرت عبداللہؓ بن عباس بھی ساتھ تھے' بولے کہ یہ میمونہ ہیں' ان کا جنازہ اٹھاؤ' تو مطلق حرکت و جنبش نہ دو"[۳]

بعض صحابہؓ عزت و محبت کی وجہ سے ازواج مطہراتؓ پر اپنی جائیدادیں وقف کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ازواج مطہرات کے لئے باغ کی وصیت کی تھی' جو چار ہزار پر فروخت کیا گیا۔[٤]

خلفاء ازواج مطہراتؓ کا نہایت ادب واحترام کرتے تھے' حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ازواج مطہرات کی تعداد کے لحاظ سے نو پیالے تیار کرائے' جب ان کے پاس کوئی میوہ یا اور کوئی کھانے کی عمدہ چیز آتی تو ان پیالوں میں کر کے تمام ازواج مطہرات کی خدمت میں بھیجتے تھے۔[٥]

۲۳ ہجری میں جب حضرت عمرؓ امیر الحاج بن گئے تو ازواج مطہرات کو بھی نہایت عزت کے ساتھ ہمراہ لے گئے' حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عوفؓ کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا' یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے' اور کسی کو سواریوں کے قریب آنے نہیں دیتے تھے' ازواج مطہرات منزل پر اترتی تھیں تو حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[٦]

عام مسلمان ازواج مطہرات کے ساتھ جو حسن عقیدت رکھتے تھے' اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ لوگ عام طور پر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو لاتے تھے اور وہ ان کے لئے دعائے برکت فرماتی تھیں[۷] حضرت عائشہؓ بنت طلحہؓ نے

---

(۱) مسلم باب من فضائل ام ایمنؓ (۲) ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب السجود عند الآیات (۳) نسائی کتاب النکاح ذکر امر رسول اللہ ﷺ فی النکاح وازواجہ وما اباح اللہ عزوجل نبیہ ﷺ (٤) ترمذی کتاب المناقب حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ (٥) موطاء امام مالک کتاب الزکوۃ باب جزیۃ اہل الکتاب والمجوس (٦) طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ (۷) ادب المفرد باب الطیرۃ من الجن

حضرت عائشہؓ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی ان کا بیان ہے کہ لوگ دور دور سے میرے پاس آتے تھے' اور چونکہ مجھ کو حضرت عائشہؓ سے تقرب حاصل تھا' اس لئے بوڑھے بوڑھے لوگ میرے پاس آتے تھے جوان لوگ مجھ سے بھائی چارہ کرتے تھے' اور مجھ کو ہدیہ دیتے تھے' اور اطراف ملک سے خطوط بھیجتے تھے۔[1]

غرض ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت اور مرد دونوں کا درجہ یکساں بلند کیا' اور خلفائے راشدینؓ اور عام مسلمانوں نے اس درجہ کو قائم رکھا' لیکن صحابیات کو یہ درجہ صرف مذہب' اخلاق' اور حسن معاشرت کی بنا پر حاصل ہوا تھا اور آج بھی ان ہی چیزوں سے عورتیں اپنے درجے کو بلند کر سکتی ہیں۔

تمت بالخیر

---

(۱) ادب المفرد باب الکتابت فی النساء وجوابهن

مسلمان عورتوں کی بہادری

از

علامہ سید سلیمان ندویؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

مسلمان عورتوں کی بہادری

از

علامہ سید سلیمان ندویؒ

یورپ کے گولڈن ڈیڈس میں سب سے زریں کارنامہ ایک بہادر عورت کا واقعہ ہے جس نے موقع جنگ پر نپولین کے مقابلہ میں ایک سپاہی کا کام انجام دیا تھا۔ ۱۸۰۸ء میں جب نپولین بوناپاٹ پرتگال کی مہم سر کر چکا تو اپنے بھائی جوزف کو اپنا یہاں اپنا قائم مقام چھوڑ کر اسپین کی طرف بڑھا، دارالسلطنت آرگان کے شہر زرگوزا (سرقوسہ) میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اسپین نے جنگی طاقت کے علاوہ قومی جوش سے بھی اس فتنہ کو فرو کرنا چاہا تمام ملک میں وطن اور قوم کی جے پکاری جانے لگی اور ہر شخص اپنے ملک پر جان فدا کرنے پر مستعد ہو گیا اس موقع پر جنس انسانی کے ایک کمزور اور نازک طبقہ نے بھی حتی الامکان وطن کے لئے جان فروشی کی۔

عورتوں اور ضعیف بچوں کی سرفروشی اور کیا ہو سکتی تھی؟ انہوں نے مجروح سپاہیوں کی خدمت کی، کونٹسٹ بیوریٹا نے عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت ترتیب دی جن کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ موقع جنگ پر سپاہیوں کو کھانا پہنچائیں، زخمی سپاہیوں کو میدان کارزار سے اٹھا کر لائیں اور ان کی تیمارداری کریں اور ان کی مرہم پٹی کریں۔ اسی جنگی تاریخ کا ایک پرفخر واقع یہ ہے کہ اگسٹینا زرالوزا ایک ایک سپاہی کا کھانا لے جاتی تھی کہ اثنائے راہ میں ایک خوفناک سین (منظر) ان کو نظر آیا، عین معرکہ میں ایک گولہ انداز سپاہی کو گولی لگی اور وہ مر گیا دوسرے سپاہی کھڑے ہیں اور ہمت کرتے ہیں کہ مقتول سپاہی کی جگہ کھڑے ہو کر دشمن کو ادھر آنے سے روکیں، مگر بندوق کی گولیاں ان زوروں سے برس رہی تھیں کہ آگے بڑھتے ہوئے لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے تھے، بہادر اگسٹینا دوڑ کر مقتول سپاہی کی جگہ پر پہنچی اور اس توپ میں جس کو مقتول سپاہی نے ٹھیک دشمنوں کے نشانے پر رکھا تھا، دیا سلائی لگا دی

اور اخیر معرکہ تک اس کا دستِ ہمت شل نہ ہوا اور وہ برابر کام کرتی رہی۔

اختتام جنگ پر اگسیٹنا کو معلوم ہوا کہ اس نے اپنے شوہر کی طرف سے یہ خدمت ادا کی، جس کی مردہ لاش توپ کے پیچھے پڑی تھی۔ ملک وقوم نے اگسیٹنا کی اس خدمت کو اس نگاہ عزت سے دیکھا کہ جب تک وہ زندہ رہی سلطنت سے اس کو وظیفہ ملتا رہا یورپین ارباب قلم نے گولڈن ڈیڈس کے سب سے قیمتی اور قابل عزت سلسلہ واقعات میں اس کا ذکر کیا۔

جان آف آرک یورپ کی ایک بہادر عورت تھی جس نے مردانہ لباس پہن کر بطورِ سپہ سالار کے ۱۴۲۸ء میں آرلینس کا محاصرہ کیا۔ پیٹے کی لڑائی میں انگریزوں کو شکست دی اور چارلس ہفتم کو تخت پر بٹھایا۔ ۱۴۳۱ء میں اس جرم پر کہ اس میں یہ مافوق الفطرت قوت بزورِ سحر ہے جلادی گئی جان کے کارناموں کی انتہائی شہرت یہ ہے کہ اسکول کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے اور اب ۱۹۲۰ء میں یورپ نے اس کے ولیہ ہونے کو تسلیم کر لیا ہے۔

اس کے مقابلہ میں ہماری قومی تاریخوں میں اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے کان ان سے آشنا نہیں ہیں اور افسوس ہے کہ نہیں ہیں اسلام سے پہلے بھی عرب میں یہ دستور تھا کہ معرکہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں، عورتوں اور بچوں کی جماعت صف جنگ سے پیچھے رہتی تھی ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ مجروح سپاہیوں کی تیمارداری کریں، گھوڑوں کی خدمت کریں اپنے بہادر شوہروں کو آرام پہنچائیں اسلاف کے تاریخی کارناموں کے رجز سے جوش پیدا کریں غنیم کے مقتول سپاہیوں کے ہتھیار کھول لیں یا بھاگتوں کو گرفتار کریں اور قیدیوں کی حفاظت کریں۔

عرب کا مشہور شاعر عمرو بن کلثوم فخر کے لہجہ میں کہتا ہے:

علی اثار نابیض حسان نحاذر ان تقسم او تھونا

اخذن علیٰ بعولتھن عھدا اذالاقوا کتائب معلمینا

لکی یسلبن افراساً وبیضاً واسری فی الجبال مقرنینا

ضعائن من بنی جشم بن بکر خلطن بمیسم حسباو دینا

یقتن جیادناویقلن لستم بعولتنااذالم تمنعونا

''ہماری صف کے پیچھے حسین گوری عورتیں ہیں ہم کو برابر ڈر رہتا ہے کہ ان کی اہانت نہ ہواور دشمن ان پر قبضہ نہ پائیں ان عورتوں نے میدانِ قتال میں جان بازی کا اپنے شوہروں سے عہد لے لیا ہے کہ ہمارے ساتھ اس لئے رہتی ہیں تاکہ دشمنوں کے گھوڑے اور ہتھیار لے لیں اور دشمنوں کو گرفتار کرلیں یہ جشم بن بکر کے خاندان کی عورتیں ہیں جن میں حسن کے ساتھ خاندانی عزت اور مذہب بھی ہے ہمارے گھوڑوں کی خدمت کرتی ہیں اور ان کا قول ہے کہ اگر تم ہمیں دشمنوں سے نہ بچا سکو تو تم ہمارے شوہر نہیں۔''

اسلام میں بھی یہ قدیم دستور قائم رہا جہاد میں برابر مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں شریک رہتی تھیں۔ بخاری شریف میں ہے کہ غزوہ احد میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اپنے ہاتھ سے مشک بھر بھر کر زخمی سپاہیوں کو پانی پلاتی تھیں ان کے ساتھ ام سلیمؓ اور ام سلیطؓ دو اور صحابیہ بھی اس خدمت میں شریک تھیں۔

محدث ابونعیمؒ نے روایت کی ہے کہ جنگِ خیبر میں فوج کے ساتھ چھ عورتیں بھی مدینہ سے چلی تھیں، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر نہ تھی جب معلوم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے غضب ونفرت کے لہجے میں ان سے فرمایا کہ تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی؟ ان عورتوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ)! ہمارے ساتھ دوائیں ہیں ہم زخمیوں کو مرہم لگائیں گی، بدن سے تیر نکالیں گی، کھانے کا انتظام کریں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خیر ٹھہرو! جب خیبر فتح ہوا تو اور سپاہیوں کے ساتھ ان عورتوں کو بھی رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت سے حصہ دیا۔[1]

ام سلیمؓ اور انصار کی عورتیں انہیں خدمات کے لئے اکثر غزووں میں شریک رہی ہیں[2] ربیع بنت معوذؓ اور دوسری عورتوں نے شہداء اور مجروحین کو احد کے میدان میں جنگ سے اٹھا کر مدینہ لانے کی خدمت انجام دی تھی[3] ام رفیدہؓ صحابیہ کا ایک خیمہ تھا جس میں وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔[4]

۱: ابوداؤد، فتح خیبر۔ ۲: ابوداؤد، جلد ا صفحہ ۲۵۲۔ ۳: بخاری کتاب الطب۔ ۴: ابوداؤد، ج ص ۲۷۰۔

ام زیاد اشجعیہؓ اور دوسری پانچ عورتوں نے غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کو مدد دی تھی وہ میدان سے تیر اٹھا کر لاتی تھیں اور سپاہیوں کو ستو پلاتی تھیں [1] حضرت ام عطیہؓ نے سات غزوات میں صحابہ کرامؓ کے لئے کھانا پکایا تھا [2]

ابن جریر طبری ایک موقع پر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مقتولین کو ایک جگہ جمع کر کے صف کے پیچھے ڈال دیا اور جو لوگ مقتولین کی تجہیز و تکفین کے لئے متعین تھے وہ مجروحوں کو عورتوں کے سپرد کرتے اور جو شہداء ہوتے ان کو دفن کر دیتے۔ اغواث اور ارماث کی لڑائیوں میں جو فتح قادسیہ کے سلسلے میں لڑی گئی تھیں عورتیں اور بچے قبر کھودتے تھے [3]

قادسیہ کی لڑائی کا واقعہ ایک عورت جو موقع جنگ پر موجود تھیں اس طرح بیان کرتی ہے کہ جب لڑائی کا خاتمہ ہو چکا تو ہم اپنے کپڑے کس کس کر رزم گاہ کر طرف چلے، ہمارے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، میدان میں جہاں کوئی مسلمان مجروح سپاہی نظر آیا اس کو اٹھالیا [4]

مذکورہ بالا واقعات سے مذہبی ولولہ، قومی ہمدردی، غیرت اور بہادری کے علاوہ ان خدمات کی بھی تفصیل معلوم ہوتی ہے جو لڑائیوں میں عورتوں کے متعلق تھیں۔

۱)..... زخمیوں کو پانی پلانا۔

۲)..... فوج کے کھانے کا انتظام۔

۳)..... قبر کھودنا،

۴)..... مجروح سپاہیوں کو معرکہ جنگ سے اٹھالانا۔

۵)..... زخمی سپاہیوں کی تیمارداری کرنا۔

۶)..... ضرورت کے وقت فوج کو ہمت دلانا اور ان کی امداد کرنا۔

قرن اول کی تمام لڑائیوں کا مرقع ایک ایک کر کے تم اپنے سامنے رکھو عموماً صف جنگ کے پیچھے تم عورتوں کو اپنے ادائے فرض میں مشغول پاؤ گے مسلمان عورتوں کی سب سے آخری خدمت کے متعلق تفصیلی واقعات کی ضرورت ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں

---

[1] : صحیح مسلم، ج ۲ ص ۱۰۵ مصر [2] : طبری مطبوعہ یورپ، جلد ۶ ص ۲۲۳۱ [3] : ایضاً ج ۶ ص ۲۳۲۳ [4] : طبری مطبوعہ یورپ ج ۶ ص ۲۶۳۔

کا یہ کمزور طبقہ اس نازک خدمت کو کس خوبی سے انجام دیتا تھا۔

حضرت انس بن مالکؓ خادم رسول اللہ ﷺ کی والدہ ام سلیمؓ عموماً غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا کرتی تھی۔[1] حضرت طلیب بن عمیرؓ جب اسلام لائے اور اپنی ماں اروی بنت عبدالمطلبؓ کو اس کی خبر دی تو بولیں کہ تم نے جس شخص کی نصرت و مدد کی وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا اگر مردوں کی طرح مجھ میں بھی استطاعت ہوتی تو میں آپ کی حفاظت کرتی اور آپ کی طرف سے لڑتی۔[2]

غزوہ خندق میں رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہؓ یہودیوں سے لڑ رہے تھے کہ بنوقریظہ لڑتے لڑتے اس مقام کے قریب پہنچ گئے جہاں مسلمان عورتیں اور بچے چھپے تھے بنوقریظہ اور مسلمان عورتوں کے درمیان کوئی ایسی فوج نہ تھی جو عورتوں کی حفاظت کر سکے اسی اثناء میں ایک یہودی ان عورتوں کی طرف نکل آیا خوف یہ تھا کہ اگر یہ یہودی بنی قریظہ سے کہہ آیا کہ ادھر عورتیں ہیں تو میدان خالی پا کر وہ عورتوں پر حملہ کر دیں گے حضرت صفیہؓ نے جو رسول اللہ کی پھوپھی اور حضرت زبیرؓ کی والدہ تھیں حضرت حسانؓ بن ثابت سے کہا کہ اس یہودی کو قتل کر دو، حضرت حسانؓ نے عذر کیا، آخر حضرت صفیہؓ خیمہ کا ایک ستون لے کر خود اتریں اور اس یہودی کو اسی ستون سے وہیں مار کر گرا دیا۔ مؤرخ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔[3]

حضرت ام عمارہؓ ایک مشہور صحابیہ تھیں قبل از ہجرت مقام عقبہ میں جب مدینہ کے مسلمانوں نے کفار قریش سے چھپ کر رسول اللہ ﷺ کی امداد اور اسلام کی اشاعت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو اس مختصر جماعت میں جو اسلام کی سب سے پہلی جماعت تھی حضرت ام عمارہؓ بھی شریک تھیں۔ اسلامی تاریخ میں اسی واقعہ کو بیعت عقبہ کہتے ہیں ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کی نیت سے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور مکہ میں داخل ہونے کے لئے قریش سے آپ ﷺ نے اجازت مانگی اور حضرت عثمانؓ مسلمانوں کی طرف سے سفیر بن کر مکہ گئے تو یہ خبر مشہور ہوئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا اس

---

[1] اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵۹۱۔ [2] استیعاب تذکرۃ حضرت طلیب بن عمیرؓ۔ [3] اسد الغابۃ تذکرۃ حضرت صفیہؓ۔

وقت تمام صحابہ کرامؓ سے رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش سے لڑنے اور مرنے پر بیعت لی جو تاریخ اسلام میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے حضرت ام عمارہؓ اس بیعت رضوان میں شریک تھیں مسلمانوں کی طرف سے اپنے شوہر زید بن عاصم کے ساتھ جنگ احد میں بھی موجود تھیں بلکہ عین اس وقت جب احد میں عام مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور آنحضرت ﷺ پر کفار بڑھ بڑھ کر وار کر رہے تھے اور جانثار آگے آ کر اپنی جانیں قربان کر رہے تھے یہ بہادر خاتون بھی تیغ بدست حملہ آوروں کو مار مار کر پیچھے ہٹا رہی تھیں اس دن کئی زخم ان کے دست و بازو میں آئے تھے اسی طرح دیگر غزوات میں بھی ان سے بے مثال بہادری کے کارنامے ظہور میں آئے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں مسیلمۂ کذاب نے ادعائے نبوت کیا اور مقام یمامہ میں ایک خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس جنگ میں جو جنگِ یمامہ کے نام سے مشہور ہے حضرت ام امارہؓ بھی شریک تھیں اور جب تک ان کا ہاتھ زخمی نہ ہوا دشمنوں سے لڑتی رہیں۔ اس دن حضرت ام عمارہؓ کو بارہ زخم لگے تھے [1]

حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر قدم رکھنے کے لئے مشرق کی ان دو پرزور طاقتوں سے مقابلہ کرنا پڑا جو دنیا میں روم اور ایران کے مہیب ناموں سے مشہور ہیں، رومیوں کا وہ سب سے خونریز معرکہ جس پر اُن کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوا، جنگِ یرموک ہے، اور ایرانیوں کی وہ سب سے آخری پرزور کوشش جس سے زیادہ زور و قوت صَرف کرنا تختِ کیانی کے امکان میں نہ تھا، جنگِ قادسیہ ہے۔ یہ دونوں معرکے تاریخِ اسلام کے بہترین کارنامے ہیں جنہوں نے دنیا میں پھیلنے کے لئے اسلام کا راستہ صاف کر دیا۔

لیکن ان دونوں واقعوں میں مسلمانوں کی فتح یابی مخدراتِ اسلام کے زور بازو اور آتش بیانی کی ممنون ہے۔ محرم ۱۴ھ میں مسلمانوں اور ایرانیوں میں مقام قادسیہ پر مقابلہ ہوا، ایرانیوں کی جمعیت ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان کچھ اوپر تیس ہزار تھے۔ اس معرکہ میں کئی ہزار مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ عورتوں اور بچوں نے شہداء کی قبریں کھودیں، اور مجروحوں کو میدانِ جنگ سے اٹھا لائے، اور ان کی تیمارداری کی۔

---

[1] فتوحات اسلامیہ سید دحلان ص ۲۴۔

قادسیہ کی لڑائی میں عورتوں کو کس قدر جوش تھا، اس کا اظہار ذیل کی تقریر سے ہوگا۔ جو قبیلہ نخع کی ایک بوڑھی عورت نے اپنے بیٹوں کو میدانِ جنگ میں بھیجتے وقت کی تھی۔

انکم اسلمتم فلم تبدّلوا وھاجرتم فلم تثربوا ولم تنب بکم البلاد ولم تقحمکم السنة ثم جئتم بامکم عجوز کبیرة فوضعتموھا بین ایدی اھل فارس واللّٰہ انکم بنو رجل واحد کما انکم منو امرءة واحدة ما خنت اباکم ولا فضحت خالکم انطلقوا واشھدوا اول القتال واٰخرہ۔[1]

''پیارے بیٹو! تم اسلام لائے پھر، پھرے نہیں، تم نے ہجرت کی، تو تم کو کسی نے ملامت نہ کی، تمہارا وطن تمہارے ناموافق تھا نہ تم پر قحط پڑا تھا، تم نے اپنی بوڑھی ماں کو اپنے ساتھ لاکر اہل فارس کے سامنے ڈال دیا، خدا کی قسم! تم ایک باپ کی اولاد ہو، جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو، نہ میں نے تمہارے باپ سے خیانت کی، اور نہ میں نے تمہارے ناموں کی فضیحت کی، جاؤ اور شروع سے اخیر تک لڑو!''

بیٹوں نے ایک ساتھ دشمنوں پر حملہ کیا، اور بڑی بہادری سے لڑے، جب نظروں سے غائب ہو گئے، تو اس بوڑھی عورت نے دُعا کو ہاتھ اٹھایا، کہ خدایا! میرے بچوں کو بچانا، اختتام جنگ پر بہادر بیٹے صحیح وسالم اپنی ماں کے پاس آئے اور غنیمت کا مال ماں کے آگے ڈال دیا۔

جنگِ قادسیہ میں عرب کی مشہور شاعرہ خنساء بھی شریک تھی۔ خنساء کے ساتھ اس کے چاروں بیٹے بھی شریک تھے، شب کے ابتدائی حصہ میں جب ہر سپاہی صبح کے ہولناک منظر پر غور کر رہا تھا، آتش بیاں شاعرہ نے اپنے بیٹوں کو یوں جوش دلانا شروع کیا۔[2]

---

[1] طبری جلد ۶ ص ۲۳۰۷ [1]: یہ دونوں واقعے موقع جنگ، تعداد، اولاد اور بعض الفاظ کے اتحاد سے ایک ہی معلوم ہوتے ہیں لیکن بعض اختلافات بھی ایسے ہیں جو ایک واقع نہیں ہونے دیتے۔ پہلی عورت قبیلہ نخع کی ہے خنساء قبیلہ سلم کی ہے، پہلی عورت کی مختصر اور سادہ تقریر ہے دوسری عورت کی تقریر طویل اور فصاحت اور جوش سے لبریز ہے جو خنساء کے شایان شان ہے، طبری نے پہلی عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے مال غنیمت لے کر صحیح وسالم واپس آ گئے۔ ابن اثیر نے دوسری عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے بیٹے شہید ہوئے اور ان کی تنخواہ حضرت عمرانؓ کی ماں کو دیا کرتے تھے، واللہ اعلم۔

يابني انكم أسلمتم وهاجرتم مختارين ووالله الذى لااله غيره انكم بنورجل واحد كما انكم بنو امراة واحدة ماخنت اباكم ولا فضحت خالكم ولا هجنت حسبكم ولا غيرت سبكم وقد تعلمون ما اعدالله لمسلمين من الثواب الجزيل فى حرب الكافرين واعلموا ان الدار الباقية خير من الدار الفانية يقول الله عزوجل ياايها الذين امنوا واصبروا وصابروا ورابطوا واتقواالله لعلكم تفلحون "فاذا اصبحتم غدا ان شاء الله سالمين فاغدوا الىٰ قتال عدوكم مستبصرين وبالله علىٰ اعدائه مستنصرين واذارأيتم الحرب قدشموت عن ساقها واضطرمت لظى علىٰ سياقها وحللت نارا علىٰ رواقها فتيمموا وطيسها وجالد وارئيسها عند احتدام حمسيها تظفر وابالغنم والكرامة فى دارالخلد والمقامة. (اسدالغابہ ابن اثیر جزری ج ۵ ص ۴۴۲)

پیارے بیٹو! تم اپنی خواہش سے مسلمان ہوئے اور تم نے ہجرت کی، وحدہٗ لاشریک کی قسم! کہ تم جس طرح ایک ماں کے بیٹے ہو، ایک باپ کے بھی بیٹے ہو، میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی، اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل کیا، اور نہ تمہارے حسب ونسب میں داغ لگایا، جوثواب عظیم خدا نے کافروں سے لڑنے میں مسلمانوں کے لئے رکھا ہو، تم اس کو خود جانتے ہو، خوب سمجھ لو کہ آخرت جو ہمیشہ رہنے والی ہے اس دارفانی سے بہتر ہے، خدائے پاک فرماتا ہے ''مسلمانو! صبر کرو اور استقلال سے کام لو، خدا سے ڈرو تا کہ تم کامیاب ہو'' کل جب خیریت سے تم انشاءاللہ صبح کرو، تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا سے نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمنوں پر جھپٹ پڑنا ، اور جب دیکھنا کہ لڑائی زوروں پر ہے اور ہر طرف اس کے شعلے بھڑک رہے ہے تو تم خاص آتش دانِ جنگ کی طرف رخ کرنا، اور جب دیکھنا کہ فوج غصہ

سے آگ ہو رہی ہے تو غنیمت کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا، خدا کرے کہ تم دنیا میں مالِ غنیمت اور عقبیٰ میں عزت پاؤ۔

صبح کو جنگ چھڑتے ہی حضرت خنساء کے چاروں بیٹے یکبارگی دشمنوں پر جھپٹ پڑے، اور آخر کو بڑی بہادری سے چاروں لڑ کر شہید ہوئے حضرت خنساء کو جب یہ خبر پہنچی، تو اس نے کہا اس خدا کا شکر ہے جس نے بیٹوں کی شہادت کا مجھے شرف بخشا۔ حضرت عمرؓ آٹھ سو دینار حضرت خنساء کو اس کے چاروں بیٹوں کی تنخواہ کے دیا کرتے تھے۔

واقعہ جسر کے بعد جس میں مسلمانوں کو ایرانیوں کے مقابلہ میں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی تھی ایک دوسرا ہولناک معرکہ ہوا، جو جنگ بویب کے نام سے مشہور ہے۔ جنگ بویب میں جس کو قادسیہ کی تمہید سمجھنا چاہئے، مسلمانوں کو ایرانیوں کا بہت سامان رسد ہاتھ آ گیا۔ مسلمان عورتوں کو رزمگاہ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، کھانے کا انتظام چونکہ عورتوں ہی سے متعلق تھا اس لئے مثنیٰ نے جو فوج کا سپہ سالار تھا، یہ سارا سامان فوج کے ایک رسالہ کی حفاظت میں عورتوں کے پاس بھیج دیا، یہ رسالہ گھوڑے دوڑاتا ہوا عورتوں کی فرودگاہ کی طرف چلا۔ عورتیں سمجھیں کہ دشمن چڑھ آئے ہیں، عورتوں کے خیموں میں اسلحے کہاں سے آتے، بچوں کو پیچھے کھڑا کیا، اور خود پتھر اور خیمہ کی چوبیں لے لے کر حملہ کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ عمر بن عبدالمسیح جو اس رسالہ کا افسر تھا، پکارا اسلامی فوج کی عورتوں کو بے شک ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے یہ کہہ کر اس نے عورتوں کو مسلمانوں کی فتح کی خوش خبری سنائی، اور وہ چیزیں ان کے سپرد کیں۔[1]

میسان کی لڑائی میں اس سے بھی ایک عجیب بہادری عورتوں سے ظاہر ہوئی۔ دریائے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کا سامنا ہوا، مغیرہ جو اس وقت فوج کے سپہ سالار تھے۔ میدانِ جنگ سے عورتوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اروۃ بنت حارث نے جو طبیب العرب کلدہ کی پوتی تھیں، عورتوں سے کہا کہ اگر ہم مسلمانوں کی مدد کریں تو نہایت مناسب ہوتا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دوپٹے کا ایک بڑا علم بنایا، اور عورتوں نے بھی اپنے اپنے دوپٹوں کی جھنڈیاں بنائیں، دونوں طرف

---

[1]: تاریخ طبری، جلد ۵ ص ۲۱۹۔

کے بہادر دل توڑ حملے کررہے تھے۔ کہ اس سامان کے ساتھ عورتیں پرچم اڑاتی ہوئی فوج کے قریب پہنچ گئیں۔ یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کی امداد کو ایک تازہ دم فوج اور پہنچ گئی، غنیم کے بازوست پڑ گئے اور آن کی آن میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا۔[1]

عہد صدیقی میں اول ۱۳ھ میں مسلمانوں نے دمشق پر لشکر کشی کی، چند معرکوں کے بعد اہل دمشق قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمان دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے پڑے تھے۔ کہ معلوم ہوا کہ نوے ہزار رومی بڑے سروسامان کے ساتھ اجنادین میں جمع ہو رہے ہیں، مسلمانوں کی فوج منتشر طور سے تمام ملک شام میں پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ کی جو عراق کو پامال کر کے دمشق میں آ کر مل گئے تھے۔ یہ رائے قرار پائی کہ اسلامی فوج کو سمیٹ کر ایک جگہ جمع ہونا چاہیے، ان فوجیوں کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار تھی، کل افسران اسلام جہاں جہاں تھے اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے اجنادین کی طرف بڑھے۔

حضرت ابوعبیدہؓ اور خالد بن ولیدؓ نے بھی دمشق کا محاصرہ چھوڑ کر اجنادین کی طرف باگ اٹھائی، حضرت خالدؓ فوج کے آگے آگے جارہے تھے اور حضرت ابوعبیدہؓ تھوڑی سی فوج کے ساتھ عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے مع خیمے اور سامان رسد کے پیچھے پیچھے جارہے تھے۔ اہل دمشق نے دیکھا کہ مسلمان ڈیرے خیمے اٹھائے لدے پھندے جارہے ہیں۔ ان کو انتقام کا موقع نہایت مناسب معلوم ہوا قلعہ کے پھاٹک کھول کر فوراً پیچھے سے حملہ کر دیا۔ قیصر روم نے دمشق کے لئے کچھ امدادی فوجیں بھیجی تھیں اتفاق سے عین وقت پر وہ آ پہنچیں اور آتے ہی انہوں نے مسلمانوں کا آگا روک لیا، اس وقت مسلمانوں میں جس انتہا کی بدحواسی پیدا ہونی چاہیے تھی، وہ ظاہر ہے، مگر اس کے برخلاف انہوں نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ دونوں طرف سے حملے روکے لیکن زیادہ تر ان کی توجہ سامنے کی فوج کی طرف منعطف تھی، اتنا موقع بھی اہل دمشق کو غنیمت معلوم ہوا اور مسلمان عورتوں کو اپنی حراست میں لے کر قلعہ دمشق کی طرف رخ کیا۔

عورتوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، خولہ بنت ازور نے کہا ''بہنو! کیا تمہاری

---

[1] تاریخ طبری، جلد ۴ ص ۲۳۴۔

غیرت یہ گوارا کرسکتی ہے کہ مشرکینِ دمشق کے قبضہ میں آجاؤ؟ کیا تم عرب کی شجاعت وحمیت کے دامن میں داغ لگانا چاہتی ہو؟ میرے نزدیک تو مرجانا اس ذلت سے کہیں بہتر ہے۔ ان چند فقروں نے ایک آگ سی لگادی، خیموں کی چوبیں لے لے کر باقاعدہ ہاتھ باندھ کر آگے بڑھیں۔ سب سے آگے خولہ بنت ازور ضرار کی بہن تھیں۔ اور ان کے پیچھے عفیرہ بنت عفار، ام ابان بنت عتبہ، سلمہ بنت نعمان بن مقرن وغیرہ تھیں۔ کچھ دیر کے لئے حیرت نے دمشقیوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور اتنی دیر میں عورتوں نے تیس لاشیں گرادیں، اور آخر کو پھر انہوں نے بھی حملہ کردیا، دمشقیوں کے قدم اکھڑنے کو تھے کہ مسلمان بھی ادھر سے فارغ ہوکر آ گئے۔ دمشقی فوج میں جو رمقِ جان باقی تھی وہ بھی ان حملوں سے نکل گئی۔ باقی فوج بھاگ کر دمشق میں قلعہ بند ہوگئی اور اسلامی فوج کی عنانِ عزیمت پھر اجنادین کی طرف مڑی۔

اڈورڈ گبن صاحب نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کر کے مسلمان عورتوں کی عفت، عصمت، دلیری و بہادری کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہ وہ عورتیں ہیں جو شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیراندازی میں نہایت ماہر تھیں یہی وجہ ہے کہ نازک سے نازک موقع پر بھی یہ اپنے دامنِ عفت کے محفوظ رکھنے میں کامیاب ہوتی تھیں۔''

جنگ یرموک مسلمانوں کی سب سے پہلی باقاعدہ جنگ تھی، اس معرکہ میں مسلمان کل چالیس ہزار تھے مگر جو تھے عرب میں انتخاب تھے رومیوں کی جمعیت دولاکھ سے زائد تھی اور یہ آدمیوں کا طوفان اس جوش وخروش کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا کہ گمان تھا کہ ایک ٹکر میں یہ مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دے گا یرموک میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا مسلمان اور عیسائیوں کی تعداد میں چوگنے کا فرق تھا ان کے جوش کا یہ عالم تھا کہ بیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لی تھیں کہ ہٹنا چاہیں بھی تو نہ ہٹ سکیں۔

دولاکھ کا ٹڈی دل اس زور وشور سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا، کہ اسلامی فوج کا داہنا بازو ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیمہ گاہ تک آ گیا لخم وجذام کے قبیلے ایک مدت تک ان عیسائیوں کے ماتحت رہے اور اب مسلمان ہوگئے تھے۔ میسرہ (بایاں حصہ) میں زیادہ تر یہی لوگ تھے۔ رومیوں

نے ان کی طرف رخ کیا تو یہ مرعوب ہو کر نہایت بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے، رومی تعاقب کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتوں کے غصہ کی انتہا نہ رہی فوراً خیموں سے باہر نکل آئیں اور اس زور سے حملہ کیا، کہ رومیوں کا سیلاب جو نہایت سرعت سے آگے بڑھ رہا تھا۔ دفعۃً تھم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اب خواتین نے بھاگتوں کو روک کر پھر آگے بڑھایا فوج کی پشت پر آ کر مسلمانوں کو غیرت دلا دلا کر جوش پیدا کرنے لگیں۔ عورتوں کی ان کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں پھر سنبھل گئے، قریش کی عورتیں گھسیٹ گھسیٹ کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑیں اور حملہ کرتے ہوئے مردوں سے آگے نکل گئیں[۱] حضرت معاویہؓ کی بہن جویریہ عورتوں کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھیں اور نہایت دلیری سے لڑ کر زخمی ہوئیں[۲] حضرت معاویہ کی ماں ہند بن عتبہ مردوں کو مخاطب کر کے یہ کہتی تھیں۔[۳]

یامعشر العرب عضدوا الغلفان بسیوفکم

عربو! نامرد بن جاؤ نامرد

ا زرکی بہن خولہ یہ شعر پڑھ کر مسلمانوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یاھاربہ عن نسوۃ تقیات رمیت بالسھم والمنیات

اے پاکدامن عورتوں کو چھوڑ کر بھاگنے والو! تم موت اور تیر کے نشانہ نہ بنو،

مؤرخ طبری نے اس جنگ میں ام حکیم بنت حارث کا نام خصوصیت سے لیا ہے ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی پھوپھی زاد بہن اسماء بنت یزید نے تنہا نو رومیوں کو مار ڈالا[۴] جو عورتیں مردانہ وار جنگ یرموک میں لڑی ابن عمر واقدی ان میں بعض کے یہ نام بتاتا ہے اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ، عبادہ بن صامتؓ کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ، کعوب بنت مالک، سلمٰی بنت ہاشم، نعم بنت قناس، عفیرہ بنت عفارہ۔

جنگ یرموک کے بعد پھر مسلمانوں کی فوج رومیوں کے مقابلہ پر جارہی تھی ایک روز اس نے دمشق کے قریب مرج الصفر میں قیام کیا، خالد بن سعید نے جنھوں نے حال ہی میں ام حکیم بنت حارث سے نکاح کیا تھا یہیں مسلمانوں کی دعوت ولیمہ کی ایک پل کے

---

[۱]: تاریخ طبری، جلد ۶ ص ۲۳۴۔ [۲]: طبری، جلد ۵ ص ۳۲۱۶۔ [۳]: بلاذری، ص ۱۴۱۔ [۴]: اسد الغابہ، ج ۵ ص ۳۹۸

قریب ام حکیم کا خیمہ نصب ہوا جو اسی مناسبت سے اب تک ام حکیم کا پل کہلاتا ہے ابھی لوگ کھانے سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رومی پہنچ گئے مسلمانوں نے بھی لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کو پسپا ہو جانا پڑا۔ ام حکیم بھی نہایت دلیری سے لڑیں، رومیوں کے سات آدمی ان کے ہاتھ سے ہلاک ہوئے۔[1]

جنگ جمل میں گو حضرت عائشہؓ کا فوج لے کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آنا ہم ایک اجتہادی غلطی سمجھتے ہیں لیکن اس سے عورتوں کے استقلال، دلیری، ثابت قدمی کا اظہار ہوتا ہے۔

فتوحات واقدی کی روایتیں اگر تسلیم کر لی جائیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ شام کی فتوحات میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ خصوصاً ام حکیم، ہند، ام کثیر، اسماء، ام ابان، ام عمارہ، خولہ، لبنیٰ، عفیرہ، ان عورتوں نے بعض بعض موقعوں پر اس مردانگی سے جنگی خدمات انجام دی ہیں کہ مردوں سے بن نہیں آسکتیں۔

حضرت عتبہ بن غزوان حضرت عمرؓ کی طرف سے امیر تھا ازدہ بنت حارث جو طبیب عرب کلدہ کی پوتی تھی، عتبہ کی بیوی تھی عتبہ جب اہل مدینۃ الفرات سے سرگرم تھا تو اس کی بیوی ازدہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ابھارتی تھی اور جوش دلاتی تھی۔[2]

دمشق کے حملہ میں جب ابان بن سعید، توما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو ان کی بیوی ام ابان بنت عتبہ اپنے مقتول شوہر کے سارے جنگی اسلحے لگا کر قصاص لینے کو نکلیں اور دیر تک دشمنوں کا مقابلہ کرتی رہیں اہل دمشق گو محصور تھے لیکن شہر پناہ کے برجوں سے برابر مسلمانوں کا جواب دیتے تھے۔ سب کے آگے ایک مقدس شخص ہاتھ میں طلائی صلیب لئے ہوئے ارباب ثلثہ سے دعائے فتح مانگ رہا تھا ام ابان کو تیر اندازی میں بڑی قدرت تھی، ایسا تاک کر تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر پڑی مسلمانوں نے دوڑ کر صلیب اٹھائی، عیسائیوں سے صلیب اعظم کی یہ تذلیل دیکھی نہ گئی ''توما'' غصہ سے شہر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور پھر اس زور کا رن پڑا کہ مسلمان گھبرا اٹھے رومیوں نے

---

[1] اسد الغابہ ص ۵۷۷۔ [2] فتوح البلدان بلاذری، ص ۳۴۳، مطبوعہ یورپ۔

صلیب کی واپسی کے لئے لاکھ کوششیں کیں، مگر ایک بھی کارگر ثابت نہ ہوئی جس نے ادھر کا رخ کیا ام ابان نے اس کو تیروں پر دھر لیا۔ ''توما جو کسی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا تھا ام ابان نے اس کی آنکھ میں ایسا دیکھ کر تیر مارا کہ وہ چیختا ہوا بھاگا اس وقت ام ابان رجز کے یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

ام ابان فاطلی ثیارك ☆ صولی علیهم صولة المتدارك ☆ قد ضج جمع القوم من نبالك

ام ابان تو نے اپنا انتقام لے ☆ اوران پر پے در پے وار کئے جا ☆ رومی تیرے تیروں سے چیخ اٹھے

یرموک کی سب سے خوفناک لڑائی یوم التعویر مسلمان عورتوں کی بہادری کا عجیب وغریب نمونہ تھی، مسلمانوں کو ہزیمت ہو جاتی، اگر عورتیں تلواریں کھینچ کر رومیوں کے منہ نہ پھیر دیتیں۔ ہند، خولہ، ام حکیم اور بہت سی قریش کی عورتوں نے مردانہ وار حملے کئے، اسماء بنت ابی بکرؓ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے شوہر حضرت زبیرؓ کے ساتھ تھیں، اور برابر حضرت زبیرؓ کے دوش بدوش لڑتی جاتی تھیں۔[1]

صفین میں بہت سی مسلمان عورتیں حضرت علیؓ کی طرف سے شریک جنگ تھیں، لڑتی تھیں پرزور تقریروں سے فوج کو ابھارتی تھیں، زرقاء، عکرشہ، ام الخیر نے میدان کارزار میں وہ تقریریں کی ہیں کہ فوج کی فوج میں ایک آگ لگ گئی۔[2]

۹۰ھ میں ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بخارا پر فوج کشی کی، قتیبہ کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا گیا عرب میں ازد کا قبیلہ بہادری اور شجاعت میں ضرب المثل تھا اسلامی فتوحات میں اس کے کارنامے نہایت روشن ہیں بخارا کے ترک بھی بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں کے مقابلہ کو نکلے قبیلہ ازد نے کہا کہ پہلے تنہا ہم کو زور آزمائی کرنے دو، حضرت قتیبہ نے ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی، ازدی بڑھے، اور نہایت بہادری سے حملے کئے لیکن مقابلہ معمولی لوگوں سے نہ تھا ترکوں نے اس ثابت قدمی سے جواب دیا کہ ازدی ہٹتے ہٹتے اپنی قیام گاہ تک آ گئے ترکوں نے بڑھ کر اور زور سے

---

[1] اس قسم کے اور بہت سے واقعات اس فتوح الشام میں مذکور ہیں جو ابن عمر واقدی کی طرف منسوب ہے۔ مگر چونکہ فتوح الشام ازدی وغیرہ میں ان کا مطلق ذکر نہیں ہے اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔ [2] عقد الفرید ج ۱ از ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۳۔

سورہ البقرہ پڑھی اور دوسری رکعت میں آل عمران، جن سے بڑی کوئی سورت قرآن پاک میں نہیں ہے دو دو اور ڈھائی ڈھائی پاروں میں تمام ہوتی ہیں۔ غزالہ نماز سے فارغ ہو کر اپنے فرودگاہ کو چلی گئی اور حجاج کی ساری فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ جب لڑائی کی نوبت آئی تو حجاج کوفہ، بصرہ اور شام کی فوج لے کر نکلا شبیب کی جمعیت گو اس کے مقابلہ میں نہایت کم تھی لیکن بہادری سے لڑی۔ حجاج اپنی فوج کے پیچھے کھڑا ہو کر خود جوش دلا رہا تھا اس کی فوج برابر بڑھتی گئی یہاں تک کہ حجاج نے خوارج کی مسجد پر قبضہ کر لیا، غزالہ اور جیزہ بھی لڑائی میں مشغول تھیں کہ حجاج نے چپکے سے چند آدمی بھیجے جنہوں نے پیچھے سے جا کر غزالہ کو مار گرادیا، شبیب اپنے مقتولین کو چھوڑ کر ہواز کی طرف چلا گیا۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جیزہ بھی اس لڑائی میں ماری گئی لیکن ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ اس کے کچھ دن بعد جب شبیب کا گھوڑا ٹھوکر کھا کر پل سے نیچے دریائے دجلہ میں گر پڑا اور شبیب آہنی زرہ اور ہتھیاروں کے بوجھ سے ڈوب کر مر گیا تو اس نے کہا یہ ممکن ہے اس واقعہ سے اس کی ماں کی بہادری کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت تک زندہ تھی۔

بعض لڑائیوں میں حجاج اور غزالہ کا سامنا ہو گیا، حجاج مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ نکلا، حالانکہ یہ وہی حجاج تھا جس سے سارا عراق اور حجاز کانپتا تھا ایک شاعر اسی واقعہ کو لکھ کر حجاج کو عار دلاتا ہے۔[1]

اسد علی وفی الحروب نعامة　　　فتخاء تصفر من صفير الصافر

هلا برزت الی غزالة فی الوغی　　　بل کان قلبک فی جناح طائر

حجاج مجھ پر تو شیر ہے، لیکن معرکوں میں بزدل اور سست شتر مرغ کی طرح بزدل ہو جاتا ہے، حجاج تو لڑائی میں غزالہ کے مقابلے میں کیوں نکلا؟ اور نکلتا کیونکر؟ تیرا دل تو دھڑک رہا تھا۔

۱۳۹ھ میں منصور کے ایام خلافت میں قیصر روم نے ملطیہ پر فوج کشی کر کے اس کو بالکل ویران کر دیا۔ منصور نے قیصر کی تادیب کو فوجیں روانہ کیں، صالح بن علی اور عباس بن محمد سپہ

---

[1] ابن خلکان، ج ۱ ص ۲۲۳، تفصیل اور تاریخوں سے لی گئی ہے۔

سالار تھے، ان لوگوں نے جا کر پہلے ملطیہ کو از سر نو آباد کیا، اور پھر قسطنطنیہ کی طرف فوجیں بڑھائیں اور قیصر کے بہت سے شہروں پر قبضہ کرلیا، ام عیسیٰ بنت علی اور لبابہ بنت علی، صالح کی بہنیں اور خلیفہ منصور کی پھوپھیاں تھیں۔ انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ جب بنوامیہ کی حکومت برباد ہو جائے گی، تو ہم جہاد کریں گی، چنانچہ ایفائے نذر کے لئے وہ بھی اس جہاد میں شریک تھیں۔[1]

۱۷۸ ہجری میں ہارون رشید کے زمانہ میں ولید بن طریف خارجی نے خابور اور نصیبین میں علم بغاوت بلند کیا، دربار کا ایک مشہور سردار یزید شیبانی اس بغاوت کے فرو کرنے کو بھیجا گیا، چند مقابلوں کے بعد خوراج نے شکست کھائی اور ولید مارا گیا، ولید کی بہن فارعہ کو جب اپنے بھائی کا حال معلوم ہوا، تو اس نے زرہ پہنی، سارے ہتھیار لگائے، اور گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی فوج پر حملہ آور ہوئی، یزید دوسروں کو ہٹا کر خود اس کے مقابلہ میں آیا، اور فارعہ کے گھوڑے کو ایک نیزہ مارا، اور فارعہ سے کہا تم کیوں اپنے خاندان کو بدنام کرتی ہو، جاؤ اور واپس جاؤ، فارعہ میدان سے پھری لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور اس زبان پر خود اس کی تصنیف کے یہ دردناک اشعار تھے۔

فیاشجر الخابور مالک مورقا کانک لم تجزع علی بن طریف

اے خابور (نام مقام) کے درخت! تم کیوں سرسبز ہو؟ گویا تم ولید کی موت پر بے قرار ہی نہ ہوئے۔

فتی لایحبّ الزادالا من التقےٰ ولا المال الا من قنا وسیوف

ولید ایک ایسا جوان تھا جو صرف زاد تقویٰ اور تیغ و نیزہ کی دولت پسند کرتا تھا۔

فقد ناک فقدان الشباب ولیتنا فدیناک من فتیا ننا بالوف

اے ولید! ہم نے تجھ کو اس طرح کھو دیا ہے، جس طرح جوانی کو کھو دے، کاش ہم اپنے ہزار جوان تیری ایک ذات پر فدا کرتے۔

علیه سلام اللّٰہ وقفا فاننی اری الموت وقاعاً بکل شریف

---

[1] ابن اثیر، جلد ۵ ص ۱۹۷

ولید پر خدا کی رحمت ہو، موت ایک دن ہر شریف کو آنے والی ہے۔

یہ پورا مرثیہ اس قدر بلند اور پُردرد ہے کہ اکثر علمائے ادب اس کو چشم ادب سے دیکھتے ہیں، ابوعلی قالی نے اپنی امالی میں اس کو نقل کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فارعہ کے مراثی غُرت خنساء کے ہم پلہ ہیں، اس مرثیہ کا پہلا شعر اس قدر مقبول ہے، کہ عموماً علمائے بدیع اس کو تجاہل عارفانہ کی مثال میں پیش کرتے ہیں۔

ولید کی اس بہن کا نام ابن خلکان نے فارعہ اور فاطمہ لکھا ہے، لیکن ابن اثیر نے اس کا نام لیلیٰ بتایا ہے، ابن خلدون نے اس واقعہ کو تو ذکر کیا ہے، لیکن اس کا کچھ نام نہیں لکھا ہے، بہر حال ہم کو کام سے غرض ہے، نام کچھ بھی ہو۔

قرونِ وسطیٰ میں صلیبی جنگ کا نہ صرف عیسائی مردوں پر نشہ چھایا تھا بلکہ عیسائی عورتیں تک جوش میں بھری ہوئی تھیں، اور بقول عماد کاتب بیسیوں عیسائی عورتیں میدانِ جنگ میں شریک تھیں، عام مسلمانوں میں صلیبی جنگ کے مقابلہ کے لئے جو جوش پھیلا تھا، عورتیں بھی اس سے بے اثر نہ تھیں اسامہ ایک مسلمان امیر تھا، جب وہ صلیبی جنگ میں شریک ہونے کو آیا تھا تو اس کی ماں اور بہنیں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ دونوں برابر ہتھیار لگا کر اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں، اور عیسائیوں پر حملہ کرنے میں اس کو مدد دیتی تھیں[1]

مسلمان ماؤں کے اسی مذہبی جوش کا اثر تھا کہ بچہ بچہ تک اس سے متاثر تھا، عیسائی ایک مدت سے عکا کا محاصرہ کیے ہوئے پڑے تھے۔ جب وہ تھک گئے اور ایک زمانے کی معیت کی وجہ سے مسلمانوں سے راہ و رسم پیدا ہوگئی تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ عیسائی اور مسلمان بچوں میں آپس میں مقابلہ ہونا چاہئے۔ کچھ عیسائی بچے ادھر سے اور کچھ بچے ادھر سے نکلے۔ دیر تک مقابلہ رہا، آخر اسلام کے ننھے ننھے ہاتھوں نے مسیحی بھیڑوں کے میمنوں کو رسیوں میں جکڑ کر باندھ دیا۔[2]

اسلام کے تاریخی محاسن کے ذکر میں عموماً ہندوستان کا نام نہیں آتا لیکن اس خاص مضمون میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ ہندوستان کا نام آئے گا، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں

---

[1] : یہ واقعہ احمد بک آجائف روسی کی کتاب حقوق المراۃ والاسلام سے لیا گیا ہے۔ [2] : الفتح القسی فی الفتح القدسی۔

مسلمانوں پر حملے کئے، عورتوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو شکست ہی ہوا چاہتی ہے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور مار مار کر گھوڑوں کے رخ پھر میدان جنگ کی طرف پھیر دیئے اور ایک عام شور برپا کر دیا مسلمانوں کی ہمت بندھی اور سنبھل گئے اور پلٹ کر اس زوروشور سے حملے کئے کہ ترک پھر نہ جم سکے گو اس موقع پر عورتوں نے تلواریں نہیں اٹھائیں لیکن یہ فتح بالکل عورتوں کی کوشش سے ہوئی اگر عورتیں ہمت نہ کرتیں تو مسلمان میدان جنگ چھوڑ چکے تھے[1]

اسلام میں خوارج کا فرقہ اپنی تاریخی حیثیت نہایت شہرت رکھتا ہے جن کے کارنامے بعض اسلامی فرقوں کی طرح صرف خوفناک سازشیں نہیں ہیں بلکہ بارہا حکومتوں اور جابرانہ شخصیتوں کے مقابلہ میں اس نے تلواریں بلند کی ہیں، گو طلب مساوات آزادی بیان اور تمنائے حریت کی بنا پر اس کی گردن ہمیشہ تلوار کے نیچے رہی لیکن اس کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اس کو بہت دنوں تک زندہ رکھا اور اب تک ہے سلطنت کے متعلق اس کے خیالات بالکل آج کل کے نہلسٹ فرقوں کے مشابہ تھے۔

۷۷ھ میں جب عبدالملک شام میں خلیفہ تھا اور حجاج ثقفی عراق کا گورنر تھا، شبیب خارجی نے موصل میں سلطنت کے خلاف سر اٹھایا، غزالہ شبیب کی بیوی اور جیزہ شبیب کی ماں بھی شریک جنگ رہتی تھیں، حجاج نے شبیب کے دبانے کو یکے بعد دیگرے پانچ سردار بھیجے، مگر ایک بھی میدان جنگ سے پھر کر واپس نہ آیا۔ آخر عبدالملک نے شام سے فوجیں بھیجیں اور حجاج خود ان کو لے کر نکلا۔

شبیب موصل سے کوفہ چلا لیکن حجاج اس سے پہلے کوفہ پہنچ کر ''قصر الامارۃ'' میں اتر چکا تھا غزالہ نے نذر مانی تھی کہ کوفہ کی جامع مسجد میں دو رکعت نفل پڑھوں گی، کچھ دن چڑھے غزالہ اپنے شوہر کے ساتھ صرف ستر آدمی لے کر جامع مسجد آئی حالانکہ سارا شہر دشمن تھا اور خود شامی فوجیں کوفہ میں بھری پڑی تھیں، شبیب تلوار کھینچ کر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور غزالہ نے اندر جا کر اطمینان سے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر معمولی نماز نہیں پہلی رکعت میں

---

[1] کامل ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۲۲۔

اکثر ایسی مسلمان عورتوں کے نام نظر آتے ہیں، جن کی بہادری، شجاعت، اولوالعزمی مردوں کے مقابلہ میں کسی قدر مرجح ثابت ہوتی ہے۔

شاہ التمتش کی بیٹی رضیہ سلطانہ جس نے اسلامی خواتین میں گو کم سلطنت کی مگر سب سے بہترین کی، ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا، لکھتا ہے، کہ ''رضیہ مردانہ لباس میں تمام ہتھیار لگا کر گھوڑے پر سوار باہر نکلتی تھی۔'' شاہانِ ہند کا معمول تھا کہ جب وہ شکار کو جاتے تھے۔ تو کل بیگمات اور کنیزیں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ التمتش شیر کے شکار کو گیا تھا، بیگمات پیچھے تھیں، ایک شیر نکل کر بادشاہ پر جھپٹا، اگر رضیہ نہ پہنچ گئی ہوتی تو بادشاہ بری طرح زخمی ہو گیا ہوتا، لیکن شیر دل رضیہ نے جھپٹ کر تلوار کے ایسی تابڑ توڑ وار کیے، کہ شیر نیم جان ہو کر گر پڑا۔

تختِ حکومت پر بیٹھ کر رضیہ نے وہ رعب قائم کیا کہ اعیانِ دولت تک کانپتے تھے، بعض امراء نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی زور نہیں چلتا، مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور صرف لفظی مخالفت نہیں، بلکہ فوجیں لئے ہوئے دہلی کے باہر پڑے تھے، رضیہ کی مدد کو جو باہر سے آتا تھا اس کو بھی توڑ کر ملا لیتے تھے۔ لیکن رضیہ نے تنہا اپنی تدبیر و دلیری سے ان کو ایسا پریشان کیا کہ وہ ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے۔ لیکن ان کو پناہ نہیں ملتی تھی۔ ۶۳۷ء میں جب حاکم لاہور نے سر اٹھایا تو خود فوج لے کر گئی، اس کے بعد بھٹنڈہ کے گورنر نے جب سرکشی کی تو پھر خود فوج لے کر نکلی، لیکن اپنے نوکروں کی سازش سے راستہ میں گرفتار ہو گئی، اور اس کی جگہ پر دہلی میں اس کے بھائی معز الدین کو لوگوں نے بادشاہ بنایا، رضیہ قید سے چھوٹی، تو نئے سرے سے ایک لشکر ترتیب دے کر دو تین مرتبہ تختِ دہلی کے لئے لڑی، لیکن چونکہ رضیہ کی فوج بالکل نئی اور بھرتی کی تھی ہمیشہ شکست کھاتی رہی تھی۔[1]

اس سلسلہ میں سلطان علاؤالدین کے عہد کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے جس سے اسلامی ہندوستان کی تاریخ عظمت کسی قدر بڑھ جاتی ہے شاہانِ ہند کے مرقع میں علاؤالدین خلجی کی تصویر ایک خاص امتیاز رکھتی ہے جسکے چہرے سے اولوالعزمی، بلند خیالی،

---

[1] : تاریخ اکبری قلمی، از ملا نظام الدین ہروی ذکر سلطنتِ رضیہ۔

جلالت شان کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، سلطان نے جب سیل تاتار کو روک کر پیچھے ہٹا دیا، جس کو نہ بغداد و خوارزم کے مستحکم قلعے ہٹا سکے تھے، اور چین کی بلند دیواریں روک سکیں تھیں، اور نہ ایران و روس کی طاقتیں دبا سکیں تھیں تو سلطان کو سکندر اعظم کی عالمگیر حکومت کا خیال پیدا ہوا اس نے ایک دن برسبیل تذکرہ کہا کہ اب ہندوستان میں کوایسی ریاست نہیں ہے جو مجھ سے سرکشی کر سکے۔ قلعہ جالور کا راجہ کانیر دیو دربار میں حاضر تھا۔ اس نے نہایت بددماغی سے متکبرانہ لہجہ میں کہا کہ جالور کا قلعہ کبھی مطیع نہیں ہو سکتا۔

سلطان برہم تو ہوا لیکن اس وقت اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا، دو تین دن کے بعد راجہ کو دہلی سے رخصت کر دیا، اور مہلت دی کہ قلعہ جالور کو جس قدر محفوظ کر سکتا ہے کر لے، اور دو تین مہینے کے بعد سلطان نے اپنی ایک لونڈی کو جس کا نام گل بہشت تھا، سپہ سالار بنا کر جالور کی مہم پر روانہ کیا، گل بہشت اپنی فوج لئے ہوئے برق و باد کی طرح جالور پہنچی راجہ مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا، گل بہشت نے راجہ کو محصور کر لیا، اور اس بہادری اور دلیری سے اس نے قلعہ پر حملہ کرنا شروع کیا، کہ راجہ کو اس کا گمان تک نہ تھا، قلعہ فتح ہونے میں کچھ ہی دیر تھی کہ یک بیک گل بہشت بیمار پڑی اور ایسی شدید بیمار پڑی کہ پھر نہ اٹھی، گل بہشت سب کچھ کر سکتی تھی، لیکن موت کا حملہ نہیں روک سکتی تھی۔

گل بہشت کے مرنے پر راجہ شیر ہو گیا، اور قلعہ کھول کر شاہی فوج کو اس نے بہت پیچھے ہٹا دیا، گل بہشت کا لخت جگر شاہین راجہ کے ہاتھ سے مارا گیا، آخر دہلی سے ایک نئے سپہ سالار کمال الدین نے پہنچ کر جالور فتح کر لیا۔[1]

ساتویں صدی کے اختتام اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں دنیا میں ایک عجیب انقلاب پیدا ہوا، امیر تیمور کیا تھا ترکستان کے حدود میں ایک آندھی اٹھی تھی۔ جس سے ترکوں کی مضبوط سلطنت ہل گئی۔ دمشق و عرب متزلزل ہو گیا، تغلق خاندان کی شمع حیات بجھ گئی، اور مغل اعظم کی اس عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی، جس سے بہتر کوئی حکومت ہندوستان میں قائم نہیں ہوئی، گو اس فتح کا ثمرہ خود تیموری نسل کو پورے سوا سو برس کے بعد

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۸۔

حاصل ہوا۔لیکن دراصل اس مدت میں سیّدوں اور لودھیوں کا دورِ حکومت اس تیموری تاریخ کی تمہید تھا، جس کا سرنامہ ظہیر الدین شاہ بابر کے طغرے مزّین ہے۔

لیکن کیا ان فتوحات میں عورتوں کی کوئی کوشش شامل نہ تھی؟ امیر تیمور کے کشورستان لشکر میں بہت سی عورتیں تھیں جو میدانوں میں لڑتی تھیں ،اور معرکوں میں گھستی تھیں۔ بہادروں سے مقابلہ کرتی تھیں،تلواریں چلاتی تھیں، نیزے لگاتی تھیں، تیر مارتی تھیں،غرض کسی بات میں وہ مردوں سے کم نہ تھی، کیا تیموری کارناموں میں ان عورتوں کو کوئی حصہ نہ ملے گا۔[1]

تیموری نسل کا ہر ایک شاہزادہ شجاعت مجسم تھا لیکن کیا تم یہ ناانصافی کر سکتے ہو کہ تیموری شاہزادیوں کو ان کی وراثت سے الگ کردو؟ بابر نامہ، ہمایوں نامہ، تزک جہانگیر دیکھو ہر جگہ نظر آئے گا، کہ تیموری خواتین برابر ہتھیار لگاتی تھیں،گھوڑوں پر سوار ہوتی تھیں، شکار کھیلتی تھیں، شیر مارتی تھیں، چوگان کھیلتی تھیں، تیر چلاتی تھیں،غرض فن سپہ گری سے خوب واقف تھیں،تزک بابری کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بابر کو جو فتوحات کابل، سمرقند،فرغانہ وغیرہ میں حاصل ہوئیں، ان میں عورتوں کو بھی دخل تھا۔

نورجہاں تیمور و بابر کی بیٹی نہ تھی لیکن بہو تھی، اکثر نورجہاں ہاتھی پر سوار ہو کر سیر و شکار کو نکل جاتی تھی،اور ایک ایک گولی میں شیر کو ٹھنڈا کر دیتی تھی، جہانگیر تزک جہانگیری میں نورجہاں کے شکاروں کا بڑی مسرت سے تذکرہ کرتا ہے،اور ایک جگہ لکھتا ہے

''ایک مرتبہ میں شکار کو نکلا ایک ہاتھی پر رستم خان اور میں تھا،اور دوسرے ہاتھی پر نورجہاں تھی، سامنے جھاڑیوں میں شیر تھا، ہاتھی شیر کی بو پا کر کانپنے لگتا ہے،اس اضطراب وجنبش میں نشانہ ٹھیک لگنا،اور پھر عماری میں بیٹھ کر،نہایت مشکل ہے،قدر اندازی میں میرے بعد رستم خاں کا کوئی ثانی نہیں ہے، مگر ہاتھی پر بیٹھ کر اکثر اس کے تین تین اور چار چار نشانے خطا کر جاتے ہیں،لیکن نورجہاں نے عماری میں بیٹھے بیٹھے پہلی ہی آواز میں شیر کو ٹھنڈا کر دیا۔[2]

ایک مرتبہ نورجہاں جہانگیر کے ساتھ شکار کھیلنے گئی، ہاتھی پر سوار تھی، سامنے سے چار شیر

---

[1]: عجائب المقدور ابن عرب شاہ ص ۲۳۳۔ [2]: تزک جہانگیری ص ۲۷۹۔

نکلے، لیکن نور جہاں کی پیشانی پر بَل تک نہ آیا، اس نے نہایت اطمینان سے بندوق چلائی، اور دو شیروں کو ایک ایک گولی میں اور دو کو دو دو گولیوں میں ٹھنڈا کر دیا، جہانگیر نہایت خوش ہوا، اور چند بیش قیمت زیور نور جہاں کو انعام دیئے، اس موقعہ پر ایک شاعر نے برجستہ یہ شعر پڑھا۔

نور جہاں گرچہ بصورت زن است　　در صف مرداں ''زنِ شیر افگن'' است

نور جہاں چونکہ پہلے علی قلی خاں شیر افگن کی بیوی تھی، اس لئے ''زنِ شیر افگن'' کی ترکیب نے اس شعر کو بامزہ کر دیا ہے۔

جہانگیر کے اخیر عہد میں نور جہاں کے بھائی آصف خاں کے سبب سے نور جہاں اور جہانگیر دونوں کے دل مہابت خاں کی طرف سے صاف نہ تھے، آصف خاں کی کوشش تھی۔ کہ مہابت خاں ذلیل ہو، جہانگیر دریائے بھٹ کے قریب خیمہ زن تھا، آصف خاں ایک دن پہلے فوج سمیت دریا کر اس پار چلا گیا تھا، مہابت خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور جہانگیر کو گرفتار کر لیا، نور جہاں کو موقع ملا، تو وہ دریا سے اس پار جا کر فوج سے مل گئی، اور وہاں اس نے امرأ و اعیان دولت کو بلا کر سخت ملامت کی، کہ صرف تمہاری بے احتیاطی سے بادشاہ گرفتار ہو گیا، انہوں نے بالاتفاق کہا کہ مناسب یہ ہے کہ کُل حضور کی رکاب میں کل فوج شاہی دریا کے اس پار جا کر جس طرح ہو بادشاہ کی قدم بوسی حاصل کرے۔

صبح کو کل فوج تیار ہوئی، مہابت خاں نے پُل تو پہلے ہی جلا دیا تھا، سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے اور ہاتھی دریا میں ڈال دیے ، نور جہاں بھی ایک ہاتھی پر سوار تھی، نور جہاں کے ساتھ شہزادہ شہریار کی بہن اور شاہنواز خاں کی بیٹی بھی تھی، ابھی فوج دریا ہی میں تھی، کہ مہابت خاں نے حملہ کر دیا، ایک تو فوج دریا میں منتشر تھی ہی اور منتشر ہو گئی، عجیب ابتری پھیل گئی، نور جہاں نے خواجہ ابوالحسن اور معتمد خاں کو کہلا بھیجا کہ دیکھتے کیا ہو؟ تم بھی جواب دو، اتنے میں مہابت خاں کے سواروں نے آ کر نور جہاں کے ہاتھی کو گھیر لیا، نور جہاں کی عماری تیروں کا نشانہ بن گئی، یہاں تک کہ ایک تیر عماری کے اندر بھی چلا آیا، اور شہزادی کے

بازو میں آ کر لگا، تمام کپڑے خون میں تر بہ تر ہو گئے، نور جہاں نے اپنے ہاتھ سے تیر نکال کر باہر پھینک دیا، نور جہاں کے ساتھ جو خواجہ سرا تھے، وہ بھی تمام آئے، نور جہاں کا ہاتھی زخموں سے چور چور ہو کر بھاگ نکلا، آخر بڑی مشکل سے وہ اپنے فرودگاہ کو پہنچ سکی، اگر ہاتھی سنبھلا رہتا، تو ممکن تھا کہ نور جہاں لڑنے میں بھی دریغ نہ کرتی۔[1]

مرزا ہادی نے تزک جہانگیری کے خاتمہ میں ایک عورت کی بہادری کا عجیب واقعہ لکھا ہے، گو اس کے اخلاق کی مذمت بھی کی ہے۔

جہانگیر کے زمانہ میں دولت آباد کا قلعہ نظام الملک سے تعلق رکھتا تھا، حمید خاں حبشی نظام الملک کے دربار کا وکیل تھا، اور محل میں بالکل حمید خاں کی بیوی کا عمل دخل تھا، گو ایک معمولی عورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ نظام الملک کے دربار میں اس کا اتنا رسوخ بڑھا، کہ جس پر یہ سوار ہو کر نکلتی تھی، تو سردارانِ فوج وامرائے دولت پیادہ اس کے رکاب میں چلتے تھے، نظام الملک ان دنوں میاں بیوی کے ہاتھوں میں ایک کٹھ پتلی تھا۔

اسی زمانہ میں عادل خاں نے ایک بڑی فوج نظام الملک سے لڑنے کو بھیجی، نظام الملک کو فکر ہوئی کہ اس کے مقابلہ میں کس کو بھیجا جائے؟ حمید بیگم نے کہا کہ میں خود جاؤں گی، اگر جیتی، جیتی، اور اگر ہاری تو عورتوں کا اعتبار ہی کیا؟ چنانچہ نظام الملک کی رضامندی سے حمید بیگم فوج لے کر روانہ ہوئی، راستہ بھر اپنے سپاہیوں کو انعام واکرام سے خوش کرتی گئی، جب دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، تو حمید بیگم خود تمام ہتھیار سے مسلح ہو کر میدان میں آئی، اور پہاڑ کی طرح عرصہ کارزار میں کھڑی رہی، اور اس بہادری اور دلیری سے اپنی فوج کو لڑاتی رہی کہ تھوڑی ہی دیر میں عادل کا شاہی لشکر اس بے سروسامانی سے بھاگا، کہ تمام ہاتھی اور توپ خانے میدانِ جنگ میں چھوڑ گیا۔

مرزا کے خاص الفاظ یہ ہیں

''نقاب بر قامت رعنا افگندہ براسپ سواری شد، خنجر وشمشیر مرصع بکمر می بست، بعد از نکہ تلاقی صفین ومحاذات فئتین اتفاق افتاد از علو ہمت وعلو جرات دلیرانہ بالشکر

[1]: تزک جہانگیری، ص ۴۰۴، ۴۰۵۔

عادل خوانی مصاف دادہ سپاہ وسرداران رابقتل وحرب وضرب ترغیب وتحریص نمودہ، قدم مردانگی رادرآں بحرِ وغاولجۂ ہیجان چوں کوہ استوار برجاداشت، وآں غنیم ودشمن عظیم راشکست فاش دادہ جمیع فیلان وتوپ خانہ درابدست آوردہ سالماً وغانماً مراجعت برافراخت۔''

مسلمان عورتوں کی ہمت مردانہ کاایک اور عجیب واقعہ ہے

عادل شاہی خاندان جس کے دائرہ حکومت کا مرکز شہر بیجا پور تھا، پونچی خاتون اس کے سب سے پہلے بادشاہ یوسف عادل شاہ کی بیوی تھی، یوسف عادل شاہ نے ۹۱۶ھ میں وفات پائی اس کا نابالغ فرزند اسمٰعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا، کمال خاں دکنی نائب السلطنت مقرر ہوا، گونام اسماعیل عادل شاہ کا تھا، لیکن سلطنت کمال خاں کرتا تھا، اس کو ایک دن خیال ہوا کہ اس نام کو کیوں نہ مٹا دیا جائے؟

پونچی خاتون کمال خاں کے اس ارادے سے غافل نہ تھی، اس نے کمال خاں کے برطرف کرنے کی کوشش شروع کی، لیکن وہ کیا کرسکتی تھی، تمام اعیانِ دربار وسردارانِ فوج کمال خاں کے قبضہ میں تھے، پونچی خاتون نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا، کہ یا کمال خاں معدوم کردیا جائے یا عادل شاہی خاندان معدوم ہو، اس نے موقع دیکھ کر یوسف ترک کو جو اسماعیل عادل شاہ کو کہ تھا، کل مراتب سمجھا بجھا کر کمال خاں کے پاس بھیجا، یوسف نے چپ چاپ ایک ہی خنجر میں کمال خاں کا کام تمام کردیا، یوسف گرفتار ہو گیا، اور آخر وہ بھی وہیں ڈھیر کردیا گیا۔

کمال خاں کی ماں نے اسی وقت کمال خاں کے بیٹے صفدر خاں کو بلا کر معاملہ سے خبردار کیا، اور کہا ابھی اسماعیل عادل شاہ اور پونچی خاتون کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاؤ، تمام فوج تمہارا ساتھ دے گی، صفدر خاں باپ کی لاش دیکھ کر چاہتا تھا کہ چیخ مارے، ماں نے کہا خبردار! کمال کے مرنے کی خبر نہ پھیلے، لوگوں سے جا کر کہہ! کہ کمال خاں کہتا ہے، کہ اسماعیل عادل شاہ کا سر چاہیے۔

پونچی خاتون پہلے سے سمجھتی تھی کہ یہ آفت آنے والی ہے، قلعہ میں اس وقت کمال خاں کی طرف سے تین سو مغل، اور دو تین سو دکنی اور حبشی سپاہی تھے، پونچی خاتون نے ان کو بلا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ یہ تخت عادل شاہ کا ہے، اسماعیل ابھی بچہ ہے، کمال خاں ہم کو الگ کر کے خود بادشاہ بننا چاہتا ہے، تم میں جو عادل شاہی تخت کا وفادار ہو، وہ ہمارے ساتھ قلع میں رہے، اور ہماری مدد کرے، اور جس کو اپنی جان عزیز ہو، وہ قلعہ سے نکل جائے، تم دشمنوں کی کثرت سے نہ ڈرو، کمال خاں کو کفرانِ نعمت کی سزا ضرور ملے گی، ظاہر ہے کہ ایسی مایوسی کی حالت میں کمال خاں کو چھوڑ کر کون پونچی خاتون کا ساتھ دیتا؟ تین سو مغلوں میں سے ڈھائی سو، اور دو تین سو حبشیوں اور دکنیوں میں سے صرف سترہ سپاہیوں نے پونچی خاتون کی معیت گوارا کی، اور باقی قلعہ سے نکل کر صفدر خاں سے مل گئے، پونچی خاتون نے یہ بھی بڑی عقل مندی کی، کہ غداروں سے پہلے ہی قلعہ پاک کر لیا، عین موقعہ پر اگر یہ دشمنوں سے مل جاتے تو کیا ہوتا؟

پونچی خاتون پہلے چاروں طرف سے اپنے کو قلعہ بند کر لیا، اور انہی دو تین سو سپاہیوں کو محل کی چھت پر کھڑا کر دیا، اور خود پونچی خاتون، دل شاد آغا، یوسف عادل شاہ کی بہن اور چند عورتیں اسماعیل عادل شاہ کے ساتھ تیر و کمان ہاتھ میں لے کر چھت پر کھڑی ہو گئیں، صفدر خاں ایک بڑی جمعیت سے قلعہ کی طرف آیا، پونچی خاتون، دل شاد آغا اور سپاہیوں نے صفدر خاں کو تیر اور پتھروں پر دَھر لیا، اور اتفاق سے اسی وقت مصطفیٰ آقا عادل شاہی خاندان کا ایک قدیم نمک خوار پچاس توپچیوں کو لے کر خاتون کی مدد کو آیا، ان توپچیوں نے اوپر پہنچ کر گولے اڑانے شروع کر دیئے، صفدر خاں اپنی ماں کے حکم سے پھرا کہ بڑی توپیں لگا کر ابھی قلعہ ریزہ ریزہ کر دیا جائے، پونچی خاتون اور عورتوں نے کہا کہ اگر توپیں آ گئیں، تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا، اس سے پہلے کوئی تدبیر بن جائے، تو بن جائے، رائے یہ ہوئی کہ سپاہیوں کو چھپ جانا چاہیے، اور تمام عورتیں یہیں کھڑی رہیں، دشمن سمجھیں گے کہ سپاہی ان عورتوں کو قلعہ میں چھوڑ کر بھاگ گئے، چنانچہ ایسا ہی کیا، سپاہی سب ادھر ادھر چھپ گئے اور عورتیں کھڑی رہیں، غنیم، جب نظر پڑی تو دیکھا کہ صرف عورتیں ہیں، ان کی ہمت ہوئی اور

پلٹ کرانہوں نے دوبارہ حملہ کیا، قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا عورتوں نے انگلی تک نہ ہلائی اور کھڑی دیکھتیں رہیں صفدر خان چاہتا تھا کہ پہلا دروازہ توڑ کر دوسرا دروازہ بھی توڑ ڈالے کہ سپاہیوں نے نکل کراس زور سے حملہ کیا کہ دشمن پھر نہ تھم سکے۔[1]

دوتین سو آدمیوں سے فوج کا مقابلہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے نظام شاہی خاندان جس نے دکن میں تقریباً سوا سو برس تک نہایت کامیابی سے حکومت کی اور جس کا دارالحکومت شہر احمد نگر تھا اس کی ایک شہزادی نے جس دلیری اور استقلال کے ساتھ اکبر اعظم کی فوج کا مقابلہ کیا وہ قابل حیرت امر ہے چاند خاتون نظام شاہی خاندان کی چشم و چراغ اور عادل شاہی خاندان کی بہو تھی، حسین نظام شاہ بحری (احمد نگری) اس کا باپ تھا اور علی عادل شاہ بیجاپوری اس کا شوہر تھا علی عادل شاہ کے مرنے پر بیجاپور سے احمد نگر چلی آئی تھی اور یہیں رہتی تھی۔

اکبر کو جب ہندوستان کی مہمات سے فرصت ملی تو اس کو تسخیر دکن کی فکر ہوئی شہزادہ مراد اور خانخانان اس مہم پر بھیجے گئے اس وقت تخت احمد نگر پر برہان نظام شاہ جلوہ افروز تھا، نظام شاہ نے صوبہ برار اکبر کو پیش کر دیا لیکن اس معاملہ سے اختتام سے پہلے برہان شاہ کا انتقال ہوگیا اور برار پر اکبر کا قبضہ نہ ہوسکا، شہزادہ مراد اور خانخانان موقع کی تاک میں گجرات میں فوج لئے ہوئے پڑے تھے اسی اثناء میں برہان کا جانشین ابراہیم شاہ امراء کے ہاتھ سے مارا گیا۔ منجھو خان وکیل سلطنت اور آہنگ خان اور اخلاص تینوں میں تخت نشینی کے لئے جھگڑا ہوا ہر ایک نے اپنا ایک جدا جدا بادشاہ بنالیا آخر آپس کا نفاق بڑھا اور خون ریزیوں تک نوبت پہنچی منجھو خان نے جل کر شہزادہ مراد کولکھ دیا کہ نظام شاہی قوت فنا ہو چکی ہے آپ ادھر کا رخ کیجئے میں بلا تامل احمد نگر کا قلعہ آپ کے حوالے کر دوں گا مراد چل کھڑا ہوا۔ خانخاناں بھی شاہ رخ مرزا والی، بدخشاں، شہباز خان، راجہ جگن ناتھ، راجہ درگاہ، راجہ رام چندر اور دیگر امراء کو لے کر روانہ ہوا جب یہ لوگ احمد نگر کے قریب پہنچ گئے تو منجھو خاں کو اپنی عجلت کاری پر سخت ندامت ہوئی کیونکہ اس اثنا میں منجھو خان تمام مخالف قوتوں کو دبا کر خود مختار ہو

---

[1]: تاریخ فرشتہ، جلد ۲ ص ۱۶ اور ۱۷۔

چکا تھا ناچار قلعہ چھوڑ کر نکل گیا۔

چاند خاتون نے دیکھا کہ ہماری آبائی حکومت معدوم ہوا چاہتی ہے اس نے عزم کرلیا کہ جس طرح ہوگا میں سلطنت کو بچاؤں گی۔ اس نے خود پہلے اپنے بعض مخالف امراء کو قلعہ سے علیحدہ کیا اور بعض کو توڑ جوڑ کر کے ملالیا۔ قطب شاہ (گولکنڈہ) اور عادل شاہ (بیجاپور) سے امدادیں طلب کیں اور قلعہ کو ہر طرف سے مضبوط کر کے شہزادہ مراد اور خانخاناں کی منتظر رہی۔ شہزادہ مراد نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۰۰۴ھ کو اپنی فوج قلعہ کی طرف بڑھائی، چاند خاتون نے بھی حکم دیا کہ ہماری توپوں کے منہ کھول دیئے جائیں تمام دن مراد کوشش کرتا رہا کہ قلعہ پہنچ جائے مگر چاند خاتون نے ایک قدم بھی آگے بڑھنے نہ دیا شام کو مراد تھک کر خود ہٹ گیا دوسرے دن شہزادہ مراد، شاہ رخ مرزا، خانخاناں، شہباز خان، راجہ جگن ناتھ وغیرہ نے مورچہ ڈال کر چاروں طرف سے قلعہ کا محاصرہ کرلیا بعض نظام شاہی امراء نے لڑ بھڑ کر چاند خاتون کی مدد کو قلعہ میں جانا چاہا مگر خانخاناں نے جانے نہ دیا۔ شاہزادہ مراد اور خانخاناں مہینوں قلعہ کا محاصر کئے پڑے رہے مگر وہ قلعہ کو ٹھیس بھی نہ لگا سکے۔

ادھر چاند خاتون کی حسب درخواست عادل شاہ نے پچیس ہزار سوار چاند خاتون کی مدد کو بھیجے، قطب شاہ نے پانچ چھ ہزار اور کچھ پیادے روانہ کئے منجھو خان، اخلاص خاں، آہنگ خاں، امرائے نظام شاہی بھی اسی فوج کے ساتھ ہوگئے، غرض اس طرح مل ملا کر ایک زبردست فوج تیار ہوگئی شہزادہ مراد کو اس فوج کا جب حال معلوم ہوا، تو گھبرا گیا، تمام فوج میں کھلبلی مچ گئی، آخر رائے یہ قرار پائی کہ اس فوج کے آنے سے پہلے پہلے قلعہ لے لینا چاہیے، یوں لڑ کر قلعہ میں گھس جانا تو ممکن نہ تھا، تین مہینے میں یہاں سے لے کر قلعہ کے برج تک پانچ سرنگیں کھودی گئی، اور ان میں بارود بچھادی گئی، کہ آگ لگا کر قلعہ اڑا دیا جائے۔

چاند خاتون کو ان سرنگوں کی خبر لگ گئی، اس نے اسی وقت بارود نکال کر سرنگوں کو بھرنا شروع کردیا، شہزادہ مراد کو تو اس کی جلدی تھی کہ اس قلعہ کی فتح میرے نام لکھی جائے، خانخاناں کا اس میں ہاتھ بھی نہ لگنے پائے، دوپہر کو خانخاناں کے سوا تمام امراء اور فوج کو لے کر قلعہ کے رخ پر مستعد کھڑا ہوگیا، کہ ادھر بارود سے قلعہ اڑا اور ادھر پہنچا، چاند خاتون

اس وقت تک دو سرنگیں بھروا چکی تھی، اور تیسری کھودی جارہی تھی، کہ شہزادہ نے سرنگوں میں آگ لگانے کا حکم دیا، اس زور کی ایک آواز ہوئی اور ایک دھماکہ ہوا کہ لوگ سمجھے کہ آسمان پھٹ پڑا، یا بجلی ٹوٹ پڑی، اور قلعہ کی پچاس گز دیوار دھم سے گر پڑی، سامنے شہزادہ اپنے خون خوار راجپوتوں اور مغلوں کے ساتھ کھڑا نظر آیا، قیامت ہوگئی، لوگوں کے دل بیٹھ گئے، کام کرنے والوں نے کام چھوڑ دیا، سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوج کے سردار بھاگ کھڑے ہوئے، غرض سارے قلعہ میں عجیب سراسیمگی اور بدحواسی پھیل گئی۔

چاند خاتون کی ہمت دیکھو، اسی وقت گھوڑے پر سوار، مسلح، ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے سراپردہ سے باہر نکل آئی، شہزادہ اس فکر میں تھا کہ باقی دو سرنگیں بھی اڑیں تو حملہ کیا جائے، لیکن وہ سرنگیں ہوں بھی، چاند خاتون نے اتنی ہی دیر میں جلدی جلدی کر کے بیسیوں آتش بار توپیں اس شگاف میں کھڑی کر دیں، تمام فوج کو تسکین دے کر پھر لڑنے پر آمادہ کر دیا، مغلوں اور راجپوتوں نے جان توڑ کر حملے کئے شہزادہ مراد نے سر پٹک پٹک مارا، مگر چاند خاتون نے ایک انچ بھی قلعہ نہ دیا، اور اس ہمت اور دلیری سے فوج کو لڑاتی رہی کہ قلعہ کی خندق شام تک مغلوں اور راجپوتوں کی لاشوں سے پٹ گئی، شام کو شہزادہ ناکام پلٹا، رات بھر میں چاند خاتون نے خود مسلح کھڑی ہو کر پچاس گز قلعہ کی دیوار تین گز بلند کر دی، صبح کو مراد نے دیکھا تو پھر وہی پہلی دیوار حائل تھی، موافق اور مخالف دونوں کے منہ سے چاند خاتون کی اس اولوالعزمی، استقلال اور بہادری پر صدائے آفرین وتحسین بلند ہوگئی، اور اسی وقت سے چاند خاتون کا لقب چاند سلطان ہو گیا۔

اس ناکامی سے شہزادہ کا دل چھوٹ گیا، امرائے اکبری میں مقابلہ کی قوت نہ رہی، ناچار صلح کرنی چاہی، اول تو چاند سلطان نے انکار کیا، کہ غنیم بے دل ہو چکے ہیں، تھوڑی سی کوشش سے ان کو ہزیمت ہو سکتی ہے، لیکن چونکہ لوگ قلعہ میں بند بند گھبرا گئے تھے، اس لئے چاند سلطان نے بھی آخر صلح منظور کر لی، اور حسب قرار داد برابر کا صوبہ شاہزادہ مراد کے حوالہ کر دیا۔[1]

---

[1] تاریخ رشید الدین خانی ص ۱۹۹۔

غور کرو! کیا اس بھی زیادہ کسی عورت کی بہادری ہو سکتی ہے؟ سلطنت کی بنیاد کمزور، امراء میں نفاق اور خانہ جنگی، قلعہ میں فوج نہیں، سامانِ رسد نہیں، قلعہ کی دیوار شکستہ اور منہدم، پہلے سے حفاظتِ قلعہ کا خیال نہیں، اور پھر مقابلہ اکبر اعظم اور خانخاناں سے، ایسی حالت میں غنیم کو ہٹا کر قلعہ کو بچا لینا مسلمان عورتوں کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

ہم نے اپنی یہ داستان جس سرزمین اقدس سے شروع کی تھی، آخر میں ہم پھر اسی کے ایک گوشہ میں آکر پناہ لیتے ہیں، یہ گوشۂ عرب یمن کے نام سے مشہور ہے، پانچویں صدی ہجری کے وسط میں یہ علاقہ خلافت عباسیہ کے احاطۂ اقتدار سے نکل کر دولت فاطمیہ مصر کے قبضہ میں چلا گیا، اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ یمن میں ایک مقام خزار ہے، وہاں مشہور قدیم قاضیوں کا خاندان تھا، جو آل صلیح کے نام سے مشہور تھا، وہاں فاطمیوں کی طرف سے ایک داعی ومبلغ پہنچا، اس نے اس خاندان کے ایک نوجوان لڑکے میں نجابت اور اولوالعزمی کے غیر معمولی آثار دیکھ کر اس کو اپنے رنگ میں لانا شروع کیا، اور اسماعیلی مذہب کی اس کو تلقین کی، اس کا نام علی بن محمد صلیحی تھا، علی نے جوان ہو کر حوصلہ مندیوں اور اولوالعزمیوں کے پروبال پیدا کئے، علی کی چچازاد بہن تھی جس کا نام اسماء تھا، یہ لڑکی حسن و جمال، تدبیر و دانش، علم و فضل، مردانگی و شجاعت میں بے مثال تھی، علی کی شادی اسماء سے ہوئی، قدرتِ الٰہی نے اس طرح گویا دو قوتوں کو باہم منضم کر کے یمن کی آئندہ قسمت کا ہیولیٰ تیار کر دی، اور ان دونوں کی ہمتوں اور تدبیروں سے پورا ملک یمن ان کے قبضہ اختیار میں آ گیا۔

علی صلیحی کو دشمنوں سے جو معرکے پیش آئے، اس میں اسماء اس کی دست و بازو تھی، ایک دفعہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف کوچ کر رہی تھی کہ دفعۃً دشمنوں نے چھاپا مارا، صلیحی کے ساتھ آدمی کم تھے، اس کو شکست ہوئی، اور اسماء دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئی، اور ایک زمانہ تک ان کے پاس قید رہی، اور بالآخر خود اپنی ہی تدبیروں سے قید و بند کے دروازے کو توڑ کر باہر نکل آئی، اس نے سخت چوکی پہرہ کے باوجود، روٹی کے اندر ایک خط رکھ کر قاصد کو جو ایک سائل کی صورت میں تھا، اپنے بیٹے کے پاس روانہ کیا، وہ ایک فوج گراں لے کر موقع پر آ پہنچا، اور اسماء آزاد تھی، جب تک زندہ رہی یمن کی ملکہ وہی

تھی، ۴۹۷ھ میں اس نے وفات پائی۔

اسماء کے آغوش تربیت میں دو اور بہادر خاتونانِ اسلام پل کر جوان ہوئی، ایک اس کی لڑکی فاطمہ اور دوسری اس کی بہو سیدہ۔ فاطمہ نے تو اپنے شوہر کی قید سے جس نے دوسری شادی کر لی تھی، مردانہ وار گلوخلاصی حاصل کی، چپکے سے اپنی ماں کو پیغام بھیجا اور وہاں سے فوج منگوا کر مردانہ بھیس بدل کر چل کھڑی ہوئی۔

سیدہ اپنی ساس اسماء کی وفات کے بعد یمن کی ملکہ ہوئی، اس کا شوہر مکرم عیاش اور راحت طلب تھا، سیدہ نے سلطنت کے بار کو نہایت عمدگی سے اٹھایا، بہت سی عمارتیں بنوائیں، شہر آباد کئے، فوج کشیاں کیں، دشمنوں کو تلواروں اور تدبیروں دونوں سے زیر کیا، دولت فاطمیہ کی طرف سے جو مراسلے آتے تھے۔ ان میں اس کے لئے بڑے بڑے القاب شاہی استعمال کئے جاتے تھے۔[1]

ابھی ہم کو بیسیوں اسلامی ممالک اور سیکڑوں اسلامی شاہی خاندانوں کے تاریخی اوراق الٹنے باقی ہیں، ایران و ترکستان و روم و افریقہ و مراکش و اندلس کے اسلامی خاندانوں کی بہادر خواتین کے متعلق حالات اس مختصر رسالہ میں نہیں آئے، حالانکہ ان ملکوں اور خاندانوں میں بہادر خواتینِ اسلام کی کمی نہیں، لیکن افسوس کہ دوسرے ضروری کاموں کی مصروفیت مزید تفصیل کی اجازت نہیں دیتی، مگر جاتے جاتے ہم خواتینِ اسلام کی ایک روحانی شجاعت و بہادری کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو اس جسمانی شجاعت و بہادری سے بدرجہا بلند و برتر ہے، اس سے مراد ان کی اخلاقی و روحانی شجاعت و جرأت ہے۔

آغازِ اسلام میں متعدد خواتین نے اپنے دین و ایمان کی خاطر سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائی ہیں، مگر کبھی جادۂ حق سے روگردانی نہیں کی، حضرت سُمَیہ حضرت عمار بن یاسر مشہور صحابی کی والدہ تھیں، ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں ایسی برچھی ماری کہ وہی جانبر نہ ہو سکیں۔

ام فکیہہؓ ایک صحابیہ تھیں، حضرت عمرؓ اپنے اسلام سے پہلے ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے "میں نے رحم کھا کر تجھ کو نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس لئے چھوڑا ہے کہ تھک گیا ہوں" وہ

---

[1] یمن کے یہ تمام واقعات تاریخ عمارہ یمنی مطبوعہ انڈیا آفس لندن میں مذکور ہیں۔

نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ "عمر! اگر تم مسلمان نہ ہو گے تو خدا تم سے ان بے رحمیوں کا انتقام لے گا" حضرت زنیرہؓ ایک اور صحابیہ تھیں، وہ بھی اسلام کی راہ میں بے حد ستائی گئیں، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ یہ دونوں بھی صحابیہ تھیں، یہ بھی اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں [1]

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب بنوامیہ کے مقابلہ میں حجاز میں اپنی خلافت قائم کی، اور حجاج نے ان پر بڑے سروسامان سے فوج کشی کی، تو ان کے رفقاء نے ان سے علیحدہ ہونا شروع کر دیا، مخلصوں کی ایک بہت چھوٹی سی جماعت ان کے ساتھ رہ گئی، اس وقت حضرت ابن زبیرؓ گھبرا کر اپنی ماں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیقؓ کے پاس گئے اور اجازت طلب کی کہ اگر مناسب ہو تو "میں حجاج سے صلح کرلوں؟" بہادر ماں نے جواب دیا فرزند من! اگر تم باطل پر ہو تو آج سے بہت پہلے تم کو صلح کر لینی چاہیے تھی، اور اگر حق پر ہو تو رفقاء کی کمی سے دل برداشتہ نہ ہو، حق کی رفاقت خود کیا کم نصرت ہے؟" حضرت ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے واپس آئے اور تمام ہتھیاروں سے سج کر ماں سے رخصت ہونے آئے، ماں نے سینہ سے لگایا تو جسم بہت سخت نظر آیا، پوچھا کیا واقعہ ہے؟ فرمایا میں نے دوہری زرہ پہن لی ہے، بولیں یہ شہدائے حق کا شیوہ نہیں، ابن زبیرؓ نے زرہ اتار ڈالی، پھر کہا مجھے ڈر ہے کہ دشمن میری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں؟ ماں نے جواب دیا۔ "بیٹا! جب بکری ذبح ہو جاتی ہے، تو اس کی کھال کھینچنے کی تکلیف نہیں ہوتی" اور اس طرح ماں نے بیٹے کو مقتل میں بھیجا، اور حق وصداقت کی قربان گاہ پر اپنے دلبند کو نثار کر دیا۔

حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے ان کی لاش کو برسر راہ سولی پر لٹکا دیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت اسماءؓ کا جب ادھر سے گزر ہوا تو بیٹے کی لاش سولی پر لٹکی نظر آئی۔ کون ایسی ماں ہو گی جو اس پُر اثر منظر کو دیکھ کر تڑپ نہ جائے گی لیکن وہ نہایت بے پرواہی کے ساتھ ادھر سے گزر گئیں اور لٹکی لاش کی طرف اشارہ کر کے یہ بلیغ فقرہ کہا "کیا اب تک یہ سوار اپنے گھوڑے سے اترا نہیں؟" [2]

---

[1] یہ تمام واقعات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ [2] طبری۔

اس روحانی شجاعت، اخلاقی جرأت، اور بے مثال صبر واستقلال کا نمونہ کہاں نظر آ سکتا ہے؟۔

ناظرین سے رخصت ہو کے اس منظر کو ان کے سامنے کرتے جاتے ہیں جب غرناطہ کا آخری سلطان ابوعبداللہ اپنے آخری قلعہ کی کنجیاں عیسائی فاتحوں کے سپرد کر رہا تھا اور اپنی تھوڑی سی جماعت کے ساتھ اس سرزمین پر جہاں مسلمانوں نے ۶۰۰ برس حکومت کی آخری نظر ڈالتے ہوئے آنسوؤں کے تار اس کی دونوں آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں اس وقت سلطان کی والدہ عائشہ آگے بڑھ کر کہتی ہے کہ ''فرزند من! جس چیز کو تم مرد بن کر نہ بچا سکے اب اس کیلئے عورتوں کی طرح خوب [1] رولو'' اس ایک فقرہ میں استقلال و جرأت کی کتنی روح بھری ہے۔

یہ گذشتہ بہادر خواتین اسلام کے کارناموں کا ایک دھندلا سا خاکہ تھا اب سوال یہ ہے کہ موجود خواتینِ اسلام آئندہ کی تاریخِ اسلام کے لئے کیا کارنامہ دنیا میں چھوڑ جانا چاہتی ہیں؟۔



[1] لین پول کی ''مسلمان اندلس''

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (القرآن)
اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے

انبیاء کرامؑ کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشت حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

اہل کتاب صحابہؓ و تابعینؒ

حصہ دوازدہم (12)

جس میں ترانوے ۹۳ ایسے صحابہؓ، صحابیاتؓ، تابعینؒ اور تابعاتؒ کے سوانح اور کارنامے درج ہیں، جو مذہباً یہودی یا نصرانی تھے اور مشرف باسلام ہوئے۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرۂ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ، ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور ان کی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے

تحریر و ترتیب
مولانا حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی
رفیق دارالمصنفین

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

پیشِ لفظ

موضوع کی ندرت یقین ہے کہ ہر پڑھنے والے کے دلکش ثابت ہوگی۔ کس کو خیال تھا کہ یہ بھی موضوع کسی مستقل کتاب کا بن سکتا ہے؟

فاطر کائنات کے انعامات اور نوازش کسی خاص عہد و زمانہ تک محدود نہیں۔ صدیوں پر صدیاں گزر گئیں، صحابیوں پر بہتر سے بہتر اور کیسی کیسی جامع کتابیں مرتب ہوگئیں۔ اس پہلو کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہ ہوا کہ جو اہلِ کتاب میں سے صحابہؓ ہوئے ہیں، مخصوص ان کا تذکرہ یکجا کردیا جائے۔ یہ سعادت چودھویں صدی ہجری کے وسط کے عہد کے ایک فرزند دہ کے لئے اُٹھ رہی تھی، ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ ۔

خیال کو عمل میں لانا آسان نہ تھا۔ کتنی ہی کتابیں غور و استیعاب کے ساتھ پڑھنی پڑیں، اور پھر حالات و تفصیلات خاطر خواہ بہم نہ پہنچ سکے۔ سمندر کے کھنگالنے پر جتنے بھی موتی ہاتھ آ گئے بہت غنیمت ہیں۔ ۶۳ صحابی، ۸ صحابیات۔ ۱۳ تابعی، ۲ تابعات کے نام اور کم و بیش حالات کا فراہم ہوجانا تھوڑی بات نہ ہوئی۔ فرطِ احتیاط سے مؤلف سلمہٗ خود ہی کچھ رُک گئے، ورنہ چند نام تو اور اس فہرست میں بڑھ سکتے تھے۔

دنیا کس طرف جارہی ہے۔ روشن خیال دنیا، قلم ہاتھ میں لئے ہوئے، نفس پرستی کے کیسے کیسے نئے عنوانوں کی طرف ہر روز لپک رہی ہے، اور کچھ اللہ کے بندے، اللہ اور رسول کے نام دیوانے اب بھی پڑے ہوئے ہیں کہ دن رات، اللہ والوں اور اللہ والیوں ہی کے حالات کی اُدھیڑ بن میں لگے ہوئے ہیں۔ نفع خوری اور صلہ عاجل حاصل ہو نہ ہو، ''اجر غیر ممنون'' کی توقع انہیں ۔۔۔۔ بنائے رکھنے کے لئے کافی ہے۔

شروع کتاب میں عرب میں یہودیت و نصرانیت کی اجمالی تاریخ اور جغرافی نقشے بڑے کام کی چیزیں ہیں۔۔۔۔ رسالہ بحیثیت مجموعی ''بہ قامت کہتر'' ہونے کے ساتھ صحیح معنی میں ''بہ قیمت بہتر'' ہے۔ اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس کی طبع و اشاعت کا سامان بھی اُسی ادارہ کی طرف سے ہو رہا ہے، جو سیرت کے سلسلہ میں خدماتِ خصوصی کا امتیاز حاصل کئے ہوئے ہے۔

از مولانا عبدالماجد دریابادی

۲۰۔ اپریل ۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

وجہ تصنیف :

ندوہ کی تعلیم کا آخری سال تھا۔ علامہ زمخشریؒ کی کشاف میں سورۂ آل عمران درس میں تھی۔ مومنینِ اہلِ کتاب کے متعلق جب کوئی آیت سامنے آتی تو اس کے شانِ نزول اور مصداق کے سلسلہ میں بار بار حضرت عبداللہ بن سلام یا ایک دو اور صحابی کا نام آتا۔ جب سورۂ کی آخری آیت

"وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ"۔ (الآیۃ)

''اہلِ کتاب میں سے بعض ہیں، جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو کتاب تمہاری طرف نازل کی گئی (قرآن) اور جو کتاب ان کی طرف نازل کی گئی، اس پر یقین رکھتے ہیں''۔

کی تفسیر شروع تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے ساتھ اصحمۃ النجاشی اور حبشہ اور نجران کے وفود کا ذکر بھی آیا۔ اس وقت میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ تفسیر کی جتنی کتابیں اب تک نظر سے گزر چکی ہیں، ان سب میں یہ چیز مشترک ہے کہ جن مومنین اہلِ کتاب کا ذکر آتا ہے تو اربابِ تفسیر دو چار مخصوص اہلِ کتاب صحابہ کے علاوہ کسی اور کے نام کا ذکر نہیں کرتے، تو آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے اپنی اس خلش کا اظہار حضرت الاستاد جناب مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سے کیا۔ انہوں نے مذکورہ ناموں کے علاوہ دو چار اور نام بتائے۔ اس وقت میں خاموش ہو گیا، اتفاق سے اسی روز یا اس کے دوسرے روز بخاری شریف کے درس میں یہ حدیث

"لو آمن بی عشرة من الیهود لآمن بی الیهود"۔

''اگر دس یہود بھی مجھ پر ایمان لاتے تو ان کی کافی تعداد ایمان لے آتی''۔

سامنے آئی، (حضرت شاہ صاحب ہی کے یہاں بخاری کا درس بھی تھا)۔ میں نے ان سے پھر دریافت کیا کہ دس یہود بھی ایمان نہیں لائے تھے؟ یہ تو اسلام کی بڑی ناکامی اور بے اثری کی

دلیل ہے کہ اس نے اہلِ کتاب میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں کی۔ جبکہ وہ اس سے بڑی حد تک قریب بھی تھے[1]۔ شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اس سے بہت زیادہ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ایمان لائے تھے۔ اس حدیث میں عام یہود نہیں، بلکہ علماء اور خواص مراد ہیں[2]۔ اس جواب سے گو تھوڑی سی تسکین ضرور ہوگئی، لیکن پورے طور پر میری خلش رفع نہیں ہوئی اور بالآخر عہد طالب علمی کی یہی خلش اس کتاب کی تصنیف کا باعث ہوئی۔

ندوہ کی تعلیم کے ختم کرنے کے بعد جب میں دارالمصنفین آیا تو رہ رہ کر یہ خلش مجھے بے چین کرتی تھی۔ اتفاق سے ایک دن سیرۃ ابن ہشام دیکھ رہا تھا کہ غزوۂ بنی قریظہ اور غزوۂ بنی نضیر کے سلسلہ میں دو چار اہلِ کتاب صحابہ کے ناموں پر نظر پڑی۔ اس سے مجھے مزید تسکین ہوئی۔ میں نے استاذ الاساتذہ حضرت سید صاحب قبلہ سے دریافت کی کہ کیا اہلِ کتاب صحابہ کے حالات کہیں یکجا مل سکتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ یکجا تو نہیں ملیں گے، ہاں ہشام، سہیلی اور دوسری سیر کی کتابوں کا مطالعہ کرو تو متفرق طور پر ان کے نام اور حالات مل جائیں گے۔ میں نے تلاش و جستجو شروع کردی۔

بہت دنوں تک مغازی سیر کی کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا۔ لیکن میں نے اپنے ذہن میں جو طویل خاکہ بنایا تھا، اس میں رنگ بھرنے کا خاطر خواہ سامان ان کتابوں سے بہم نہ پہنچ سکا۔ پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ طبقات رجال کی کتابیں دیکھی جائیں۔ پہلے تو اس بحر زخار میں گوہر مقصود پر طبیعت آمادہ نہیں ہوئی، لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی اور تحقیق و تلاش شروع کردی۔ برسوں کی محنت و جانفشانی کے بعد جو کچھ حاصل ہوسکا، وہ پیش کشِ ناظرین ہے۔

مآخذ! سیر کے بعد رجال کی کتابوں میں سب سے پہلے حافظ ذہبی کی "تجرید اسماء الصحابہ" شروع سے آخر تک پڑھی۔ پھر استیعاب اور اسد الغابہ اور ان سب کے بعد اصابہ کی ورق گردانی کی۔ اس سلسلہ میں قبائل اور مقامات کی تحقیق کی ضرورت پڑی، تو اس کے لئے کتاب الانساب سمعانی اور معجم البلدان کی طرف رجوع کیا گیا۔

---

[1] بعد میں یہ علم ہوا کہ اسی حدیث کے پیش نظر بعض مستشرقین خصوصیت سے تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہود میں اسلام بہت زیادہ غیر مقبول رہا۔ (ص ۳۷)

[2] یہی جواب عام شراح حدیث حافظ ابن حجرؒ نے دیا ہے۔ واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ چند سرداران یہود ہی عام یہود کے حلقہ بگوشِ اسلام ہونے میں سدراہ بنے رہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے نام بھی لکھے ہیں۔

شروع میں تو یہ کتاب اہلِ کتاب صحابہ کے حالات تک محدود تھی، لیکن جب میں نے اصابہ کا بالا ستیعاب مطالعہ شروع کیا تو اس میں بعض اہلِ کتاب تابعین کے ناموں پر بھی نظر پڑی۔ جن کو میں جمع کرتا گیا۔ چونکہ یہ تھوڑے سے تھے، اس لئے ان کو بھی اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔

جن بزرگوں کے اہلِ کتاب ہونے میں شبہ ہے :

جب تک اس قبیلہ کے کسی بزرگ کے متعلق مخصوص طور پر معلوم نہیں ہو گیا کہ وہ اہلِ کتاب میں سے تھے، اُس وقت تک اُن کو فہرست میں نہیں لیا گیا۔ مثلاً بنو تغلب کے متعلق اسد الغابہ میں تصریح ہے کہ

" لان بنی تغلب کانوا نصٰرٰی"۔

''اس لئے کہ بنو تغلب نصاریٰ تھے''۔ (۱۵ ص ۵۷)

اسد الغابہ میں دوسری جگہ ہے،

" ان کثیرا من العرب قد تنصر کتغلب"۔ (جلد ص ۲۲۲)

''بہت سے عربی قبائل عیسائی ہو گئے تھے۔ مثلاً تغلب''۔

لیکن بہت سے تغلبیوں کو اس فہرست میں اس لئے نہیں لیا گیا کہ خاص طور پر ان کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح حضرت تمیم داریؓ شام کے رہنے والے تھے اور شام میں عموماً عیسائی ہی آباد تھے۔ حضرت تمیم داریؓ جب خدمتِ نبوی میں آئے تو ان کے اہلِ خاندان کا ایک وفد بھی ان کے ساتھ تھا۔ لیکن ان سب میں صرف حضرت تمیمؓ اور ان کی ایک عزیزہ کو اس فہرست میں لیا گیا۔ اس لئے کہ دوسروں کے عیسائی ہونے کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

اسی طرح مصر کے قبطی عام طور پر عیسائی تھے، لیکن بہت سے قبطی صحابہ کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ ان کی قومی نسبت کے علاوہ اور کوئی ثبوت ان کے عیسائی ہونے کا نہیں مل سکا۔

جن بزرگوں کے اہلِ کتاب ہونے میں شبہ ہے ان کے نام درج کئے جاتے ہیں :

۱۔ ابو ہند الداری

یہ حضرت تمیم داریؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ معلوم نہیں، انہوں نے عیسائیت قبول کی تھی یا نہیں۔

۲۔ احمد بن عبداللہ بن سلام

ان کا تذکرہ ابن ندیم نے کیا ہے[1] لیکن رجال کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن سلام کے دو صاحبزادوں حضرت یوسف اور حضرت محمد کا نام تو مذکور ہے، جو شرفِ صحابیت سے بھی بہرہ ور تھے، لیکن احمد نام کے کسی صاحبزادے کا تذکرہ نہیں مل سکا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ محمد کی تصحیف ہو۔ واللہ اعلم

۳۔ تبیع بن امرۃ کعب الاحبار

یہ کعب احبار کے ربیب تھے۔

۴۔ ذکوان بن یامین

ان کے اسلام میں اختلاف ہے۔

۵۔ سلمہ بن سعد

اصابہ میں ہے کہ یہ حضرت شعیبؑ کی قوم سے تھے۔

۶۔ سلمہ بن عیاض

ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اہلِ کتاب میں سے تھے، لیکن تصریح نہیں ملتی۔

۷۔ فیروز الدیلمی

کسریٰ کے اسیر تھے، ممکن ہے کہ رومی عیسائی ہوں۔

۸۔ ابن التیہان

ابن ندیم نے ان کو اہلِ کتاب میں شمار کیا ہے[2] اگر اس سے مراد ابوالہیثم بن التیہان ہیں تو وہ اہلِ کتاب میں نہیں، بلکہ انصاری تھے اور اگر کوئی اور ابن التیہان ہیں تو کتبِ رجال میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔

۹۔ اُم المہاجر الرومیۃ

رومیہ کی نسبت کی وجہ سے ان کی عیسائی ہونے کا امکان ہے۔

۱۰۔ ابن جریج تابعی

تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں ان کو رومی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر صاحب فخر الاسلام نے ان کو نصرانی لکھا ہے[3] لیکن اس قومی نسبت کے علاوہ ان کے عیسائی ہونے کا اور کوئی ثبوت رجال کی کتابوں میں نہیں مل سکا۔ اس لئے ان کا نام اس فہرست میں لیا گیا ہے۔

---

[1] ابن ندیم۔ ص ۳۳ [2] ایضاً [3] جلد اول۔ ص ۲۴۶

۱۱۔ ابنۃ عم صفیہ

ابن سعد نے طبقات میں اور امام محمد نے السیر الکبیر میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ امام محمد نے لکھا ہے کہ غزوۂ خیبر میں حضرت صفیہؓ اور ان کی ایک چچازاد بہن گرفتار ہوئیں۔ حضرت صفیہؓ حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصے میں آئی تھیں، مگر بعض اہم مصالح کے تحت آپ نے ان کو ان سے واپس لے لیا اور ان کے بجائے ان کی چچازاد بہن کو انہیں دے دیا۔ چونکہ ان کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے، اس لئے ہم نے ان کا ذکر اس فہرست میں نہیں کیا ہے۔ (السیر الکبیر۔ جلد اول۔ ص ۱۸۷)

حبشہ کے وفد میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئی اور مشرف باسلام ہوئی۔ اس کے علاوہ نعیم المجمر کے ہاتھ پر جن کا تذکرہ آ چکا ہے، چالیس علمائے یہود نے اسلام قبول کیا تھا، لیکن افسوس کہ ان کے حالات تو کیا پورے نام بھی سیر و رجال کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

ترتیب اور ناموں کی تعداد :

کتاب میں پہلے صحابہ کے حالات حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہیں۔ پھر اسی ترتیب سے تابعین اور ان کے بعد صحابیات اور پھر تابعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

پوری کتاب میں تریسٹھ (۶۳) صحابہ، سات (۷) [۱] صحابیات اور تیرہ (۱۳) تابعین اور دو (۲) تابعات کے حالات درج ہیں۔ جن میں سے صحابہ میں ۳۹ یہودی اور ۲۳ عیسائی اور تابعین میں ۴ یہودی اور ۹ نصرانی اور صحابیات میں ۳ یہودیہ اور ۳ نصرانیہ اور تابعات میں ایک یہودی اور ایک عیسائی ہیں۔ کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے، جس میں جزیرہ عرب کے یہودی و نصاریٰ کی تاریخ اور ان کے سیاسی، تمدنی اور اخلاقی حالات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ آخر میں ایک نقشہ بھی ہے جس میں ان کے مرکزی مقامات اور قبائل کا جائے وقوع دکھایا گیا ہے۔

خادم

مجیب اللہ ندوی

---

[۱] آٹھ صحابیات کا تذکرہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

کتاب میں بہت سے مقامات اور قبائل کے نام اور یہود و نصاریٰ کی تمدنی اور اخلاقی حالت اور ان کے قبول اور عدم قبول اسلام کے سلسلہ میں متعدد واقعات ایسے سامنے آئیں گے جن کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ جزیرۂ عرب کے یہود و نصاریٰ کی تاریخ پر ایک نظر ڈالی جائے، تاکہ موضوع کا پورا پس منظر سامنے آجائے اور کتاب کے بعض گوشے جو اس سے تشنۂ بیان رہ جاتے ہیں وہ واضح ہو جائیں۔

اسی ضرورت کے ماتحت یہاں یہود و نصاریٰ کی تمدنی، مذہبی اور اخلاقی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے، لیکن چونکہ اس میں قصداً استقصاد اور اعتواء کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ موضوع کے بعض پہلو پورے طور پر سامنے نہ آسکیں۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو اہل علمؔ سے درخواست ہے کہ وہ مجھے اس پر متنبہ فرما کر ممنونِ کرم فرمائیں ،

وفوق کل ذی علم علیم ۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام سے پہلے جزیرۂ عرب کے باشندوں کا دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور نہ انہوں نے کسی ملک یا کسی قوم کا کوئی اثر قبول کیا تھا۔ لیکن جزیرۂ عرب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے سیاسی، تمدنی اور تجارتی ہر قسم کے تعلقات ان کے پڑوسی ملکوں اور قوموں سے تھے اور قوموں کے آپس کے اختلاط اور ارتباط اور ان کے باہمی سیاسی اور تمدنی تعلقات کے جو اثرات ایک دوسرے پر پڑتے ہیں، وہ سب اہل عرب پر بھی پڑے تھے۔

عربوں اور دوسرے ملکوں اور قوموں میں باہم اختلاط اور تعلقات کے تین بڑے ذریعے یہ تھے :

۱۔ تجارت

۲۔ ایران و رُوم کے ماتحت عربوں کی سرحدی حکومتیں یعنی غسان اور حیرہ وغیرہ ۔

۳۔ یہودیت اور نصرانیت۔

پہلی دونوں شقیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ اس لئے صرف تیسری شق کے متعلق کچھ تفصیل ہم پیش کرتے ہیں۔ اس میں دکھانا ہے کہ جزیرۂ عرب میں ان مذاہب کی ابتداء کب سے ہوئی اور ان کو یہاں کیا کامیابی حاصل ہوئی۔ کن قبائل نے انہیں قبول کیا اور ان کے مرکزی مقامات کون کون سے تھے اور عہد جاہلیت میں عربوں کی مذہبی اور تمدنی زندگی پر ان قبائل کا کیا اثر پڑا اور پھر اسلام کے بعد مسلمانوں پر ان کے کیا اثرات پڑے اور انھوں نے مسلمانوں سے کیا اثرات قبول کئے پھر مجملاً یہ بھی ذکر آئے گا کہ ظہور اسلام سے پہلے اور اس کے بعد ان کی اخلاقی حالت اور ذہنی سطح کیا تھی اور قرآن مجید نے اس کے متعلق کیا اشارے کئے ہیں۔

مؤخر الذکر شق میں سے پہلے ہم یہودیت، اس کے بعد نصرانیت کی تاریخ بیان کریں گے۔



یہود

یہودیت :

جزیرۂ عرب میں یہود[1] کی تاریخ دو دوروں پر منقسم ہے۔ پہلا دور ۵۰۰ ق م جسے یہود بائدہ کا دور کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا دور ۵۰۰ ق م سے ظہور اسلام تک۔ پہلے دور میں جو یہود جزیرۂ عرب آئے، ان کے متعلق قدیم صحیفوں اور عربی تاریخوں میں متعدد روایتیں ملتی ہیں، لیکن یہ صحیح طور سے نہیں بتایا جاسکتا کہ کب سے ان کو وجود یہاں ملتا ہے۔ بعض عربی تاریخوں کی روایتوں سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ حجاز میں ان کی آمد حضرت موسیٰؑ کے زمانہ یعنی ۵۰۰ ق م سے ہی شروع ہوگئی تھی۔ یاقوت نے معجم البلدان میں مدینہ کے باشندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے : کہ

" حین اظهره الله تعالیٰ (موسیٰ) علی فرعون فوطی الشام و اهلک من کان بها منهم ثم بعث بعثاً آخر الی الحجاز الی العمالیق و امرهم ان لا یستبقوا احدًا ممن بلغ الحکم الا من دخل فی دینة فقدموا علیهم فقاتلو هم فاظهرهم الله علیهم فقتلوهم وقتلوا ملکهم لارقم واسروا ابناله شابًا جمیلا کا حسن من رأی فی زمانه فضوابه عن القتل وقالوا نستحیه حتی تقدم به علی موسیٰ فیری فیه رایه فاقبلوا وهو معهم وقبض الله موسیٰ قبل قدرمهم فلما قربوا وسمع بنو اسرائیل بذلک تلقوهم واسئلوهم عن اخبارهم فاخبروهم بما

---

[1] اس وقت حضرت موسیٰؑ کے ماننے والے کو یہود کہا جاتا تھا۔ لیکن ان کا قدیم اور اصلی نام بنی اسرائیل تھا۔ (یعنی حضرت یعقوبؑ جن کا عبرانی نام اسرائیل تھا، ان کی اولاد) بنی اسرائیل کے بجائے ان کا نام یہود حضرت موسیٰؑ کے بہت بعد غالباً حضرت سلیمانؑ کے بعد پڑا۔ حضرت سلیمانؑ کے بعد یہود دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ موحد تھا۔ یہ گروہ حضرت سلیمانؑ کے فرزند ولی عہد کے ماتحت تھا۔ اصل میں یہود ان ہی کا لقب تھا۔ اس لئے یہود کا لفظ ہود سے مشتق ہے۔ جس کے معنی رجوع کے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع ہوئے، اس لئے ان کا نام یہود پڑ گیا۔ واللہ اعلم

دوسرا گروہ ہمیں حضرت موسیٰؑ سے پہلے بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ ان کے اُمتی اور ماننے والے جو اس وقت یہود کے نام سے مشہور ہیں، ان سے بحث کرنی ہے۔ اس لئے ہم نے ہر جگہ یہود ہی کا لفظ استعمال کیا ہے، اس لئے غلط فہمی نہ ہونی چاہئے۔ قرآن پاک میں ان کا تذکرہ ان کے قدیم اور جدید دونوں ناموں سے کیا گیا ہے۔

فتح اللہ علیهم قالوا فما هذا الفتی الذی معلم فاخبروهم بقصة فقالوا ان هذہ معصیة منکم لمخالفتکم امر نبیکم واللہ لادخلتم علینا بلادنا ابدا فحالوا بینهم وبین الشام فقال ذالک الحیش مابلد اذا منعتم بلد کم خیرلکم من البلذی فتحتموہ وقتلتم اهله نارجعوا الیه فعادوا الیها فاقاموا بها فهذا کان اول سکنی الیهود الحجاز والمدینة" ۔ (جلد ۷ ۔ ص ۴۲۷)

''جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون پر غالب کیا تو انہوں نے فرعون کے اعوان وانصار کو ختم کرنے کے بعد ایک فوج حجاز عمالیق[1] کی سرکوبی کے لئے بھیجی اور فوج کو حکم دیا کہ ان میں سے جو لوگ دین میں داخل ہو جائیں، ان کے علاوہ ہر بالغ کو ختم کر دیا جائے ۔ چنانچہ وہ فوج حجاز گئی اور اس کو عمالقہ پر غلبہ حاصل ہو گیا اور وہاں کا بادشاہ ارقم قتل کیا گیا۔ اس کا ایک لڑکا گرفتار ہوا چونکہ وہ بہت خوبصورت اور معصوم تھا، اس لئے فوج اس کو اپنے ساتھ شام لیتی آئی ۔ اس لڑکے کے بارے میں وہ غور کر رہے تھے کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس اسے لے جایا جائے یا نہیں ۔ آخر کار اسے وہ شام لے کر واپس آئے ۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ کی وفات ہو چکی تھی ۔ بنو اسرائیل نے فوج سے حجاز کے حالات دریافت کئے ۔ انہوں نے اپنی فتح کا واقعہ ان کے سامنے سُنایا ۔ پھر اس نوجوان کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے صورت حال بتائی ۔ اس پر بنو اسرائیل فوج پر خفا ہوئے کہ تم نے حضرت موسیٰؑ کے قول کی خلاف ورزی کی، اس لئے تم شام میں نہیں رہ سکتے ۔ چنانچہ وہ شام میں داخل نہیں ہو سکے ۔ یہ صورت حال دیکھ کر فوج کے سردار نے کہا کہ فوجیو! شام کے بعد تمہارے لئے حجاز ہی کی سرزمین بہتر ہے، تو بہتر وہیں واپس چلو ۔ چنانچہ وہ حجاز واپس آئے ۔ مدینہ اور حجاز میں یہود کی یہ پہلی آبادی تھی جو یہاں آباد ہوئی''[2]۔

اس روایت کے متعلق تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل ولفنسون نے لکھا ہے کہ یہ روایت قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے صحف قدیم میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کی تردید کے لئے صرف اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ ''صحفِ قدیم میں اس کا تذکرہ نہیں ہے''۔

---

[1] حجاز میں اس وقت عمالقہ کی حکومت تھی، جن کا ظلم وستم فرعون سے کچھ کم نہ تھا۔

[2] اس روایت کو اغانی نے (جلد ۱۱۔ ص ۹۱) میں اور سمہودی نے وفا الوفاء (ص ۱۱۱) میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ (جلد ۲۔ ص ۲۸۷) میں نقل کیا ہے۔

بہت سے ایسے قدیم تاریخی واقعات ملیں گے، جو مسلّمات کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ مگر صحف قدیم ان کے تذکرہ سے خالی ہیں، تو کیا یہ سب ناقابلِ اعتبار ہیں؟ اور پھر مصنف کو بھی یہ تسلیم ہے کہ ۱۲۰۰ ق م سے پہلے حجاز میں یہود کی آمد شروع ہوگئی تھی، تو پھر اس روایت کے عدم قبولیت کا سبب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ اپنی یہودی عصبیت کی بنا پر عربی ماخذ کی روایت کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ جیسا کہ اس نے کتاب میں متعدد جگہ اس کا اظہار کیا ہے[1]۔

اس کے بعد جزیرۂ عرب میں یہود کی دوسری آمد شمعون کی ہجرت قرار پاسکتی ہے۔ اس کے متعلق صحفِ قدیم کا بیان ہے کہ وہ چراگاہ کی تلاش کے لئے طور سینا تک گئے اور وہاں ان سے اور قبائل معان سے جو وہاں کے قدیم باشندے تھے جنگ ہوئی، جس میں بنی شمعون غالب رہے۔ وہ پورا بیان یہ ہے :

۳۸۔ یہ جن کے نام مذکور ہوئے اپنے اپنے گھرانے کے سردار تھے اور ان کا آبائی گھرانہ بہت بڑھ گیا۔

۳۹۔ اور وہ جدور کی درآمد تک اس وادی سے پورب تک اپنے گلوں کے لئے چراگاہ ڈھونڈھنے گئے۔

۴۰۔ وہاں انہوں نے ستھری اور اچھی چراگاہ پائی کہ وہ زمین وسیع اور چکنی اور سکھ کی جگہ تھی۔ آحام کے لوگ قدیم مدت سے اس میں رہتے تھے۔

۴۱۔ اور وہ جن کے نام لکھے گئے ہیں، شاید یہود اور حزقیاہ کے دنوں میں چڑھ آئے اور انہوں نے ان کے پڑاؤ پر قبضہ کیا اور معونیم[2] جو وہاں ملے قتل کیا۔ ایسا کہ وہ آج کے دن تک نابود ہیں اور ان کے گھروں میں آپ رہے، کیونکہ ان کے گلے کے لئے وہاں چرائی تھی۔

۴۲۔ اور ان میں سے یعنی بنو شمعون کے بیٹوں میں سے پانچ سو مرد شعیر کے پہاڑ پر گئے اور یسعی کے خلطیاہ اور نعرماہ اور رفایاہ اور غریئیل ان کے سردار تھے۔

---

[1] اس روایت کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے میں مصنف کی غلط فہمی کا سبب شاید یہ ہو کہ اس روایت کا ماخذ اس نے صرف اغانی کو سمجھا ہے۔ حالانکہ دوسری مستند کتابوں جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے، ان میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

[2] معونیم یعنی قبائل معان یا معین جو مکہ اور یثرب کے اطراف میں آباد تھے۔ تاریخ الیہود (ص ۵) اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے اور قبائل معان میں جو جنگ ہوئی، اس میں بنی اسرائیل غالب رہے اور انہوں نے معان کو قتل کر کے اس زمین پر قبضہ کرلیا۔ یہ قبائل عرب کے بہت قدیم قبائل ہیں۔ انہوں نے کئی برس تک جزیرۂ عرب میں حکومت کی ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ارض القرآن، جلد اول۔

۴۳۔ اور ان باقی عمالیقوں کو جو بھاگ نکلے تھے قتل کیا اور آج کے دن تک وہاں بستے ہیں۔

(تواریخ اول۔ باب ۴)

اس ہجرت کی سنہ کی تعیین میں اختلاف ہے۔ ڈوزی (DOZIY) نے اپنی کتاب ''بنی اسرائیل مکہ میں'' میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حضرت داؤدؑ کے زمانہ سے کچھ پہلے یعنی ۱۰۰۰ھ ق م کے قریب ہوئی۔ لیکن مارگولیتھ (MORGOLOUTH) نے ڈوزی سے اختلاف کیا ہے اور اپنی کتاب ''عربوں اور بنی اسرائیل کے تعلقات'' میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ ہجرت حزقیل کے وقت میں ہوئی، جنہوں نے ۶۹۱ھ ق م سے ۷۱۷ھ ق م تک بلادِ یہود پر حکومت کی ہے۔

خود بائبل کے مترجمین نے اس ہجرت کے سنہ کی جو تعیین کی ہے، اس سے بھی مارگولیتھ کے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی انہوں نے اس کو ۷۱۵ھ ق م کا واقعہ قرار دیا ہے۔

تاریخ الیہود کے مصنف کا خیال ہے کہ کم از کم اس ہجرت کا زمانہ ۱۲۰۰ھ ق م ہے۔ لیکن اس نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ غالباً اس نے یہ رائے اس لئے قائم کی ہے کہ بائبل میں اس واقعہ کا سنہ تو ۷۱۵ھ ق م درج ہے، لیکن اس واقعہ سے پہلے اور بعد کے جتنے واقعات ہیں وہ سب ۱۳۰۰ھ ق م کے تحت درج ہیں۔ صرف اس واقعہ کے سامنے ۷۱۵ھ ق م درج ہے۔

بہر حال اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ ۵۰۰ھ ق م سے پہلے شمعون عرب میں آباد ہو چکے تھے۔ اسی اختلافِ روایت کی بنا پر بعض مستشرقین نے بنی شمعون کے وجود ہی سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن کتاب یوشع بن نون کے دیکھنے سے ان کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس میں ان قبائل کے نام اور ان کے جائے قیام کے حدود مفصل درج ہیں[1]۔

اس کے علاوہ صحفِ قدیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب تاجر برابر کنعان اور بنی اسرائیل کے دوسرے شہروں تک سامانِ تجارت لے کر جایا کرتے تھے اور یہود تجار سبا تک برابر تجارتی سفر کرتے رہتے تھے[2]۔ اُوپر یہود اور عمالقہ کی جنگ کا ذکر آ چکا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد بار عمالقہ اور عربی قبائل میں لڑائیاں ہوئی ہیں[3]۔ جو یہودؑ کے عرب میں متوطن ہونے کا بڑا سبب ہوئیں۔

غرض ان ہی مذکورہ اسباب کی بنا پر حجاز میں یہود کی آمد و رفت اور بود و باش شروع ہوئی۔ لیکن اس دور کے یہود کے تاریخی آثار باقی نہیں رہ گئے ہیں۔ اس لئے ان کو یہود بائدہ (یعنی مٹ جانے والے) کہا جاتا ہے۔

---

۱ کتاب یوشع بن نون فصل ۱۹۔ آیت ۱ تا ۹ ۲ حزقیاہ۔ باب ۲۷۔ آیت ۲۱ ۳ طوک۔ جلد ۱۔ باب ۹۔ آیت ۲۶

دوسرا دور :

دوسرے دور میں جو یہود حجاز آئے، وہ زیادہ تر شام و فلسطین کے باشندے تھے۔ وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے اپنے سرسبز و شاداب وطن کو چھوڑ کر جزیرۂ عرب جیسی بے آب و گیاہ سرزمین کا رُخ کیا۔ ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ مختصر طور پر ان کی ہجرت کے تین قوی سبب یہ تھے۔

۱۔ فلسطین میں یہود کی آبادی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ اس وقت ان کی تعداد چالیس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ فلسطین جیسی چھوٹی جگہ میں اتنی کثیر آبادی کا فراغت اور خوشحالی کے ساتھ رہنا اور پھر اس کے ذرائع معاش کا مہیا ہونا دشوار ہوگا۔ اس لئے عرب اور عراق کا رُخ کرتے تھے، جہاں کی آبادی اُن کے رقبہ کے اعتبار سے بہت کم تھی اور پھر جیسا کہ اُوپر ذکر آچکا ہے، یہود کی آبادیاں متفرق طور سے جزیرۂ عرب میں پھیلی ہوئی تھیں جو یہاں ان کی آمد کا ایک بڑا سبب بن گئیں۔

۲۔ پہلی صدی ہجری میں رومیوں نے متعدد بار فلسطین پر حملہ کیا۔ یہاں تک کہ یہود کو زمامِ حکومت ان کے ہاتھ میں دے دینا پڑی۔ لیکن ظاہر ہے کہ فلسطین یہود کا صرف وطن ہی نہیں تھا بلکہ وہ ان کی سب سے مقدس عبادت گاہ بھی تھی۔ اس لئے وہ چین سے نہیں بیٹھے اور بغاوت کے فتنے برابر اُٹھاتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں نے ان پر ہر قسم کے ظلم توڑنے شروع کر دیئے۔ اب ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ فلسطین چھوڑ کر ہجرت کر جاتے۔ جس کے لئے ان کو سب سے قریب آزاد سرزمین جزیرۂ عرب ہی کی مل سکتی تھی[1]۔

۳۔ اس کے بعد پہلی صدی ہجری یعنی ۷۰ء میں رومیوں اور یہودیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی۔ جس میں پورا فلسطین تہ و بالا ہو گیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس کی مشہور عبادت گاہیں تک برباد کر دی گئیں۔ اس جنگ میں یہودیوں کو شکست اُٹھانا پڑی اور اس شکست کے بعد خاص طور سے ان کے قافلے فلسطین سے نکلنے لگے اور ان کو جہاں جائے پناہ ملی، وہاں چلے گئے۔ ان تارکین وطن میں ایک بڑی تعداد نے عرب کا رُخ کیا۔ جہاں ایک کثیر تعداد میں یہود پہلے سے موجود تھے۔ یہود کی اس ہجرت کی پوری تفصیل یہودی مؤرخ یوسف جو ان جنگوں میں شریک بھی رہا ہے، اس کے بیان سے معلوم ہوتی ہے[2]۔

---

[1] ویری یوی ٹیشرئیل۔ بحوالہ تاریخ الیہود۔ ص ۹ [2] ایضاً

کہ [illegible] رومیوں اور یہودیوں کی جنگ اور یہود کی جزیرۂ عرب کی طرف ہجرت کے متعلق بہت سی مفید باتیں عربی مصادر میں بھی مل جاتی ہیں۔ چنانچہ صاحب اغانی نے بنوقریظہ اور بنونضیر کی ہجرت کے سلسلہ میں لکھا ہے: کہ

"لما ظهرت الروم على بني اسرائيل جميعا بالشام فوطئوهم وقتلوهم ونكحوا نساءهم خرج بنو نضير بنو قريظة وبنو هدل هاربين منهم الى من بالحجاز من بني اسرائيل" [1]

"جب رومیوں نے شام کے بنواسرائیل (یہود) پر غلبہ پایا تو ان کو خوب برباد کیا، ان کو قتل کیا۔ ان کی عورتوں کو اپنے حبالہ عقد میں لے آئے۔ اس ظلم وستم سے بچنے کے لئے، بنونظیر، بنوقریظہ اور بنوہدل وغیرہ حجاز میں اپنے دوسرے یہودی بھائیوں کے یہاں چلے آئے"۔

بہرنوع یہی اسباب تھے جن کی بنا پر یہود حجاز میں آئے۔

جزیرۂ عرب اپنی طبعی تقسیم کی بناء پر تو کئی حصوں پر مشتمل ہے، لیکن تمدنی اور سیاسی اعتبار سے دو حصوں میں منقسم ہے، حجاز اور یمن۔ اب تک زیادہ تر بحث حجاز میں یہود کی آمد اور اس سے ان کے قدیم وجدید تعلقات پر تھی۔ اب ہم عرب کے دوسرے حصہ یمن سے یہود کے تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہتے ہیں۔

یمن میں یہودیت:

یمن گو جزیرۂ عرب ہی کا حصہ ہے، لیکن سیاسی اور تجارتی اہمیت کے اعتبار سے ہمیشہ وہ ایک مستقل ملک رہا ہے۔ اس کی اہمیت کی بنا پر اس کا تذکرہ ہم علیحدہ کرتے ہیں۔

اہلِ یمن سے بھی یہود کے تعلقات قدیم زمانہ سے شروع ہو چکے ہیں۔ اُوپر آ چکا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے وقت یعنی ۱۰۰۰ ق م میں عرب اور یہود میں تجارت ہوتی تھی جس کا سب سے بڑا مرکز سبا تھا، جو یمن کا دارالسلطنت تھا۔

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت سلیمانؑ اور ملکۂ سبا کا جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے بھی یہود اور اہلِ یمن کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ معین جو یمن کے بیچ میں واقع تھا، اس کا تذکرہ تحریری طور پر ۸۰۰ ق م میں ملتا ہے[2]۔

---

[1] اغانی۔ جلد ۱۹۔ ص ۹۰۵　[2] تاریخ دوم۔ آیت ۲۶۔۸ یہ بڑی ترقی یافتہ حکومت تھی۔ جدید اثری تحقیقات نے اس کے بارے میں بہت کچھ معلومات فراہم کر دیئے ہیں۔

یمن میں یہودیت کو اصل فروغ حمیری حکومت کے بعد ہوا۔ اس لئے کہ یہودیت حمیری حکومت کا تقریباً سرکاری مذہب ہو گیا تھا۔ اس کے فرمانرواؤں میں ایک ستارہ پرست، ایک دو عیسائی، بقیہ سب یہود تھے۔ لیکن حمیری حکومت کی ابتداء کب ہوئی، اس کے بارے میں مؤرخین کی بہت مختلف اور متضاد رائیں ہیں۔

حضرت الاستاذ سید سلیمان صاحب ندوی نے ارض القرآن میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ڈاکٹر ہالولے نے اس کی ابتداء ۱۱۵ ق م قرار دی ہے۔ لیکن سید صاحب نے اس پر نقد کیا ہے اور مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حمیری حکومت کی ابتداء ۲۰ ق م سے آگے نہیں بڑھتی۔ بہر نوع اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسری صدی قبل مسیح یا پہلی صدی کے وسط میں یمن میں یہودیت کو فروغ ہونا شروع ہو گیا تھا اور ۵۵۰ برس تک وہاں اس کو فروغ حاصل رہا۔ لیکن حمیری حکومت کے آخری فرمانروا ذونواس کی موت ۵۲۵ء کے بعد یمن میں یہودیت کا زور ٹوٹ گیا اور اس کی جگہ عیسائیت نے لے لی، جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

جزیرۂ عرب میں یہودیت کا ذکر کرتے ہوئے یعقوبی نے لکھا ہے : کہ

" فاما من تهود منهم فاليمن باسرها " [1]

"جزیرۂ عرب میں جو لوگ یہودی ہوئے، ان میں یمن بھی ہے۔ یمن پورے کا پورا یہودی تھا"۔

پھر اس کے بعد یعقوبی نے یمن میں یہودیت کی ابتداء کے سلسلہ میں لکھا ہے : کہ

" كان تبع حمل حبرين من احبار اليهود الى اليمن فابطل الاوثان و تهود من باليمن " [2] (جلد اول۔ ص ۲۹۸)

"ملک تبع نے دو یہودی عالموں کو یمن بھیجا، انہوں نے وہاں سے بت پرستی کو مٹایا اور ان کے اثر سے یمن کے باشندوں نے یہودیت قبول کر لی"۔

جدید اثری تحقیقات کے مطابق تبابعہ کا زمانہ تیسری صدی عیسوی سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس لئے یعقوبی کے بیان کے مطابق یمن میں یہودیت کو پورا فروغ تیسری صدی میں ہوا

اُوپر یمن میں یہودیت کی جو قدامت دکھائی گئی ہے، اس سے یہ بیان کچھ مختلف معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس میں تضاد نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہاں یہودیت بہت قدیم زمانے سے موجود ہو مگر اہل یمن کا وہ عام مذہب تیسری صدی میں ہوا ہو۔

---

[1] تاریخ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۸ [2] ایضاً

کیا عرب کے یہود ہجرت کر کے نہیں آئے تھے ؟

اُوپر ذکر آچکا ہے کہ مختلف اسباب کی بنا پر یہود شام و فلسطین کی سرسبز و شاداب سرزمین چھوڑ کر جزیرۂ عرب جیسے بے آب و گیاہ مقام کا رُخ کرتے تھے۔ لیکن مؤرخین کا خیال ہے کہ یہود کہیں باہر سے نہیں آئے تھے، بلکہ یہ عرب ہی نسل تھے، جنہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ یعقوبی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بنی نضیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے : کہ

"وھم فخذ من جذام الا انھم تھودا وونزلوا یقال له النضیر فسموا به"۔
(جلد۲۔ص۴۹)

''یہ جذام کی ایک شاخ تھی، مگر یہ یہودی ہو گئے تھے اور جہاں یہ آباد ہوئے، اس مقام کا نام نضیر تھا۔ اسی لئے وہ اس نام سے مشہور ہو گئے''۔

پھر بنو قریظہ کے متعلق لکھتا ہے :

"وھی فخذ من جذام اخوۃ النضیر ویقال انھم تھود وافی ایام عأدیابن سمئویل ثم نزلوا ابجیل یقال له قریظۃ فنسبوا الیه"۔
(جلد۲۔ص۵۴)

''یہ بھی جذام کی ایک شاخ ہے۔ بنو نضیر کے بھائی بند تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عادیا بن سموئیل کے زمانہ میں یہودی ہوئے۔ پھر جبل قریظہ کے پاس آباد ہوئے اور اسی نسبت سے ان کا یہ نام پڑ گیا''۔

جو لوگ اس خیال کے مؤید ہیں۔ یعقوبی کے بیان کے علاوہ ان کا قیاسی استدلال یہ ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود اپنے عادات و اطوار اور اپنے تمدنی اثرات کے اعتبار سے وہاں کے باشندوں سے ہمیشہ ممتاز رہے۔ لیکن عرب کے یہود کسی حیثیت سے بھی عربوں سے ممتاز نہیں تھے اور نہ انہوں نے کوئی تمدنی یا علمی یادگار چھوڑی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے وہ عربی ہی جنس سے تھے۔ صرف انہوں نے کسی وجہ سے اپنا مذہب تبدیل کر لیا تھا۔

لیکن صرف یعقوبی کے بیان اور فرضی قیاسات پر یہ فیصلہ کر لینا کہ عرب کے تمام کے تمام یہود عرب النسل تھے، صحیح نہیں ہے۔

اُوپر جن واقعات کا تذکرہ آچکا ہے، ان ہی سے اس کی پوری تردید ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں دو تین باتیں قابل لحاظ ہیں :

یعقوبی نے بنی قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ انشاء اللہ ان قبائل کے تذکرے کے وقت اس کے دلائل ہم پیش کریں گے۔

۲۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود دنیا کے دوسرے حصوں کے یہود سے ممتاز نہیں تھے، یا ان کا کوئی تمدنی امتیاز نہیں تھا۔ اس گوشہ پر ''یہود کے تمدنی اثرات'' کے تحت آئندہ ہم مفصل بحث کریں گے۔ لیکن یہاں دو ایک باتیں سرسری طور سے کہی جاتی ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہود کو دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی امتیاز کبھی بھی حاصل نہیں تھا۔ اس لئے ان کے پاس وہ اسباب و ذرائع (خصوصیت سے حکومت) موجود ہی نہیں تھے، جن کی بنا پر قومیں امتیاز حاصل کرتی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کہیں بھی ممتاز تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرب یہود کو شاید سب سے زیادہ امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اس لئے کہ قرآن نے زیادہ تر ان ہی کے عقائد اور اخلاق و معاملات سے بحث کی ہے۔ اس خیال کی زیادہ تر تائید غالباً یہودی مستشرقین نے بھی کی ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کے ان بیانات کی اہمیت گھٹائی جائے۔ جن کا تعلق یہود سے ہے، لیکن خیال تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں ہے۔

یہ بات کہ یہود باہر سے نہیں آئے۔ پورے جزیرۂ عرب کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جزیرۂ عرب کے باشندوں کی ایک بڑی آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ یمن کے یہود تو اکثر بیشتر عرب ہی تھے۔ اس لئے اس سلسلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ یہود باہر سے بھی آئے اور خود عربوں کے بعض قبائل اور افراد نے بھی اسے قبول کیا۔ جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔ خصوصیت سے شمالی حجاز کے یہود زیادہ تر باہر سے آئے تھے۔

کیا عرب کے یہود دنیا سے منقطع ہو چکے تھے؟

تاریخ الیہود کے مصنف اسرائیل دلفنسوں نے لکھا ہے کہ عراق، مصر، یونان اور اس کے علاوہ جہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی، وہاں کے یہود کی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نہیں بلکہ انہوں نے تاریخ میں اپنے سیاسی و تمدنی آثار کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں سے ان کے گوناگوں تعلقات تھے۔ لیکن جزیرۂ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو گئے تھے اور عربوں میں اس طرح گھل مل گئے تھے کہ دونوں کی تہذیب و معاشرت میں کوئی فرق باقی نہیں تھا اور نہ دوسرے سے ممالک کے یہود کی طرح ان کے کوئی قابلِ ذکر تمدنی اور علمی آثار موجود تھے۔ لیکن واقعات کی روشنی میں یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

ا۔ ایک بات کہ وہ عربوں میں بالکل گھل مل گئے تھے اور دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں تھا، بالکلیہ صحیح نہیں ہے۔ جزیرۂ عرب میں جہاں یہود منتشر طور پر موجود تھے۔ وہاں واقعی ان کی کوئی نمایاں حیثیت نہیں تھی، جو ان کے مرکزی مقامات مثلاً یثرب، خیبر، وادی القریٰ اور تیماء وغیرہ تھے، وہاں وہ ہر نقطہ نظر سے عربوں سے ممتاز تھے۔ پوری تفصیل آگے آتی ہے۔

۲۔ دنیا کے دوسرے حصوں سے ان کا تعلق نہیں تھا۔ یہ غلط فہمی ویسی ہی ہے، جیسے کو خود عربوں کے متعلق یہ خیال کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ تھے، لیکن یہ خیال نہ تو عربوں کے متعلق صحیح ہے اور نہ یہود کے متعلق۔ عربوں اور حجاز یمن کے یہود کے تجارتی اور معاشرتی تعلقات دوسرے ملکوں سے قدیم زمانہ سے تھے۔ ذکر آچکا ہے کہ یمن کے یہود تجارت کی غرض سے برابر شام کا سفر کرتے رہتے تھے۔ جزیرۂ عرب کے جتنے تجارتی مرکز تھے وہ سب یہودیوں کے قبضہ میں تھے۔ یمن کی حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت کے درمیان آنحضرت ﷺ کی بعث تک برابر سیاسی چشمک جاری رہی۔ خصوصیت سے شام کے یہودیوں سے تو بعض معاشرتی تعلقات بھی تھے۔ شام کے یہودی مدینہ کے یہودیوں سے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کیا کرتے تھے۔

بنو قینقاع جلاوطن کئے گئے تو وہ یہاں سے ازراعات جو شام کے علاقہ میں ہے، چلے گئے۔ اسی طرح دوسرے یہودی قبائل کا بھی شام کی طرف جانا ثابت ہے۔ حجاز سے مدینہ کو جو راستہ جاتا ہے، اس شاہراہ پر جتنے مرکزی مقامات تھے، ان میں یہودیوں کی آبادیاں ملتی ہیں اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش تو تجارت کے لئے شام تک سفر کریں اور یہود جو جزیرۂ عرب کے سب سے زیادہ تاجر اور مالدار باشندے تھے، شام کا تجارتی سفر نہ کرتے ہوں۔ اور پھر مزید برآں یہ کہ شام ہی میں ان کا قبلہ اور سب سے مقدس عبادت خانہ تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر یہ خیال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ یہود منقطع ہو کر بالکل قبائلی زندگی گزار رہے تھے۔

۳۔ تمدنی اور علمی حیثیت سے بھی عرب کے یہودی ممتاز تھے۔ ان کے تمدنی و سیاسی اثرات پر بحث آگے آئے گی۔ البتہ علمی حیثیت کے متعلق کچھ باتیں یہاں کہی جاتی ہیں۔

جزیرۂ عرب کے یہودی علمی امتیاز کے لئے یہی ثبوت بہت ہے کہ ان میں حضرت عبداللہؓ ابن اسلام، حضرت زیدؓ بن سعنہ، حضرت مخزیقؓ، حضرت مامونؓ بن یامین، کعبؓ احبار، محمدؒ بن کعب القرظی، وہبؒ بن منبہ جیسے علماء اور کعبؓ بن اشرف اور سموئیل جیسے شعراء موجود تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کے صاحبزادے حضرت یوسفؓ نے اپنی ایک علمی یادگار بھی چھوڑی تھی ان کے متعدد مدارس قائم تھے۔ خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کی ایک مشہور درسگاہ تھی۔

جزیرۂ عرب میں سب سے زیادہ لکھے پڑھے یہودی ہوتے تھے۔ مدینہ میں غالباً سب سے پہلے تحریر کا رواج یہود ہی کے ذریعہ ہوا۔ وہ صرف اپنی مذہبی زبان عبرانی ہی نہیں بلکہ عربی سے بھی بخوبی واقف تھے اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے اور روزمرّہ کی زبان بھی یہی تھی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔

غالباً یہ یہود ہی کا اثر تھا کہ ظہور اسلام کے وقت متعدد صحابہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ بعض صحابہ تو عربی کے ساتھ عبرانی سے بھی واقف تھے۔

بہرنوع یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ عرب کے یہود تمدنی اور سیاسی حیثیت سے کوئی ممتاز حیثیت نہیں رکھتے تھے یا وہ علمی حیثیت سے دوسرے مقامات کے یہود سے پست تھے۔

یہود کے مرکزی مقامات اور ان کے مشہور قبائل :

یوں تو جزیرۂ عرب کے ہر حصہ میں یہودیوں کی آبادیاں موجود تھیں۔ لیکن خصوصیت سے شمالی عرب سے تمام مرکزی مقامات پر یہود قبائل آباد تھے اور ان میں اکثریت ان یہودیوں کی تھی جو باہر سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ ان قبائل کے نام، ان کی آمد اور ہجرت کے سلسلہ میں جو معلومات مل سکی ہیں وہ درج ذیل ہیں :

یثرب : ظہور اسلام کے وقت جزیرۂ عرب میں یہود کی سب سے بڑی آبادی یثرب اور خیبر میں تھی[1]۔ اس لئے سب سے پہلے ان ہی مقامات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یثرب کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ یہ یثرب بن قانیہ کا آباد کیا ہوا تھا۔ اس لئے اس کا نام یثرب پڑ گیا۔ یثرب بن قانیہ حضرت نوحؑ کی اولاد کی ساتویں پشت میں تھا۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو بہت قدیم آبادی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت بھی یہی نام رائج تھا۔ مگر آپ ﷺ نے طابہ اور طیبہ نام رکھا۔ پھر آپ کی ہجرت کے بعد وہ مدینۃ النبی ﷺ کے نام سے پکارا جانے لگا اور آخر میں یہی نام مخفف ہو کر زبانِ زد خاص ہو گیا۔

---

[1] بعثت نبوی سے ایک سو سال پہلے یہودیت کا سب سے بڑا مرکز یمن تھا۔ لیکن حمیری حکومت کی شکست اور ذونواس کے قتل کے بعد یمن میں یہودیت کی جگہ نصرانیت نے لے لی تھی۔ تفصیل آگے آئے گی۔

مدینہ میں جو یہود قبیلے آباد تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے :

بنو قریظہ : یہ نہایت قدیم قبیلہ تھا، جو اپنے وطن شام کو چھوڑ کر یہاں آیا اور وادیٔ مہرزور کے قریب جو مدینہ کے مشرق میں واقع ہے، آباد ہوگیا[1]۔ یہ وادی بعد میں ان ہی کے نام سے مشہور ہوگئی اور رفتہ رفتہ ان کی ملک میں آ گئی۔

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا، ان میں بنو قریظہ کا قبیلہ بھی تھا۔ معاہدہ کی رُو سے مسلمان اور یہود ایک دوسرے کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن ۵ ھ میں انہوں نے معاہدہ شکنی کی۔ اس سے پہلے غزوۂ احزاب وغیرہ میں یہ مسلمانوں کے خلاف سازش کر چکے تھے۔ اس لئے ان کو اس جرم کی سزا بھگتنی پڑی۔ حضرت ثعلبہؓ، حضرت زیدؓ بن سعنہ، حضرت سعیہؓ، حضرت عطیہؓ، حضرت ریحانہؓ وغیرہ اہلِ کتاب صحابہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بنو نضیر : اس خاندان نے بھی بنو قریظہ کے ساتھ ہی اپنا آبائی وطن چھوڑا اور مدینہ کے جنوب مشرق میں وادیٔ بطحان کے پاس آ کر آباد ہو گئے۔ یہ مدینہ کی سب سے بڑی آبادی تھی۔ یاقوت نے بطحان کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بنو نضیر اسی وادی کے قریب آ کر آباد ہوئے، لیکن ایک جگہ ایک مقام بویرہ کو ان کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے : کہ

"ھو موضع منازل بنی نضیر".

"بنو نضیر کی آبادی اسی جگہ پر ہے"۔

بویرہ ایک کنوئیں کا نام ہے۔ ہوسکتا ہے یہ کنواں وادیٔ بطحان کے قریب ہی رہا ہو۔ اس بنا پر دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے[2]۔

آنحضرت ﷺ نے اس قبیلہ سے بھی معاہدہ کیا تھا۔ لیکن انہوں نے بھی معاہدہ شکنی کی اور اس کی پاداش میں ۴ ھ میں جلاوطن کئے گئے۔ حضرت مخریقؓ، حضرت یامینؓ، حضرت ابوسعیدؓ وغیرہ اسی قبیلہ سے تھے۔

بنو قینقاع : اس قبیلہ کے متعلق یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ باہر سے ہجرت کر کے آیا تھا یا یہیں کا کوئی عرب قبیلہ تھا۔ جس نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس قبیلہ کے لوگ عام طور پر صناع اور

---

[1] معجم البلدان، جلد ۸۔ ص ۲۱۲　[2] معجم البلدان۔ جلد ۲۔ ص ۲۲۶

زراعت پیشہ تھے۔خصوصیت سے آہنگری اور زرگری ان کا خاص پیشہ تھا۔خود ان کا نام بھی ان کے پیشوں کے طرف راہنمائی کرتا ہے۔قین عربی میں لوہار کہتے ہیں اور قاع اس ہموار اور نرم زمین کو کہتے ہیں، جس میں کھیتی کی جاسکے۔جن سے ان کی دونوں خصوصیتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مدینہ کے دوسرے یہودی قبائل کے مقابلہ میں یہ زیادہ مضبوط اور طاقتور تھے۔سب سے پہلے اسی قبیلہ نے معاہدہ شکنی کی اور اس کے نتیجہ میں جلاوطن کئے گئے۔مدینہ سے نکل کر اذرعات میں، جو شام کا ایک ضلع ہے، چلے گئے۔

بنوہدل : یہ قبیلہ بھی بنوقریظہ کے ساتھ اپنے وطن سے ہجرت کرکے مدینہ آیا تھا اور ان ہی کے ساتھ آبادی مہرزور میں آباد ہوگیا تھا[1]۔یہ قبیلہ اپنی کوئی الگ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔بلکہ ہر معاملہ میں بنو قریظہ ہی شریک تھا۔بعض کتابوں میں اس کا نام بہدلکھا ہوا ہے۔سمہودی نے لکھا ہے کہ ان کو ہدل اس لئے کہتے تھے کہ عام طور پر ان کے ہونٹ موٹے اور لٹکے ہوئے ہوتے تھے۔عربی میں ایسے آدمی کو ہدل کہتے ہیں[2]۔حضرت ثعلبہؓ،حضرت اسدؓ بن کعب اور عبداللہ بن سلام اسی قبیلہ سے تھے۔

بنوزنباع : یہ قبیلہ بنوقریظہ ہی کی ایک شاخ اور اس کے ماتحت تھا۔بنوقریظہ سے اس کے تعلق کی بنا پر یہ تو معلوم ہے کہ یہ قبیلہ بھی ہجرت کر کے آیا تھا۔مگر اس کی جائے قیام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں ملتی۔حضرت رافعؓ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

یثرب کے دوسرے یہودی قبائل :

مذکورہ قبائل کے علاوہ مدینہ منورہ میں اور بھی متعدد یہودی قبائل تھے،جن کو خود کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہیں تھی، بلکہ وہ ہر معاملہ میں ان ہی یہودی قبائل کے پابند تھے۔مثلاً بنو عریض جبل احد کے قریب آباد تھے۔بنوظفر وادیٔ مہرزور کے آخر سرے پر آباد تھے۔بنواشہل اور بنوحارثہ مدینہ کے بالکل مشرق میں آباد تھے۔ان کے علاوہ چند اور قبائل کے نام اس معاہدہ میں آئے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے یہود سے کیا تھا۔

۱۔یہود بنی عوف ۲۔یہود بنی نجار ۳۔یہود بنی ساعدہ ۴۔یہود بنی الاوس
۵۔یہود بنی ثعلبہ ۶۔بنوجفنہ ۷۔بنوالشطیبہ ۸۔بنوحارث۔اس معاہدہ میں ان قبائل کے ذکر کے بعد یہ دفعہ بھی ہے : کہ

---

[1] معجم البلدان۔جلد ۸۔ص ۲۹۶   [2] وفاء الوفاء۔جلد ۱۔ص ۱۱۴

" وان بطانة يهود كا نفسهم " .

''اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے، جو اصل کو حاصل ہیں''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے اور بھی دوسرے ذیلی قبائل تھے۔ چنانچہ اس کی تائید سمہودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ مدینہ کے یہودی قبائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" ان يهود كانوا نيفا وعشرين قبيله "[1]۔

''مدینہ میں یہود قبائل بیس (۲۰) سے زیادہ تھے''۔

ان ذیلی قبائل میں بیشتر ایسے تھے، جن کا تعلق اوس وخزرج سے تھا۔ مگر انہوں نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ اس لئے وہ یہودی قبائل میں شمار ہوتے تھے۔ مثلاً بنو اشہل، بنو حارثہ، بنو عوف وغیرہ قبیلہ اوس کی شاخیں تھیں۔ اس طرح بنو نجار، بنو حارث، بنو ساعدہ وغیرہ خزرج کے تحت قبائل تھے۔

خیبر : شمالی حجاز میں یہود کا دوسرا بڑا مرکز خیبر تھا، جو شام کے راستہ میں مدینہ منورہ سے تقریباً آٹھ منزل پر واقع ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہاں کی یہودی آبادی کہیں سے ہجرت کر کے آئی تھی یا یہیں کی خود عرب آبادی نے یہودیت قبول کر لی تھی۔ بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قدیم آبادی ہے۔ معجم البلدان نے خیبر کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ یہ بستی خیبر بن قانیہ کی طرف منسوب ہے۔ اس لحاظ سے ان کے اور انصار کے جدِّ اعلیٰ ایک ہی ہیں۔ انصار کے جدِ اعلیٰ یثرب بن قانیہ کا ذکر اُوپر آ چکا ہے۔

اس بیان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں یہودیت کا فروغ کب سے ہوا۔ اس سلسلہ میں عاجز کی رائے یہ ہے کہ خیبر عبرانی لفظ ہے، جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ لفظ خود اشارہ کر رہا ہے کہ اس بستی کو یہود سے بڑا قدیم تعلق ہے اور پھر اس سرزمین کو قلعوں کی سرزمین کہا جائے تو صحیح بھی ہے۔ اس لئے یہاں بہت سے قلعے تھے، جن کی یادگار آج تک باقی ہے۔

خیبر حجاز کا بڑا زرخیز علاقہ ہے، جس کو تجارتی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہاں کے یہود اقتصادی حیثیت سے بہت ممتاز تھے۔ انہوں نے متعدد جنگی قلعے بنا رکھے تھے، جن میں سات قلعے بہت مشہور تھے۔ ۱۔ ناعم، ۲۔ قموص، ۳۔ حصن الشق، ۴۔ حصن النطاۃ، ۵۔ حصن السالم ۶۔ حصن الوطیح، ۷۔ حصن الکتیبۃ[2]۔ یعقوبی کا بیان ہے کہ اس میں بیس ہزار سپاہی رہتے تھے[3]۔ یعقوبی کے اس بیان سے خیبر کی وسعت اور اس کی آبادی کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء، ص ۱۱۶ [2] اس کی تفصیل معجم البلدان وغیرہ میں ملتی ہے [3] یعقوبی۔ جلد ۲۔ ص ۵۲

دوسرے یہود کی طرح اسلام کے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں جب بہت بڑھ گئیں تو ۷ ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کے خلاف جارحانہ کاروائی کر کے اُن کو شکست دی۔ پوری تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت صفیہؓ کا وطن خیبر ہی تھا۔

فدک : خیبر اور مدینہ کے درمیان فدک کی بستی تھی۔ یہاں بھی یہودیوں کی آبادی تھی اور دوسرے مقامات کی طرح یہاں کے یہود بھی نہایت خوش حال تھے۔ یہ بستی بھی پُرانی ہے، مگر یہاں یہود کب آباد ہوئے، اس کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے آس پاس جن قبائل سے صلح کی تھی، ان میں اہلِ فدک بھی تھے۔ تاریخوں میں ان کا تذکرہ اسی حیثیت سے آتا ہے۔

وادی القریٰ : شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے، جس میں بہت سی بستیاں آباد تھیں۔ اس کو ''وادی القریٰ'' (بستیوں کی وادی) کہتے ہیں۔ یہ نہایت ہی قدیم آبادی ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں عاد وثمود آباد تھے۔ یہ بستیاں اپنی سرسبز وشادابی کے لحاظ سے ہمیشہ سے ضرب المثل تھیں۔ قرآن مجید کی ان آیات میں انہی بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔

'' اَتُتْرَكُوْنَ فِیْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِیْنَ، فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِیْمٌ ''۔ (شعراء)

'' کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا، جو یہاں موجود ہیں، یعنی باغوں، چشموں اور کھیتوں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں''۔

ارباب تاریخ وجغرافیہ لکھتے ہیں کہ عاد وثمود کی تباہی کے بعد دوسرے عربی قبائل بھی یہاں آباد ہوئے، مگر وہ سب یہود کے زیر اثر رہے۔ قضاعہ، جہینہ اور عذرہ وغیرہ قبائل اسی وادی میں آباد تھے[1]۔ اس تفصیل سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ یہاں کے یہود جزیرۂ عرب میں ہجرت کر کے آئے تھے اور بہت قدیم زمانہ سے یہاں آباد تھے۔

آنحضرت ﷺ خیبر اور فدک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے بھی خیبر کے شرائط صلح کے تحت صلح کر لی۔

عہدِ اسلام کے بعد بھی کئی صدیوں تک یہودیوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ تاریخ الیہود کے مصنف کا بیان ہے کہ گیارھویں صدی عیسوی تک یہود موجود تھے (ص ۱۸۶)۔ یاقوت نے اپنے زمانہ یعنی ساتویں صدی ہجری میں اس کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے: ''اس وقت یہ زمین بالکل ویران ہے۔

---

[1] معجم البلدان۔ جلد ۷۔ ص ۴۷ یہود اور مسلمانوں میں جتنی جنگیں ہوئیں، ان سب میں یہ قبائل یہود کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

کنوؤں اور چشموں کا پانی اب تک ویسے ہی جاری ہے، مگر اس سے فائدہ اُٹھانے والا کوئی موجود نہیں''۔[۱]

ان دونوں بیانوں سے پتہ چلتا ہے کہ پانچویں اور ساتویں صدی ہجری مطابق گیارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے درمیان یہود نے اس سرزمین کو چھوڑا ہے، لیکن یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ ان کے ترک وطن کے اسباب کیا تھے اور وہ یہاں سے کہاں گئے۔

بلاذری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے خیبر کے یہود کے ساتھ وادئ القریٰ کے یہودیوں کو بھی جلاوطن کر دیا تھا[۲]۔ لیکن یہ بیان محل نظر ہے۔ دوسرے یہ روایت ''قیل'' کے لفظ سے مروی ہے، جو اس کے مصنف پر دال ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی دلائل ہیں، جس کی بنا پر بلاذری کی یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ واللہ اعلم

تیماء : وادی القریٰ سے قریب ہی تیماء کی بستی تھی۔ فدک اور وادی القریٰ کی طرح تیماء بھی مدینہ اور شام کے راستے پر واقعہ تھا۔ یہاں بھی یہود کی آبادی تھی۔ ظہور اسلام سے پہلے یہاں بنو عادیا کا خاندان حکمران تھا[۳]۔ اس خاندان کا ایک ممتاز فرد سموءل بن عادیا تھا، جو اپنی شاعری اور وفا شعاری میں ضرب المثل تھا۔ حضرت رفاعہؓ کا جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی کے لڑکے تھے۔ یہ حضرت صفیہؓ کے ماموں ہوتے تھے۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وادی القریٰ سے واپس ہوئے تو اہل تیماء نے صلح کی درخواست کی اور آپ نے قبول کر لی[۴]۔ مگر یہ بیان بھی قابلِ غور ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

نجران : بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نجران میں بھی قدیم زمانہ سے یہود آباد تھے، لیکن یمن کی یہودی سلطنت کے زوال کا اثر نجران کے یہودیوں پر بھی پڑا، اور آہستہ آہستہ ان کی آبادی وہاں سے ختم ہوگئی اور ان کی جگہ نصرانیوں نے لے لی۔

ظہور اسلام سے پہلے نجران میں یہود کی موجودگی کے واقعات کے سلسلہ میں یہ واقعہ ارباب تاریخ اور مفسرین عام طور پر لکھتے ہیں کہ ''عیسائیوں نے نجران کے کسی یہودی کے دولڑکوں کو کسی وجہ سے قتل کر دیا۔ یہودی نے یمن کے یہودی حکمران ذونواس سے دادرسی کی۔ اس نے نجران پر حملہ کیا[۵] اور

---

[۱] معجم البلدان۔ جلد ۷۔ ص ۴۳ [۲] فتوح البلدان۔ ص ۴۱ [۳] کتاب الشعر والشعراء۔ ص ۴ [۴] فتوح البلدان۔ ص ۴۴

[۵] اس حملہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا رجحان اور ان کا تعاون دینی رشتہ کی بنا پر حبشہ کی عیسائی حکومت کے ساتھ زیادہ تھا اور یمن کے یہودی حکمرانوں اور حبشہ کے عیسائی حکمرانوں میں برسوں سے سیاسی کشمکش چلی آرہی تھی اس کشمکش کی موجودگی میں نجران کی یہ روش یہودیوں کے لئے سیاسی حیثیت سے خلش کا سبب بنی ہوئی تھی۔ حبش پر براہِ راست حملہ کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔ اس لئے انہوں نے نجران ہی کو اپنی دشمنی کا نشانہ بنایا۔ ممکن ہے یہودی بچوں کے قتل ہی کو یہودیوں نے نجران پر حملہ کرنے کا ایک سیاسی اور قانونی بہانہ بنایا ہو۔ جس طرح یمن کے عیسائیوں نے کعبہ پر حملہ کے لئے ایک معمولی بہانہ نکال لیا تھا۔

وہاں کی عیسائی آبادی کا قتل عام کیا، جس کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے [۱]۔

" قُتِلَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ "۔ (بورج)

"خندق والے یعنی بہت سی ایندھن کی آگ رکھنے والے ملعون ہوئے"۔

یہ واقعہ اسلام سے ایک صدی پہلے کا ہے۔ اس کے بعد ہی یمن کی یہودی سلطنت ذونواس کے بعد ختم ہوگئی اور پھر یہودیوں کو جزیرۂ عرب میں سیاسی غلبہ نہیں ہوا۔ اس زوال کا اثر یہودیوں کی تمام آبادیوں پر پڑا۔ ظہور اسلام کے وقت نجران میں عیسائیوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے۔ مگر تاریخ کی عام کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ ابوداؤد کی ایک روایت سے ان کی آبادی کا پتہ چلتا ہے اور ہو یہ ہے کہ نجران میں یہود کی آبادی تھی، جو حضرت عمرؓ کے زمانہ تک باقی رہے اور آپ ہی کے زمانہ میں بعض سیاسی مصلحتوں کی بنا پر جلاوطن کر دیئے گئے [۲]۔

آئندہ اوراق میں "جزیرۂ عرب میں عیسائیت" کے عنوان کے تحت اس کی پوری تفصیل آئے گی۔

اذرح اور جرباء : جزیرۂ عرب کی سرحد پر یہ بستیاں پاس ہی پاس واقع تھیں، جن میں یہود آباد تھے اور ان ہی کا غلبہ تھا۔ آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو یہاں کے باشندوں نے صلح کی درخواست کی۔ اہل اذرح نے سو دینار سالانہ اور اہل جرباء نے جزیہ کے طور پر کچھ متعین رقم دینے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر آپ ﷺ نے ان سے صلح کر لی [۳]۔

مقنا : یہ بستی خلیج عقبہ (ایلہ) کے کنارے آباد تھی۔ اس کی حیثیت ایک بندرگاہ کی تھی۔ یاقوت اور بلاذری دونوں نے لکھا ہے کہ یہاں کے باشندے یہودی تھے، مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ وہ یہاں کب آباد ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے جو معاہدہ کیا تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ شکار ماہی، کتاہی اور زراعت ان کا خاص پیشہ تھا [۴]۔

اہل مقنا کے معاہدہ کے سلسلہ میں کچھ قابل غور باتیں ہیں، جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔

بحرین : بحرین، فارس اور جزیرۂ عرب کی سرحد پر واقع ہے، جو فارس کے ماتحت تھا۔ یہاں کے باشندے نہ خالص عربی تھے اور نہ عجمی۔ بلکہ یہ مقام مختلف اور متضاد مذہب اور تہذیب و تمدن رکھنے والی

۱۔ اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں تفسیروں میں متعدد واقعات مذکور ہیں۔ ممکن ہے ایک ہی واقعہ نے متعدد جگہ پر مختلف شکلیں اختیار کر لی ہوں۔ جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے واقعات میں ہوتا ہے۔ ۲۔ ابوداؤد، جلد۲۔ باب اخراج الیہود۔
۳۔ فتوح البلدان۔ ص ۷۶ ۴۔ ایضاً ۷۶

قوموں کا سنگم تھا۔ عرب و عجم، یہود و نصاریٰ اور مجوس و آتش پرست سب ہی یہاں موجود تھے۔ عربوں کو جن مقامات پر دوسری قوموں سے ملنے اور قریب سے ان کی تہذیب و ثقافت سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ ان میں ایک بحرین بھی ہے۔ فتوح البلدان میں ہے : کہ

"اہل الارض من المجوس و الیھود و النصٰری" ۔ (۸۶)

''اہل بحرین کی آبادی مجوس، یہود اور نصاریٰ پر مشتمل تھی''۔

عرب کے مشہور قبائل عبدالقیس، بکر بن وائل، تمیم وغیرہ یہیں آباد تھے۔

افسوس ہے کہ بحرین کی قدیم تاریخ پردۂ اخفا میں ہے۔ ظہور اسلام کے وقت منذر بن ساوی وہاں کا حکمران تھا۔ غالباً یہ عرب تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ۶ ھ میں جب قریب کے ملوک و سلاطین کو دعوتی خطوط لکھے تو ایک خط منذر روالیٔ بحرین کو بھی لکھا اور حضرت علاء ابن عبداللہ کے ہاتھ روانہ فرمایا۔ منذر پر اس خط کا بہت اچھا اثر پڑا اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اس کے ساتھ اہل بحرین کی ایک بڑی تعداد بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ نے منذر کو اس عہدہ پر جوں کا توں باقی رکھا[۱]۔

۸ ھ میں منذر نے تحریری طور پر آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یہاں یہود کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے جواب لکھا کہ جو لوگ تبلیغ اسلام کے بعد بھی اسلام قبول نہ کریں، ان سے فی کس ایک دینار سالانہ جزیہ لیا جائے[۲]۔

آنحضرت ﷺ کے دورِ سعادت کے بعد یہاں کے باشندے عام طور پر مرتد ہونے لگے تو حضرت بشر بن جارودؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، انہوں نے اہل بحرین کو ارتدا سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی[۳]۔

مکہ و طائف : مکہ اور طائف میں خالص عرب مشرکین کی آبادی تھی، مگر مکہ کی قدیم تاریخوں میں عربوں اور خصوصیت سے قریش اور یہود میں تجارتی و تمدنی تعلقات کے بیان کے سلسلہ میں یہود کا ذکر بھی آتا ہے۔ جس سے یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ آیا مکہ و طائف میں عرب مشرکین کے ساتھ یہود آباد تھے یا نہیں۔ بعض مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ میں عربوں کے ساتھ یہود بھی آباد تھے[۴]۔ مگر عربی تاریخوں سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لئے اس کی صحت میں ہم کو تامل ہے۔

---

۱ فتوح البلدان۔ ص ۸۶   ۲ ایضاً۔ ص ۹۱ اور سیاسی زندگی ڈاکٹر حمید اللہ۔ ص ۳۵۰
۳ فتوح البلدان۔ ۹۱   ۴ تاریخ الیہود۔ ص ۹۴

اس سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر مکہ میں یہود موجود ہوتے تو قریش کا وفد مکہ کے یہودیوں کو چھوڑ کر مدینہ کے یہود کے پاس کیوں جاتا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور دوسرے ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن معیط وغیرہ کو آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں کچھ باتیں دریافت کرنے کے لئے مدینہ بھیجا تھا۔ چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف، رُوح اور ذوالقرنین کے سلسلے میں جو آیات نازل ہوئیں، ان سب کا نزول یہی واقعہ ہے۔

یہ ضرور ہے کہ اہل مکہ اور یہود میں گوناگوں تعلقات تھے۔ مکہ کے عکاظ اور مجنہ کے بازاروں میں یہود تاجر اور کاہن شریک ہوتے تھے، جہاں کہانت کی شعبدہ بازیاں زیادہ تر ان ہی کے دم سے قائم تھیں۔ مکہ میں بعض یہودی غلاموں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ پھر مکہ کے قریب ہی بنو کنانہ آباد تھے، جس میں یہودیت موجود تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان وجوہ کی بناء پر یہ خیال قائم کرلیا گیا کہ یہاں یہود موجود تھے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔

البتہ طائف کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ یہاں قدیم زمانہ سے یہودیوں کی ایک نوآبادی موجود تھی۔ فتوح البلدان میں ہے:

"کان بمخلاف الطائف قوم من الیھود طرد من الیمن و یثرب فاقامھا بھا للتجارۃ"۔ (ص ۶۳)

"طائف کے ایک حصہ میں یہودیوں کی آبادی تھی۔ جو یمن و یثرب سے نکال دیئے گئے تھے اور بسلسلۂ تجارت یہاں آکر آباد ہوگئے تھے"۔

جب طائف پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہاں کے یہودیوں پر جزیہ لگایا گیا۔ بلاذری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے یہاں کے بعض یہودیوں کی جائداد خریدی تھی[1]۔ اس سے زیادہ یہاں کے یہودیوں کے وجود کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔

تبالہ و جرش: تبالہ و جرش طائف کے جنوب میں واقع ہیں۔ تاریخوں میں ہے کہ ان بستیوں میں بھی عربوں کے ساتھ اہل کتاب آباد تھے۔ یہ بصراحت معلوم نہیں ہوسکا کہ اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ دونوں مراد ہیں یا صرف یہود۔ لیکن ہمارا قیاس ہے کہ دونوں مراد ہیں اور دونوں آباد ہوں گے۔ اس لئے کہ اکثر مرکزی مقامات میں دونوں کے آباد ہونے کا پتہ چلتا ہے، جیسا کہ مقنا اور بحرین کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے۔

---

[1] فتوح البلدان۔ ص ۶۳

یہ بہت ہی قدیم اور زرخیز بستیاں تھیں اور خصوصیت سے تبالہ کے بارے میں تو یاقوت نے لکھا ہے : ''اس کی زرخیزی ضرب المثل ہے'' [۱]۔

۱۰ھ میں یہاں کے عرب باشندوں نے تو اسلام قبول کرلیا، لیکن اہل کتاب اپنے دین پر قائم رہے اور انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں کی امارت پر حضرت سفیانؓ کا تقرر فرمایا تھا [۲]۔

یہودیوں کی ان یکجا آبادیوں کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں ایک ایک دو دو اشخاص ملتے ہیں، جنہوں نے یہودیت قبول کرلی تھی اور بعض ایسے عربی قبائل کا بھی پتہ چلتا ہے جو پورے پورے دائرۂ یہودیت میں داخل ہوگئے تھے۔ مثلاً حمیر، بنو کندہ، بنو کنانہ، بنو الحارث، قضاعہ [۳]۔ غسان اور جذام کے بعض خاندانوں میں بھی یہودیت تھی [۴]۔

یہودی قبائل اور ان کی آبادیوں کا ذکر اس وسعت کے ساتھ اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہوجائے کہ جزیرۂ عرب کے اندر جتنے بھی تجارتی، زراعتی، سیاسی، مرکزی مقامات تھے، تقریباً ان سب پر یہودیوں کا قبضہ تھا یا کم از کم وہاں ان کا اثر ورسوخ تھا۔ دوسرے آئندہ جو مباحث آنے والے ہیں، ان میں بھی اس تفصیل سے واقعات کے سمجھنے میں بہت کافی مدد ملے گی۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں کے تعلقات اور اس کی نوعیت :

جزیرۂ عرب میں یہودیوں کی آمد اور ان کی آبادیوں کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، اس سے اجمالاً عربوں اور یہودیوں کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ مگر پھر بھی اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے تاکہ ان کے تعلقات کی تمام جہتیں اور نوعیتیں پورے طور سے سامنے آجائیں۔

اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں گوناگوں معاشرتی اور تمدنی تعلقات تھے۔ مگر ان کے باوجود ذہنی طور پر ان میں ایک طرح کی اجنبیت اور مغائرت بھی موجود تھی۔ مگر وہ وطنی اور معاشرتی نہیں تھی۔ بلکہ معاشی اور مذہبی تفوق یا افضلیت ومفضولیت کی تھی۔

یہود دین الٰہی کے ماننے والے اور صحف سماوی کے حامل تھے۔ پھر بھی اسی کے ساتھ ان کو پورے جزیرہ میں معاشی غلبہ حاصل تھا۔ اس لئے وہ عام عربوں کے مقابلہ میں اپنے آپ کو افضل اور بہتر سمجھتے تھے۔

۱۔ معجم البلدان۔ جلد ۲۔ ص ۲۵۶ ۲۔ فتوح البلدان۔ ص ۶۶ ۳۔ معارف بن قتیبہ۔ ص ۲۶۶
۴۔ یعقوبی۔ جلد ۱۔ ص ۲۹۸

غالباً اسی تفوق پسندی ہی کا نتیجہ تھا کہ یہود خالص عرب آبادی میں بہت کم آباد تھے اور جہاں عربوں کے ساتھ وہ آباد بھی تھے تو وہاں انہوں نے اپنا تفوق قائم رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی امتیاز بھی باقی رکھا۔ یہودی آبادیوں کے نقشے پر آپ نظر ڈالیں گے تو عاجز کے اس خیال کی پوری تائید ہوگی۔

مگر چونکہ ان کو پورے جزیرہ میں عددی اکثریت حاصل نہیں تھی اور دوسرے ان کے تجارتی اسباب وسامان اور زراعتی پیداوار اور حاصلات کی منڈی زیادہ تر عرب ہی آبادیاں تھیں۔ اس لئے وہ عربوں سے بالکل منقطع اور بے تعلق ہوکر نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تفوق کے باوجود انہوں نے ہمیشہ عربوں سے اپنے تعلقات استوار رکھنے کی کوشش کی، جیسا کہ ہر تجارت پیشہ اور کاروباری قوم کا شیوہ ہوتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں عام اہل عرب مذہبی اور معاشی دونوں حیثیت سے اپنے کو کمتر سمجھتے تھے اور وہ شاید سمجھنے پر مجبور بھی تھے، اس لئے کہ ان نعمتوں سے جو یہودیوں کو حاصل تھیں، ان کا دامن قریب قریب خالی تھا۔ نہ تو ان کے پاس کوئی کتاب الٰہی تھی اور نہ معاشی حیثیت سے وہ مطمئن تھے۔

قریش جو تجارت میں معروف ومشہور تھے اور جن کو کعبہ کے کلید بردار اور نگران ہونے کی وجہ سے سارے عرب کی سیادت ہی نہیں بلکہ پورے جزیرۂ عرب کی بے تاج بادشاہی بھی حاصل تھی، وہ بھی یہود کی مذہبی افضلیت وتفوق کے معترف اور ان کی معاشی برتری کے ماننے پر مجبور تھے۔

قرآن مجید نے متعدد جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ''اگر تم کو (اہل عرب) رسول کی سچائی اور دین حق میں شبہ ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو''۔ حدیث وسیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریش نے متعدد بار اپنے وفود مدینہ کے یہود کے پاس اس لئے بھیجے کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کے صفات کتب سابقہ کی روشنی میں ان سے دریافت کریں۔ اسی تفوق وافضلیت ہی کا اثر تھا کہ جب لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے تو وہ منت مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہ جائے گا تو اسے یہودی بنادیں گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس طرح کے بہت سے جدید الیہودیہ افراد موجود تھے[1] تفصیل آگے آئے گی۔

معاشی حیثیت سے بھی یہود کو عربوں پر عام طور پر تفوق حاصل تھا۔ مدینہ کی بیشتر آبادی ان کی مقروض تھی۔ خیبر کا بھی یہی حال تھا۔ وہاں وہ عربوں سے مزدوری کراتے تھے۔ جس وقت خیبر فتح ہوا، اس وقت بہت سے عرب خدمت گاران کے پاس موجود تھے[2] قریش جو پورے عرب میں ممتاز

---

[1] ابوداؤد۔ جلد۲۔ ص ۹ کتاب الجہاد [2] ابن ہشام وغیرہ

اور صاحب ''رحلۃ الشتاء والصیف'' تھے، وہ بھی شادی بیاہ کے موقع پر خیبر کے یہودیوں سے زیورات کرایہ پر لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی طرح کے مستعار زیورات گم ہوئے تو قریش نے یہودیوں کو دس ہزار دینار ہرجانہ ادا کیا[1]۔

کہنا یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں اور یہودیوں میں باہم معاشی اور معاشرتی تعلقات تھے اور باوجود تفوق و مذہبی مغائرت کے جنگ وغیرہ کے مواقع پر اپنے مصالح کے ماتحت عربی قبائل سے وہ تحلیف ومعاہدہ کرتے تھے اور اس میں شریک ہوتے تھے۔

مدینہ کے مشہور عربی قبائل اوس وخزرج میں جتنی لڑائیاں ہوئیں[2]۔ ان میں وہاں کے یہودی قبائل کسی نہ کسی کے حلیف تھے۔ اسی طرح خیبر کے یہودیوں سے آس پاس کے تمام قبائل سے معاہدہ جنگ تھا۔ چنانچہ اسلامی غزوات کے مواقع پر انہوں نے اس حلف ومعاہدہ سے پورا فائدہ اُٹھایا[3]۔

یہی نہیں بلکہ بعض عربی قبائل اور یہودیوں میں شامل شادی بیاہ کے رشتے بھی شروع ہوگئے تھے۔ کعب جو یہود مدینہ کا اشعر الشعراء اور سب سے بڑا دشمن اسلام تھا، اس کا باپ قبیلہ طے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بنونبہاں سے تھا، جس نے مدینہ میں آکر اپنا اثر ورسوخ پیدا کیا اور سردار بنونضیر ابورافع کی لڑکی سے شادی کرلی تھی[4]۔ اس طرح مدینہ کے یہود اور عربی قبائل میں بھی غالباً اسی قسم کے تعلقات تھے اور خصوصیت سے وہ قبائل جو جدید الیہودیہ تھے[5]۔

ظہورِ اسلام سے پہلے یہود اور عرب کے ایک دوسرے پر تمدنی اور معاشرتی اثرات :

یہ تو اب تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ عرب اسلام سے پہلے دنیا سے بالکل منطقع نہیں ہوگئے تھے، بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں سے ان کا ہمیشہ واسطہ رہا اور دنیا کی مختلف قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی ان پر پڑے تھے۔ اسی طرح ان ملکوں اور قوموں پر بھی انہوں نے اپنے اثرات ڈالے، جن سے ان کا واسطہ رہا یا جزیرۂ عرب میں آباد تھیں۔

یہود ایک قدیم قوم تھی جو دنیا کے ہر خطہ میں آباد تھی۔ خصوصیت سے عراق، ایران، مصر، یونان اور شام کے علاقہ میں ان کی کثیر آبادی تھی، لیکن اس قدامت کے باوجود ان کی قسمت میں زیادہ تر

---

[1] السیر الکبیر۔ جلد ا۔ ص۱۸۶ تقریباً ۲۵ ہزار روپے ہوئے۔
[2] مثلاً جنگ فجار اور جنگ بعاث وغیرہ
[3] مثلاً غزوۂ بدر، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر وغیرہ
[4] زرقانی۔ جلد ۲۔ ص۹
[5] ان قبائل کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔

ہجرت ہی مقدر تھی، یا ان کی طبیعت ہی ایسی واقعہ تھی کہ ایک جگہ جم کر نہیں رہ سکتے تھے۔ جو بات بھی ہو، بہرحال ایسا ضرور ہوا کہ وہ جہاں بھی آباد ہوئے وہاں سے انہیں ہجرت ضرور کرنی پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو دنیا کی مختلف قوموں اور ان کے تمدنوں اور تہذیبوں سے واسطہ پڑا۔ کسی کو کچھ دیا اور کسی سے کچھ لیا۔

عرب میں جو یہود آباد تھے، جیسا کہ ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے کہ ان کی اکثر آبادی باہر سے اور خصوصیت سے شام وفلسطین کے علاقوں سے ہجرت کر کے آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ جب یہاں آئے تو ان ملکوں اور قوموں کے تمدنی اور مذہبی اثرات بھی اپنے ساتھ لائے، جن سے ان کا واسطہ رہ چکا تھا اور چونکہ یہ جزیرۂ عرب کے ہر خطہ میں آباد تھے، اس لئے انہوں نے پورے جزیرۂ کی عرب آبادی کو اس سے کم وبیش متاثر کیا۔ لیکن یہ اثرات صرف ایک ہی طرف نہیں، ہر دو طرف سے پڑے تھے۔ بلکہ بعض حیثیتوں سے تو عرب کے اثرات ان پر زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر بعض مستشرقین نے یہ رائے قائم کرلی کہ جزیرۂ عرب کے یہود دنیا سے بالکل منقطع ہو چکے تھے اور ان میں یہودی خصوصیت باقی نہیں رہ گئی تھی اور بعض نے یہ خیال قائم کرلیا کہ جزیرۂ عرب کے یہود باہر سے ہجرت کر کے سرے سے آئے ہی نہیں تھے۔

اب ہم مختصر طور سے یہود کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں، جس کے ضمن میں عربوں کے بعض اثرات کا ذکر بھی آئے گا۔ اُوپر ذکر آ چکا ہے کہ یہود کو عربوں پر مختلف حیثیتوں سے تفوق حاصل تھا، جس کا عرب بھی اعتراف کرتے تھے اور بہت سے معاملات میں انہی کی اقتداء کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کے اثر سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

" کان هذا الحی من الانصار وهم اهل وثن مع هذا الحی وهم اهل الكتاب فكانوا يرون فضلا عليهم فی العلم و كانوا يقتدون فی كثير من فعلهم " ۔ (ابوداؤد)

" یہ انصار کے قبائل اہل کتاب کے قبائل کے ساتھ آباد تھے۔ انصار ان کو علم وفضل میں اپنے سے افضل سمجھتے تھے اور اکثر معاملاتِ زندگی میں ان کی اقتداء کرتے تھے"۔

یہود کے پیشے :

جزیرۂ عرب میں جہاں یہود آباد تھے، عموماً ان کے خاص تین پیشے تھے، زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت۔

زراعت : بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ زراعت میں یہود عربوں کے اُستاد تھے[1]۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرب یہود کی آمد سے پہلے زراعت کرنا نہیں جانتے تھے۔ اور یہود نے آکر ان کو سکھایا۔ بلکہ انہوں نے زراعت کے نئے نئے طریقے اور اس کے لئے جدید قسم کے آلات عربوں کو بتائے اور بعض نئے قسم کے پودوں اور درختوں سے ان کو آگاہ کیا[2]۔ جن سے پہلے یہاں کے لوگ واقف نہیں تھے۔ اسی طرح یہودیوں کو پرندوں اور جانوروں کے پالنے کا بھی شوق تھا[3]۔

حجاز کے یہود عموماً شام و فلسطین سے آئے تھے۔ جہاں کی زمین زرخیزی اور زراعت کی موزونیت کے لحاظ سے ضرب المثل تھی۔ اس لئے وہاں سے آنے والے یہودیوں نے اگر عربوں کو نئے طریقۂ زراعت سے آگاہ کیا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر شام کی سرزمین کو صحفِ قدیم میں "تین و زیتون"[4] کی زمین کہا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ اور اسی قسم کے اور دوسرے درخت بھی یہودیوں کے ذریعہ جزیرۂ میں آئے ہوں۔

لیکن جانوروں کے پالنے کا شوق تو اس میں دونوں شریک ہیں۔ بلکہ کہنا چاہئے کہ یہودیوں سے کہیں زیادہ عربوں میں تھا۔ اس لئے کہ جزیرۂ عرب کی بیشتر آبادی کا مدار زندگی جانوروں کے دودھ ہی پر تھا۔ دوسرے وہاں کی زیادہ تر آبادی خانہ بدوش تھی۔ جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور اسباب لے جانے کے لئے بھی جانوروں کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہ بات ضرور ہے کہ عرب زیادہ تر نقل و حمل اور دودھ اور غذا کے لئے جانوروں کی پرورش کرتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ زراعت اور اس کی سیرابی وغیرہ کے لئے جانوروں کی پرورش اور ان کا گوناگوں استعمال عربوں نے یہود سے سیکھا ہو۔

تاریخ الیہود کے مصنف نے ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے کہ بعض یہود مرغیاں بھی پالتے تھے، مگر مجھے ابن ہشام میں یہ واقعہ نہیں مل سکا۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ یہود کی خصوصیت تھی۔

تجارت : ظہور اسلام کے وقت اور اس سے بہت پہلے یہود اور عرب دونوں جزیرۂ میں اور جزیرہ سے باہر تجارت کرتے نظر آتے ہیں اور خصوصیت سے قریش تو اس حیثیت سے پورے عرب میں ممتاز تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی ایک کو مقدم یا مؤخر کرنا بہت دشوار ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ یہود کئی سو برس قبل مسیح سے تجارت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور جہاں بھی وہ رہے، یہ پیشہ ان کے ساتھ رہا۔

---

[1] تاریخ الیہود۔ ص ۱۷۔ ۱۸　[2] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود　[3] فتوح البلدان۔ ص ۶۷۔ ۶۸
[4] انجیل اور زیتون، قرآن میں بھی سورۂ تین میں ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

جزیرۂ عرب میں آئے تو یہاں بھی انہوں نے یہی پیشہ اختیار کیا، جیسا کہ ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں۔ دوسرے اپنی سکونت ورہائش کے لئے بھی انہوں نے خاص طور پر جزیرہ کے ان ہی خطوں اور علاقوں کو پسند کیا، جن میں پہلے سے کچھ زرعی وکاروباری صلاحیت موجود تھی۔

بخلاف اس کے عربوں کی عام بستیوں اور آبادیوں کو اس طرح کی کوئی خصوصیت حاصل نہیں تھی۔ ہاں مکہ کو کعبۃ اللہ اور بیت الحرام کی وجہ سے دینی اہمیت ومرکزیت ضرور حاصل تھی اور اسی کی کشش دور دور سے لوگوں کو یہاں کھینچ لاتی تھی اور اس طرح وہ سال کے کچھ مہینوں میں تجارتی منڈی بن جاتا تھا۔ لیکن بذات خود اس میں کوئی زرعی یا تجارتی صلاحیت نہیں تھی اور اسی لئے رب کعبہ نے اس کو قرآن پاک میں وادی ''غیر ذی زرع'' سے تعبیر کیا ہے۔

پورے حجاز میں طائف اور مدینہ دو ایسے مقامات تھے، جنہیں تجارتی اور زرعی اہمیت بھی حاصل تھی اور جہاں عربوں کی عددی اکثریت بھی تھے اور یہود اقلیت میں تھے، مگر وہاں کی تجارت و زراعت پر یہودی ہی چھائے ہوئے تھے۔ ان دونوں مقامات کا تذکرہ اُوپر آ چکا ہے۔

یہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہمارا قیاس ہے کہ یہ پیشہ عربوں میں یہودیوں ہی کے ذریعہ آیا تھا۔

تجارتی بازار : عربوں کی ہر مشہور بستی میں چھوٹے بڑے میلے اور بعض جگہ ہفتہ وار بازار لگتے تھے[1]۔ ان کے علاوہ سال میں بعض اور بھی بڑے بڑے بازار اور میلے لگتے تھے، جہاں یہود کی شرکت کی تصریح کم ملتی ہے، مگر وہ ان میں شریک ضرور ہوتے ہوں گے۔ اس لئے کہ جزیرہ عرب کے ۲۰ مشہور شہروں میں سے تقریباً دس گیارہ شہروں میں یہود کا معاشی واقتصادی غلبہ تھا۔

محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ بحرین اور دومۃ الجندل میں جہاں یہود آباد تھے، دو مشہور میلے لگتے تھے[2]۔ یقیناً ان میلوں میں ان کی مؤثر شرکت ہوتی ہوگی۔ مدینہ میں ایک بازار سوق بنی قینقاع تو یہود کے مشہور قبیلہ قینقاع ہی کے نام سے مشہور تھا۔ جس کا تذکرہ سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔

سامانِ تجارت : سامانِ تجارت میں عموماً غلّے، کھجوریں، اسلحے اور کپڑے وغیرہ ہوتے تھے۔ جنہیں یہ بیچنے کے لئے باہر لے جاتے تھے، بعض حصوں کے یہود مچھلی کی بھی تجارت کرتے تھے۔ مثلاً مقنا کے یہودیوں سے آنحضرت ﷺ نے جو معاہدہ کیا تھا، اس میں جو چیزیں بطور ٹیکس لینا پائی تھیں، ان میں مچھلیاں بھی تھیں[3]۔

---

[1] نظام حکمرانی ڈاکٹر حمید اللہ۔ ص ۲۳۴ [2] کتاب المحبر۔ ص ۱۵۷ [3] فتوح البلدان ذکر مقنا

ظہور اسلام کے وقت جزیرہ سے باہر یہود سے زیادہ عرب اور ان میں بھی خصوصیت سے اہل مکہ ہم کو تجارتی سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہود جن کا قدیم زمانہ سے عرب سے باہر بھی کاروبار تھا اور جن کا ایک فرد، ابو رافع یہودی آخری دور میں بھی بہت زیادہ مشہور تھا، یہاں تک کہ اس کا لقب ہی تاجر الحجاز والشام پڑ گیا تھا[1]۔ ظہور اسلام کے وقت دفعۃً ان کی برآمدی تجارت کیوں کم ہوگئی اور ان کا کاروبار اندرون ملک تک کیوں محدود ہو کر رہ گیا۔

اسی کے ساتھ یہ بھی قابل ذکر امر ہے کہ پورے جزیرۂ عرب میں ربا یعنی سودخوری کا بھی رواج تھا، جس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب برابر کے شریک تھے۔ خصوصیت سے اہل طائف سودی کاروبار میں زیادہ مشہور تھے۔ معجم البلدان میں ہے:

"کانوا اصحاب ربا"[2]۔　　"اہل طائف بڑے سودخوار تھے"۔

مشرکین عرب اگر سودی کاروبار کرتے تھے تو کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں تھا، لیکن یہود و نصاریٰ کی سودخواری البتہ حیرت انگیز ہے کہ وہ صاحب شریعت اور اہل کتاب تھے اور قرآن کی تصریح ہے کہ ان کو جہاں اور بہت سی باتوں پر ملامت کی گئی تھی اور ان سے روکا گیا تھا، ان میں ایک سود بھی تھا، مگر وہ باز نہ آئے۔

" وَاَكْلِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ " ۔

"اور ان کے سود لینے کی وجہ سے (ملامت کی گئی) حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے"۔

البتہ عربوں کا خیال تھا کہ رباء بھی ایک قسم کی تجارت ہے۔ قرآن میں ہے:

" قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا " ۔

"ان لوگوں نے کہا بیع مثل رباء کے ہے"۔

بہرحال یا تو یہ لعنت یہود کے ذریعہ عربوں میں آئی۔ یا عربوں کے اثر سے یہود اس میں مبتلا ہوئے، دونوں باتوں کا امکان ہے۔

لیکن سورۂ مائدہ میں جہاں یہود کے ان مصائب کا جو بہت قدیم زمانہ سے ان میں موجود تھے، تذکرہ ہے۔ ان میں ایک سودخواری بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے وہ اس میں مبتلا تھے۔ اس کے برخلاف عربوں کی تجارت کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں ہے۔ اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ اس طریق تجارت کو یہود ہی نے فروغ دیا ہوگا، جس کا ایک ثبوت یہ ہے

---

[1] تاریخ الخمیس۔ جلد ۲۔ ص ۱۲، صحیح بخاری باب قتل النائم والمشرک　[2] فتوح البلدان۔ ۶۷۔ ۶۸

کہ ربا کا جتنا عام رواج یہود میں تھا اور اس کی جتنی سخت سے سخت شرحیں وہ مقرر کرتے تھے، عرب اس میں ان سے پیچھے تھے۔

رہن وارتہان کا طریقہ بھی یہود اور عرب دونوں میں رائج تھا۔ خصوصیت سے مدینہ اور خیبر کے یہودیوں میں یہ بہت عام تھا۔ یہ بھی سود خواری ہی کی ایک شاخ تھی، مگر اس کو بھی وہ ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے۔

صنعت وحرفت : صنعت وحرفت کا رواج اگرچہ جزیرۂ عرب کے تمام باشندوں میں تھا، مگر یہود اس میں بہت ممتاز تھے اور وہ عموماً کپڑے، اسلحے، سونے اور لوہے کا کام کرتے تھے اور بعض حصوں کے یہودیوں میں لکڑی کی صنعت بھی تھی[1]۔ روئی کی کتائی اور کپڑے کی بنائی میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں۔ یثرب کے یہودیوں میں تو کپڑے کی صنعت بہت کم تھی، مگر مقنا، دومۃ الجندل اور یمن کے یہودی اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے[2]۔

اسلحہ سازی یہود کا خاص پیشہ تھا۔ یہود جس جگہ بھی آباد تھے، یہ صنعت ان میں موجود تھی۔ مدینہ میں بنو قینقاع اور خیبر کے یہودی اس میں بہت ممتاز تھے۔ اس زمانہ کے ہر قسم کے مروج اسلحے مثلاً تلوار، نیزے، ڈھال، خود اور زرہ وہ تیار کرتے تھے۔ خیبر کے یہود تو شاید منجنیق تک جو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ اسلحہ تھا، تیار کرتے تھے۔ غزوۂ خیبر میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اسے استعمال بھی کیا تھا[3]۔ کیا عجب ہے کہ مسلمانوں کو منجنیق یہیں سے ہاتھ لگی ہو، جس کو انہوں نے بعد میں طائف وغیرہ کی جنگ میں استعمال کیا۔

اس صنعت کی وجہ سے یہود اپنے کو دفاعی حیثیت سے بہت زیادہ مضبوط اور مامون تصور کرتے تھے اور اس کی وجہ سے ان میں ایک قسم کا غرور وتکبر بھی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ بنو قینقاع نے آنحضرت ﷺ سے بطور تحدی کے کہا تھا کہ ہم سے مقابلہ ہوگا تو معلوم ہوگا۔

فن تعمیر میں بھی عربوں کے مقابلہ میں یہود زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں کے بعض مکانات اور قلعوں کے نشانات اب بھی باقی ہیں، جو ان کے ذوقِ تعمیر کے شہادت دیتے ہیں۔

عربی ادب میں یہود کا حصہ :

یہود کی مادری زبان عبرانی تھی، مگر جزیرۂ عرب میں آکر ان کی زبان رفتہ رفتہ بالکل عربی ہو گئی تھی۔ ان میں عبرانی زبان مذہبی حیثیت سے اب بھی باقی تھی، جس کو ان کے علماء واحبار جانتے تھے۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۲۔ ص ۲۸ [2] فتوح البلدان۔ ۶۷۔ ۶۸ [3] فتوح البلدان

اس میں مذہبی کتابیں تھیں اور اسی زبان میں وہ ان کی تلاوت کرتے تھے، مگر عوام شاید اس قدر عبرانی نہیں جانتے تھے۔

سورۃ ''لا یعلمون الکتاب الا امانی''۔

''ان میں بعض ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے، مگر صرف خواہشات''۔

بخلاف اس کے ان کی روزمرّہ کی زبان اور ان کی شاعری کی زبان عربی تھی اور اسی میں وہ کاروبار اور معاہدۂ صلح و جنگ کرتے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ عبرانی زبان کی سینکڑوں ترکیبیں، مذہبی اصطلاحیں اور تمدنی و معاشرتی الفاظ ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے، جو ان کے ذریعہ سے عربی زبان میں داخل ہوئے۔ خود قرآن مجید میں ایسے متعدد الفاظ موجود ہیں، جن کے متعلق مفسرین نے لکھا ہے کہ عبرانی زبان سے عربی میں آئے ہیں۔

مثلاً حِبر کا لفظ عربی ادب اور خود قرآن میں مستعمل ہے۔ عبرانی میں ابتداً اس کے معنی رفیق (חבר) کے تھے۔ پھر یہ گروہ اور مذہبی فرقہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ اس کے بعد عالم کے معنی میں استعمال ہوا، اور اس وقت عربی زبان میں اسی معنی میں مستعمل ہے۔ اسی طرح نسیئ کے لفظ کے متعلق بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی میں الناسی (دن۔N) اس شخص کو کہتے ہیں جو مہینوں کو مقدم و مؤخر کرتا تھا۔ عربی مؤرخین لکھتے ہیں کہ عربوں مین نسیئ کا رواج سب سے پہلے بنو کنانہ میں شروع ہوا[1]۔ اُوپر ذکر آچکا ہے کہ بنو کنانہ میں یہودیت موجود تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ طریقہ انہوں نے یہودیوں سے سیکھا ہو۔ اور پھر عربوں میں اس کو رواج دیا ہو۔ اسی خیال کی تائید مقریزی اور بیرونی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ عمل کبسیہ اہل عرب یہود سے دوسو برس قبل اسلام سیکھا تھا[2]۔

لفظ اُطام کے متعلق بھی بحث ہے کہ یہ خالص عربی لفظ ہے، یا عبرانی۔ اس لفظ کے جتنے عربی مشتقات ہیں، ان سب میں ارتفاع، بلندی، حفاظت اور بند کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں[3]۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عبرانی سے عربی میں آیا ہے، اس لئے کہ عربی میں اطم تقریباً ان ہی مذکورہ معنوں میں مستعمل ہے۔ ظہور اسلام کے وقت یہ لفظ عام طور پر قلعوں اور اُونچے ٹیلوں کے معنی میں بولا جاتا تھا۔ مگر یہود خصوصیت سے اطم کو قلعہ کے علاوہ ان مقامات کے لئے بھی استعمال کرتے تھے، جن میں وہ جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ یہ لفظ زیادہ تر شمالی حجاز میں مستعمل تھا۔ عرب کے دوسرے حصوں میں

---

[1] ابن ہشام۔ جلد ۱ ص ۴۵ [2] تاریخ الیہود بحوالہ الآثار الباقیہ [3] دیکھئے لفظ اطم لسان العرب۔ جلد ۱۴

اس کا استعمال شاید نہیں تھا اور اگر تھا تو بہت کم، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ یہود کے ذریعے یہاں آیا۔ ان وجوہ کی بنا پر اسے عبرانی کہنا زیادہ صحیح ہے۔

امام سیوطی نے قرآن کے ان جملوں کو عبرانی سے ماخوذ بتایا ہے۔

کفر عنھم سیاتھم اس کے معنی عبرانی میں **محاعنھم** ہیں۔ **اخلد الی الارض** کے معنی عبرانی میں رَکَنَ ہیں۔ **انا ھدنا الیک** کے معنی **ثبنا الیک** ہیں۔

ان الفاظ کو بھی عبرانی الاصل بتایا گیا ہے:

رمز ، مرقوم ، اوّاہ ، یمّ ، حِطّة ، اسباط ، راعنا ، بعیر ، لینة ، قیسیس ، ابلیس ، جھنم ، شیطان ۔

ان میں بعض لفظ ایسے ہیں، جن کے ساتھ ایک دینی اصطلاح اور تاریخ وابستہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اصطلاحوں اور ان واقعات کی تفصیل سے زیادہ تر یہود ہی واقف تھے۔ اس لئے اہل عرب ان کے متعلق سوالات کرتے ہوں گے اور وہ ان کی تشریح کرتے ہوں گے، جس سے کتنے نئے واقعات اور کتنے تصورات، کتنے جدید الفاظ سے عربی زبان کا دامن مالا مال ہوتا ہوگا۔ اسی بنا پر اہل عرب یہود کے بارے میں کہتے تھے۔

" لکم علم لیس لنا "[1]

" تم لوگوں کے پاس علم ہے، جس سے ہم بے بہرہ ہیں"۔

تحریر کا رواج: اس سلسلہ میں یہ بحث بھی آتی ہے کہ عربی تحریر کا رواج سب سے پہلے کس کے ذریعہ ہوا؟ صاحب فتوح البلدان نے عربی خط پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے قبیلہ طے کے چند افراد نے عربی خط ایجاد کیا اور اس کے حروف تہجی کی بنیاد انہوں نے سریانی زبان پر رکھی۔ اس کے بعد ان سے اہل انبار نے اور اہل انبار سے اہل حیرہ نے سیکھا۔ پھر اہل حیرہ سے دومۃ الجندل کے حکمران بشر بن عبدالملک نصرانی نے سیکھا اور اسی نے اس کو مکہ میں رواج دیا[2]۔ پھر آگے لکھا ہے کہ قبیلہ طے کے ان ہی افراد سے بنو کلب اور اہل وادی القریٰ نے بھی عربی تحریر سیکھی[3]۔

اس بیان سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عربوں ہی کی ایجاد ہے، مگر اس کی ایجاد کا جو زمانہ اس میں بیان کیا گیا ہے، وہ ظہورِ اسلام کے کچھ ہی پہلے کا ہے۔ حالانکہ عربی خط کی تاریخ اس سے قدیم ہے۔

---

[1] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود۔ ص ۸۷ [2] فتوح البلدان۔ ص ۴۷۸ [3] ایضاً

معجم البلدان کا ایک دوسرا بیان یہ ہے :

" كان الكتاب (الكتابة) بالعربية في الاوس والخزرج قليلا وكان بعض اليهود قد علم كتاب العربية وكان تعلمه الصبيان بالمدينة في الزمن الاوّل "[1]

"قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ عربی میں لکھنا پڑھنا بہت کم جانتے تھے۔ مدینہ کے بعض یہود نے بہت قدیم زمانہ سے عربی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے"۔

اس بیان کو سامنے رکھ کر تاریخ الیہود کے مصنف نے لکھا ہے کہ :

" ان يهود يثرب كانوا اساتذة العرب في تعلم الكتاب العربية "۔

(ص ۲۰)

"یثرب کے یہود عربی تحریر میں عربوں کے استاذ تھے"۔

بلاذری کے بیان سے یہ تو نہیں معلوم ہوتا کہ پورے جزیرۂ عرب میں یہود کے ذریعہ عربی تحریر کا رواج ہوا، مگر اتنی بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ شمالی حجاز میں یہود ہی کے ذریعہ اسے فروغ ہوا۔ یہ قرین قیاس بھی ہے۔ اس لئے کہ تحریر کی ترویج و ترقی تمدن و حضارت کے سایہ میں ہوتی ہے اور وہ اہل عرب میں مفقود تھی، بخلاف یہود کے کہ وہ عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن تھے۔ پھر ان کو تجارتی کاروبار میں بھی اس کی ضرورت پڑتی رہی ہوگی۔ ظہور اسلام کے وقت مکہ مدینہ میں جو چند پڑھے لکھے لوگ ملتے ہیں، وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ تمدنی ضروریات نے انہیں لکھنے پڑھنے پر مجبور کیا۔ ورنہ اس سے پہلے یہ چیز ان میں ناپید تھی[2]۔

شعر وشاعری : شعر وشاعری اہل عرب کے خمیر میں تھی۔ اس کا چرچا ہر محفل اور ہر گھر میں تھا۔ اس کے ذریعہ بڑے بڑے معرکہ سر ہوتے تھے اور اسی کے سہارے قبیلوں اور خاندانوں کی سیادت و قیادت ملتی تھی۔ جزیرہ میں جتنی قومیں آباد تھیں، یہودی، نصرانی یا مجوسی، وہ سب عربوں کے شعر وشاعری سے متاثر ہوئیں اور انہوں نے خود بھی اس میں حصہ لیا اور اس طرح سے عربوں کے بہت سے اخلاق و عادات اور تصورات غیر محسوس طور پر ان میں رواج پا گئے۔

جزیرۂ عرب کے یہود میں متعدد خطباء و شعراء پیدا ہوئے۔ ابن سلام نے طبقات الشعراء میں ان کا تذکرہ کیا ہے، مگر ان میں کسی قدیم شاعر کا نام نہیں ہے۔ ان میں بیشتر ظہور اسلام کے وقت موجود تھے، یا اس سے کچھ پہلے گزر چکے تھے، ان کے نام یہ ہیں :

---

[1] فتوح البلدان۔ ص ۳۷۹ [2] اس کی تفصیل کا موقع نہیں، ورنہ اس کے دلائل پیش کئے جاتے۔

۱۔ سموَل بن عادیا۔ یہ یہود کے صاحب دیوان اور فحول شعراء میں تھا۔ اس کا دیوان الاب شیخو صاحب المنجد نے بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے[1]۔ اس کا زمانہ ظہور اسلام سے کچھ پہلے ہے۔ اس کے لڑکے حضرت رفاعہؓ بھی صحابی ہیں، جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔

۲۔ رافع بن الحقیق۔ قبیلہ بنونضیر سے اس کا تعلق تھا۔ اس نے اسلام کے خلاف اپنے اشعار میں بہت زہرافشانی کی ہے۔ سیرت اور طبقات کی کتابوں میں اس کے بہت سے اشعار موجود ہیں۔

۳۔ کعب بن اشرف۔ یہود مدینہ کا سب سے مشہور شاعر اور ان کا سرگروہ تھا۔ اس کو شاعری پر پوری قدرت تھی۔ اسلام سے اس کو طبعی بغض تھا۔ اس لئے یہ اپنے اشعار کے ذریعہ اسلام کے خلاف خوب زہر اُگلتا تھا۔ مقتولین بدر کا مرثیہ لکھ کر اس نے قریش سے خراج تحسین وصول کیا۔ ادب و سیرت کی کتابوں میں اس کے مراثی اور دوسرے اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔

ان کے علاوہ شریح بن عمران، شعبہ بن غریض، ابوقیس بن رفاعہ، ابوالذیال، درہم بن زید وغیرہ یہودی شعراء کا تذکرہ بھی ابن اسلام نے کیا ہے۔ بعض یہودی شعراء کا تذکرہ اس کتاب میں بھی موجود ہے۔ اغانی میں ایک یہودی شاعر کا تذکرہ موجود ہے۔ جس میں یہودی مقتولین کا مرثیہ کہا تھا[3]۔ اسی طرح صاحب تاریخ الخمیس نے ایک خاتون شاعرہ عصماء کا تذکرہ کیا ہے[4]۔

طوالت کے خیال سے ان شعراء کے اشعار نقل نہیں کئے گئے۔ لیکن ان کے اشعار کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عربی شاعری کی عام خصوصیات ان کی شاعری میں بھی بڑی حد تک پائی جاتی ہیں۔ خصوصیت سے سموَل اور کعب اس حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز ہیں۔

شعراء یہود کی شاعری اس حیثیت سے عام عرب شعراء سے ممتاز ہے کہ ان کے اشعار میں مذہبی اصطلاحیں، مذہبی تصورات، انبیاء اور کتب مقدسہ کے نام، خدا و آخرت کے تذکرے کثرت سے ملتے ہیں، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے بہت سے تمدنی اور مذہبی تصورات شاعری کے ذریعہ بھی عربوں میں آ گئے ہوں گے۔

اجتماعی ادارے: عربی تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مقامات پر یہود کے اجتماعی ادارے بھی قائم تھے۔ خود مدینہ میں بیت المدارس کے نام سے ان کا ایک ادارہ تھا، جس میں ان کے احبار اور صاحب امر یکجا ہو کر آپس میں صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ مراسم عبادت بھی وہ یہیں ادا کرتے ہوں

---

[1] اس کے یہودی یا نصرانی ہونے کی بحث کتاب میں موجود ہے۔ اس لئے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔
[2] طبقات الشعراء۔ ص ۱۰۹۔۱۱۰　[3] اغانی۔ جلد ۱۹۔ ص ۹۶　[4] جلد ۱۔ ص ۴۰۶

اور یہیں پران کی مذہبی کتابیں بھی محفوظ رہتی ہوں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ کئی بار بغرض تبلیغ یہاں تشریف لے گئے تھے[1] خصوصیت سے حضرت عمر فاروق ؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ اکثر مدارس میں جاتے رہتے تھے، جس کی بناپر یہودان سے کہتے تھے کہ ہم کو آپ سے بہت انس ہے[2]۔

اس کے علاوہ ان کے قلعے بھی اجتماعی کاموں میں استعمال کئے جاتے تھے۔ خیبر میں ان کے فوجی اور مالی دونوں الگ الگ ادارے تھے اوران کے علیحدہ علیحدہ ذمہ دار تھے۔

مذہبی اثرات : اُوپر ذکر آچکا ہے کہ اہل عرب یہود کو علمی اور مذہبی حیثیت سے ممتاز سمجھتے تھے اور بہت سے اُمور میں ان کی اقتداء بھی کرتے تھے۔ یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ادب وشاعری کے ذریعہ ان کی بہت سی مذہبی اصطلاحیں، الفاظ اور تصورات عربی زبان میں داخل ہو گئے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت سلمہ ؓ نے ظہور اسلام سے قبل کا ایک واقعہ جو قابلِ ذکر ہے۔ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں :

''میرے پڑوس میں قبیلہ بنو اشہل کا ایک یہودی رہتا تھا۔ اس نے ایک دن تمام بنو اشہل کو جمع کیا اوران کے سامنے قیامت، بعث بعد الموت، حساب کتاب، میزان، جنت اور دوزخ وغیرہ کے متعلق ایک وعظ کہا اور آخر میں کہا کہ یہ اہل شرک اور بُت پرست سے لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ اس پر حاضرین نے کہا کہ تم کیا بک رہے ہو؟ کیا مرنے کے بعد ہم لوگ پھر زندہ کئے جائیں گے اور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا؟ یہودی نے پھر مجمع کو اس کے بارے میں سمجھایا۔ مجمع نے اس سے دوبارہ مطالبہ کیا کہ وہ اس کی کوئی دلیل اور نشانی بتائے۔ اس نے کہا کہ اس زمین سے ایک نبی پیدا ہوں گے اور وہ اس کے بارے میں بتائیں گے'' [3]۔

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب عام طور پر آخرت اور بعث بعد الموت کے قائل نہیں تھے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ وہ اس کے قائل تو نہیں تھے لیکن یہود کے ذریعہ ان سے آگاہ ضرور ہو گئے تھے۔

سیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہود تین وقت کی نماز پڑھتے تھے[4]۔ ابن الہیبان یہودی عالم جس کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے۔ اس کے متعلق کتابوں میں ہے کہ وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا[5]۔

نماز کے اعلان کے لئے وہ بوق[6] بجاتے تھے، وہ روزے بھی رکھتے تھے[7]۔

---

[1] روض الانف۔ جلد ۳۔ ص ۳۸　[2] تفسیر طبری۔ جلد ۱۔ ص ۳۲۶　[3] ابن ہشام بحوالہ تاریخ الیہود　[4] ایضاً
[5] تاریخ الیہود۔ ص ۸۷　[6] سینگ کی طرح کی کوئی چیز ہوتی ہے　[7] عام کتب حدیث

ظاہر ہے یہود کے ان مذہبی مراسم کو عرب اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے ہوں گے، ان میں اس کا چرچا رہتا ہوگا اور اس کا اثر بھی ان پر پڑتا رہا ہوگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں جتنے زیادہ یہود آباد تھے، وہاں اسی قدر ان کے اثرات بھی عربوں پر نمایاں تھے۔ مثلاً مدینہ کے عرب یہود رام ورواج اور مذہبی امور سے سب سے زیادہ واقف اور متاثر نظر آتے ہیں اور غالباً اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ انصار نے بہت آسانی سے اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حقانیت سے وہ پہلے سے آگاہ ہو چکے تھے۔

سوال یہ ہے کہ عقائد کے لحاظ سے اسلام سے اس درجہ قریب ہونے کے باوجود یہودیوں نے اسلام کے قبول کرنے میں کیوں تاخیر کی اور کیوں لیت ولعل سے کام لیا۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہود کا صالح طبقہ آپ ﷺ کی نبوت اور اسلام کی حقانیت کا قائل اور اس کی قبولیت کی طرف مائل ضرور تھا، لیکن ان کے کچھ موانع تھے۔ جن کی وجہ سے وہ اس سعادت ابدی سے محروم رہے۔ پھر بھی ان میں جو صاحب عزم اور صاحب ہمت تھے اور ان موانع کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے تھے، وہ قبولِ اسلام سے باز بھی نہیں رہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

قبائلی نظام : اُوپر یہودیوں کے علمی وتمدنی اثرات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے، اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہود عربوں کے مقابلہ میں زیادہ متمدن اور صاحب علم تھے، مگر اس کے ساتھ جب ہم ان کی معاشرتی زندگی پر غور کرتے ہیں تو وہ عربوں سے کچھ مختلف نظر نہیں آتے۔ عربوں کی طرح وہ بھی مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا ایک جدا سردار اور علیحدہ نظام تھا اور صلح و جنگ کے مواقع پر وہ اپنی قبائلی مصلحتوں کے تحت ایک دوسرے سے معاملہ کرتے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ متعدد جاہلی اور اسلامی لڑائیوں میں وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں یا ایک دوسرے کے خلاف مدد کرتے نظر آتے ہیں۔ تفصیل آگے آئے گی۔ اسی طرح یہود کا رہن سہن، معاشرت اور وضع ولباس وغیرہ بھی تقریباً وہی تھا جو عربوں کا تھا۔ ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں کی قبائلی زندگی کا ان پر اچھا خاصا اثر پڑا تھا۔

یہود کی دینی اور اخلاقی حالت :

قرآن مجید نے یہود کی دینی حالت اور اخلاقی معائب کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس میں دنیا کے تقریباً تمام یہود مبتلا تھے۔ مگر ہمارا موضوع بحث صرف جزیرۂ عرب کے یہود ہیں۔ اس لئے قرآن مجید نے ان کے جن معائب کی نشان دہی کی ہے، ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

دینی گمراہیاں : تمام انبیاء کرام کی تعلیم میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ عزت و شرافت اور آخرت کی فلاح و سعادت کا مدار اور خدا کے نزدیک محبوبیت اور مقبولیت کا معیار ایمان و عمل ہے نہ کہ نسل و ذات۔ مگر یہودیوں کی ایک بنیادی غلطی اور گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے شرافت و نجابت کا معیار ہی سرے سے بدل دیا۔ اس کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل و ذات پر رکھا۔ ان کے نزدیک یہودی گھرانے میں پیدا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا شرف اور نجات آخرت کے لئے کافی تھا۔ کہتے تھے ، کہ

"نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُ هٗ"[1]۔ (مائدہ)

"ہم اللہ کے لڑکے اور اس کے محبوب ہیں"۔

اور ہم سمجھتے تھے ، کہ

"لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً"۔ (بقر)

"ہم دوزخ میں چند دن کے لئے ڈالے جائیں گے"۔

ان کے بارے میں نبی کو خطاب کر کے فرمایا گیا :

"قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ"۔ (بقر)

"آپ ﷺ کہہ دیجئے ، کہ اگر تمہارے لئے (اے یہود) آخرت کی فلاح مخصوص ہے تو پھر موت کی تمنا کر کے دکھلاؤ۔ اگر تم سچے ہو"۔

دوسری جگہ قرآن مجید نے ان کو خطاب کر کے فرمایا ہے :

"قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ"۔ (جمعہ)

"آپ فرما دیجئے کہ اے یہود! اگر تم کو زعم ہے کہ تم اللہ کے محبوب ہو، تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو"۔

اسی غلط تصور کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک کسی بدعقیدگی ، بدمعاملگی اور بداخلاقی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ یہودیت کی سند مل جانے کے بعد وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کوئی برائی برائی نہیں رہ جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں، جن کا کم از کم ایک صاحبِ شریعت قوم میں

---

[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس سلسلہ میں متعدد یہود مدینہ کا نام بھی لیا ہے۔ طبری میں ان کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہود میں عام طور پر یہ خیال تھا۔

تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔عقائد میں سب سے اہم اور اساسی چیز عقیدۂ توحید ہے۔اسی کی صحت اور اسی میں اخلاص کی بنیاد پر سارے دین کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔اگر اس میں کہیں سے کوئی نقص اور کمی آجاتی ہے تو پھر دین کمزور اور اس کے دوسرے اقدار بالکل بے رُوح ہوکر رہ جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم یہی رہی : کہ

" لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنَ ".

''میرے سوا کوئی معبود نہیں۔تو تم میری ہی عبادت کرو''۔

یہود ایک صاحبِ شریعت قوم تھی۔جس کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ پہلے ہی دن یہ سبق دیا گیا تھا : کہ

" لَآ اِلٰهَ اَلَّآ اَنَا فَاعْبُدْ نِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ". (طٰه)

''میرے سوا کوئی معبود نہیں۔تو تم میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو''۔

مگر یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ عقیدۂ توحید میں رخنہ اندازی کی اور اس چشمۂ صافی کو کفر وشرک اور فسق وفجور سے گدلا کرنے کی برابر کوشش کی۔جزیرۂ عرب کے یہود بھی اس جرم میں دنیا کے دوسرے یہود سے پیچھے نہیں تھے۔قرآن مجید تو واضح طور پر ان پر کفر وشرک کے ارتکاب کا الزام عائد کرتا ہے۔

" لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِ هِمْ "[1] (نساء)

''ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی''۔

سورۂ نساء کے آخر میں ان کے بارے میں **وبکفرھم** کے الفاظ بار بار دہرائے گئے ہیں۔ گویا کفر، کفر باللہ نہ ہو۔مگر کفرف باحکام اللہ تو ضرور تھا۔جیسا کہ ایک جگہ قرآن مجید نے ان کے بارے میں " وَاَكْثَرَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ "[2] اوران میں سے اکثر فاسق ہیں۔اسی بنا پر قرآن مجید ان سے کہتا ہے : کہ

" تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ "۔ (آل عمران)

" (اے اہلِ کتاب) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔یہ کہ بجز اللہ کے کسی اور کی عبادت نہ کریں"۔

---

[1] اس سلسلہ میں بعض یہودیوں مثلاً رفاعہ بن زید کا واقعہ تفسیروں میں درج ہے۔ [2] آل عمران

وہ شرک میں بھی مبتلا تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ عزیر کو خدا کو بیٹا کہتے تھے[1]۔

"وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللهِ"۔

"اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں"۔

انہوں نے اپنے علماء اور احبار کو وہ مرتبہ اور درجہ دے دیا تھا جو صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔

"اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ"۔ (توبہ)

"انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ کا اپنا رب بنا رکھا ہے"۔

یہ آیت یہود اور انصار دونوں کر بارے میں ہے۔ انصاریٰ کے سوءِ اعتقاد کے بارے میں حضرت عدی بن حاتم کی روایت حدیث کی تمام کتابوں میں مذکور ہے۔ یہود سے متعلق اس آیت کی تفسیر میں طبری میں یہ روایت ہے : کہ

" قَالَ الربيع قلت لابی العاليه كيف كانت الربوبية فی بنی اسرائيل قال ما امرونا ائتمرنا فانهونا عنه انتهينا[2] لقولهم وهم يجدون فی كتاب الله ما امروا به وما نهوا عنه فاستنصحوا الرجال"[3]۔

"ربیع نے ابی العالیہ سے پوچھا کہ بنو اسرائیل نے کس طرح سے اپنے احبار کو ارباب بنالیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جس چیز کا وہ احبار حکم دیتے تھے، اس کو ہم کرتے تھے اور جس بات سے وہ روکتے تھے، ہم رک جاتے تھے۔ یہ سب ان کے کہنے کی وجہ سے کرتے تھے۔ حالانکہ وہ باتیں کتاب میں موجود ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس طرح انہوں نے احبار و علماء کے اقوال و افعال کو اختیار کرلیا اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا"۔

اس کفر و طغیان نے ان کے قلوب کو اتنا سخت اور ان کے ذہن و دماغ کو اس قدر ماؤف کردیا کہ وہ خدائے قدوس کے بارے میں گستاخانہ اور طنز آمیز الفاظ استعمال کرنے لگے تھے۔

---

[1] بعض مستشرقین نے لکھا ہے کہ صحف قدیم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اور نہ اس وقت یہود کا یہ عقیدہ ہے۔ یہ بحث طویل ہے۔ اس لئے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔ مختصراً اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ یہودیوں میں یہ خیال عیسائیوں کے اثر اور ان کی ضد سے پیدا ہوا ہے اور عرب یہودیوں میں ظہور اسلام کے وقت یہ عقیدہ تھا۔ چنانچہ طبری وغیرہ نے متعدد یہود کا نام بھی لیا ہے۔ مثلاً فنحاص، سلام بن مشکم وغیرہ۔ پھر ان کے اس قول نحن ابناء الله واحباء ہٗ اور اتخذوا احبار هم وغیرہ کو سامنے رکھا جائے تو اس میں کوئی تعجب باقی نہیں رہ جاتا۔

[2] اس انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالعالیہ بھی اہل کتاب میں تھے۔ یہ غلام تھے۔ اس لئے ان کے اہل کتاب ہونے کا اور بھی قوی امکان ہے۔　　[3] طبری۔ جلد ۱۰، ص ۷۰

" وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ".

''یہود کہتے تھے کہ اللہ کا ہاتھ تنگ ہو گیا ہے''۔

یہی نہیں بلکہ وہ کہتے تھے :

" اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ".

''اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں''۔

کتاب الٰہی (توراۃ) کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ کچھ اچھا نہیں تھا۔ وہ کتاب کی تاویل و تفسیر اپنی خواہشات اور دنیاوی اغراض کے تحت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے :

" يُحَرِّفُوْنَ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ". (بقرہ)

''پھر اس کو بدل ڈالتے تھے۔ اس کے سمجھنے کے بعد، اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ کچھ روپے پیسے حاصل کریں''۔

جب اس معنوی تحریف کے کام نہ چلتا تو کلام الٰہی کو چھپا دیتے، (مائدہ)۔ اگر ضرورت پڑتی تو لفظی تحریف بھی کر ڈالتے [1]۔

" يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ "۔ (مائدہ)

''کلام الٰہی کا اس کے موقع و محل سے بدل دیتے ہیں''۔

" يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ "۔ (مائدہ)

''وہ کلام الٰہی کو اس کے موقع سے بدلتے رہتے ہیں''۔

یہ تو پڑھے لکھے یہودی کا حال تھا، جو اپنی ہر خواہش اور غرض کی تکمیل کے لئے کتاب اللہ کا آلۂ کار بناتے تھے اور اس کی من مانی تفسیریں کرتے تھے، لیکن ان کے عوام جو اس اسلحہ کا استعمال نہیں جانتے تھے، وہ صرف اپنی خواہشوں اور تمناؤں ہی کو آخری سند سمجھتے تھے۔

" وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ "۔ (بقرہ ۱۰)

''اور ان میں بہت سے ناخواندہ ہیں، جو کتابی علم نہیں رکھتے، لیکن دل خوش کن کی باتیں''۔

ختم رسل ﷺ کی بعثت کے بارے میں تورات میں جو پیشن گوئیاں اور بشارتیں تھیں اور جن کو پڑھ کر متعدد صالح الفطرت یہود حلقہ بگوش اسلام ہوئے، ان کو انہوں نے چھپانے کی کوشش کی۔

---

[1] اس سلسلہ میں متعدد واقعات عہد نبوی میں پیش آئے، جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ رجم کے متعلق تورات کے حکم کو بھی انہوں نے پوشیدہ رکھنا چاہا۔ مگر بعض حق پرست علمائے یہود نے اسے آپ پر ظاہر کردیا اور آپ نے اس کے مطابق عمل کیا۔ (بخاری ومسلم)

انبیاء ورسل کے ساتھ بھی انہوں نے ہمیشہ طغیان وسرکشی ہی کی روش اختیار کی، یہاں تک کہ ان نفوس قدسیہ میں سے بعض کو انہوں نے قتل کرڈالا۔ اسی وجہ سے حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے ان پر لعنت کی۔ (مائدہ)

جزیرۂ عرب کے یہود بھی اس بارے میں اپنے پیشرووں سے کچھ مختلف نہیں تھے۔ وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ یہودی تھے (آل عمران)۔ قرآن نے ان کے اس خیال کی تردید کی (آل عمران)۔ نبوت ورسالت صرف یہود کے لئے مخصوص سمجھتے تھے (جمعہ)۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی انہوں نے وہ سب کچھ کیا، جو ان کے پیش رووں نے اپنے وقت کے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کیا، تفصیل آگے آتی ہے۔

فرشتوں کے متعلق ان کے خیالات عربوں سے بالکل مختلف تھے۔ عرب ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے اور یہ اُن سے دشمنی وعداوت رکھتے تھے۔ خصوصیت سے حضرت جبرائیل کے بارے میں وہ کہتے تھے کہ یہ ان کا قدیم دشمن ہے۔ قرآن نے ان کے اس خیال کی شدت سے تردید کی[1]۔

مشرکانہ اوہام وخرافات جادو گنڈا، اور عملیات وغیرہ پر ان کا اعتقاد تھا۔ لبید، عاصم وغیرہ بہت سے یہودی عامل تھے، جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کر پھونکتے تھے[2]۔ یہ ان کے دینی مصائب کا ایک مختصر خاکہ ہے۔ جن میں وہ دور رسالت ﷺ تک مبتلا تھے۔ اب ان کے اخلاق ومعاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اخلاق ومعاملات : اخلاق ومعاملات کے اعتبار سے جزیرہ عرب کے یہود نہایت ہی گرے ہوئے تھے۔ یہ اخلاقی گراوٹ ان ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس میں ہر جگہ کے یہود برابر کے شریک تھے۔ ان کے اخلاق واعمال حد درجہ مبتذل، رکیک اور قابل نفریں تھے۔ جن کا انسانیت، شرافت اور فضائلِ اخلاق سے کوئی دور کا بھی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔ سورہ بقرہ اور آل عمران میں خاص طور سے ان کے ایک ایک عیب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ان کے چند بنیادی عیوب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

---

[1] اس سلسلہ میں طبری نے آنحضرت ﷺ اور حضرت عمرؓ سے یہود کی گفتگو کو نقل کیا ہے۔ جلد ۱۔ ص ۳۲۷

[2] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ کتاب الطب۔

نفاق : یہود حجاز جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے۔ ان میں سب سے اہم منافقت ہے۔ یہ روح انسانی کے لئے ایسا روگ ہے، جو انسان کی تمام اخلاقی خوبیوں اور فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے۔ جس فرد یا جماعت میں یہ مرض پیدا ہو جائے، اس سے کسی خیر کی اُمید نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ یہود حجاز کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں بھی نفاق نے اچھی طرح گھر کر لیا تھا۔ انھوں نے اسلام کے بارے میں مسلسل نفاق کا ثبوت دیا اور ان کی وجہ سے مدینہ منورہ میں ایک ایسا گروہ تیار ہو گیا تھا جو مرتے دم تک اس روگ میں مبتلا رہا اور اسلام اور مسلمانوں کو نقصان اور اذیت پہنچاتا رہا۔ قرآن کہتا ہے :

"وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ"۔ (آل عمران)

"وہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تم سے جدا ہوتے ہیں تو تم پر اپنی اُنگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں مارے غصہ کے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مر رہو اپنے غصہ میں"۔

سورۂ بقرہ (ع۔۸) میں اسی طرح کی ایک آیت موجود ہے۔ "دوسروں کو بھی اس نفاق پر اُبھارتے تھے۔

"وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ"۔ (آل عمران)

"بعض اہلِ کتاب نے کہا کہ ایمان لے آؤ اس پر جو مسلمانوں پر نازل ہوا، (یعنی قرآن) اور صبح کے وقت اور شام تک اس سے انکار کر دو۔ شاید کہ وہ پھر جائیں"۔

آنحضرت ﷺ اور اسلام کے ساتھ انھوں نے مستقلاً جو منافقانہ طرزِ عمل اختیار کر رکھا تھا، اس کی پوری تصویر ان آیتوں میں آ گئی ہے۔ وہ مسلمانوں ہی کے ساتھ نفاق نہیں برتتے تھے، بلکہ اس عادت بد کی وجہ سے اپنوں تک سے منافقانہ پیش آتے تھے اور ایک دوسرے کو دھوکا اور فریب دیتے تھے۔ غزوات کے سلسلہ میں متعدد موقع پر انھوں نے خود ایک دوسرے کو دھوکا دیا[1]۔

حرام خوری : حرام خوری بھی ان کا شاید قومی خاصہ ہو گیا تھا۔

"اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ"۔ (مائدہ)　"یہ بڑے حرام کھانے والے ہیں"۔

سورہ مائدہ میں ان کی حرام خوری کو متعدد بار دہرایا گیا ہے۔

---

[1] مثلاً غزوۂ بنضیر اور غزوۂ خندق وغیرہ کے مواقع پر۔

ان کے سودی کاروبار کا ذکر آ چکا ہے۔ رشوت ستانی اور ناجائز طریقہ پر شکم پری کے بھی یہ عادی ہو گئے تھے۔

" وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ "۔ (نساء)

"اور ان کے ناحق طریقہ سے مال کھانے کی وجہ سے"۔

دوسروں کا حق مارنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھا جاتے تھے۔

" اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا "۔

"یقیناً جو لوگ حقیر رقم لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو انہوں نے اللہ سے کیا ہے اور بمقابلہ اپنے قسموں کے"۔

اس سلسلہ میں حضرت اشعثؓ اور ایک یہودی کا واقعہ تفسیروں میں ملتا ہے۔ ان کے علماء واحبار بھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے۔ (توبہ)

حرص وطمع : یہ مالدار اور خوش حال تھے، مگر ان کی حرص وطمع کا یہ حال تھا کہ دو دو چار چار روپے کے لئے معصوم بچوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے[1]۔ سودی قرضوں میں بچوں اور عورتوں کو رہن رکھ لیتے تھے[2]۔

ان کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر تھا، مگر راہ حق میں ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کر سکتے تھے۔

" وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ "۔ (توبہ)

" (حرص کی وجہ سے) جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے"۔

" اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا "۔ (نساء)

" کیا ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے، اگر ہوتا تو وہ ایک ذرّہ برابر اس میں سے دوسروں کو نہ دیتے"۔

خیانت : خیانت حرص وطمع ہی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ ان میں یہ عیب بھی موجود تھا۔

" وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا "۔ (آل عمران)

" ان میں بعض ہیں کہ تم اگر ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو تم کو وہ ادا نہ کریں گے، جب تک تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ"۔

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۱۶ کتاب الدیات [2] ایضاً۔ قتل کعب بن اشرف

پھر اس خیانت کو اپنے لئے جائز اور اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔

" قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ "۔ (آل عمران)

"(یہ خیانت) اس لئے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب (کے مال) کے بارے میں ہم پر کوئی جرم نہیں"۔

بغض وحسد : بغض وحسد کا جذبہ ایک بدترین جذبہ ہے۔ اس کی موجودگی میں کبھی حق وانصاف کا جذبہ آدمی کے دل میں پرورش نہیں پاتا۔ جس کے اندر یہ جذبہ موجود ہوتا ہے، اس کو دوسروں کی خوبیاں اور بھلائیاں نظر ہی نہیں آتیں، یا اگر نظر آتی ہیں تو وہ ان کی طرف سے صرف نظر کر لیتا ہے۔ اگر کسی کو کوئی شرف اور فضل حاصل ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو انتہائی تکلیف ہوتی ہے۔ یہود کی زندگی اس برے جذبہ کا مکمل نمونہ تھی۔

" اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ "۔ (نساء)

"کیا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں، جنہیں اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا کی ہیں"۔

" هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ "۔ (آل عمران)

"ہاں تم ایسے ہو کہ ان لوگوں سے محبت رکھتے ہو اور یہ تم سے قطعاً محبت نہیں رکھتے"۔

قرآن نے ان کے اسی بغض وحسد کی بنا پر فرمایا : کہ

" مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ "۔　"اپنے غصے سے مر رہو"۔

دروغ گوئی اور بدعہدی : دروغ بدعہدی اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کا شیوہ تھا۔

" سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ "۔ (مائدہ)

"یہ لوگ غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں"۔

" اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً "۔ (مجادلہ)

"انہوں نے اپنی قسموں کا ڈھال بنا رکھا ہے"۔

عہد نبوی میں ایک دروغ گوئی اور بدعہدی کی بے شمار مثالیں ملتے ہیں۔ معاہدہ کے ذکر میں اس کی تفصیل آئے گی۔

اسی طرح وہ فواحش اور بے حیائی سے بھی باز نہیں رہتے تھے، عرب عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور ان سے کھلا ہوا مذاق کرتے تھے۔ کعب بن اشرف ان کا مشہور شاعر ... حد بدنام تھا۔

ایک مرتبہ ایک انصاری نے اس سے قرض مانگا تو اس نے ان سے برجستہ کہا اس کے بدلے اپنی بیوی کو میرے یہاں گروی رکھ دو۔ اس کی دنائت اور اس کا سفلہ پن اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ازواجِ مطہرات اور صحابیات کا نام لے کر تشبیب[1] کرتا تھا[2]۔

ایک بُرائی ان میں یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شریف و معزز آدمی زنا کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی اور کم رتبہ آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اس کو سزا دیتے[3]۔

ان میں خود غرضی اور قساوتِ قلبی بھی حد درجہ تھی، جس کا مظاہرہ دن رات ہوتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کے گھر سے نکال دیتے۔ اسی خود غرضی کی وجہ سے وہ آپس میں برابر لڑتے رہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دشمنوں تک کو مدد دیتے تھے[4]۔

قرآن نے ان کے معائب کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:

"تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ"۔ (بقر)

"تم ایک دوسرے سے قتل قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکال دیتے ہو"۔

"تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى"۔ (حشر)

"تم ان کو متفق خیال کرتے ہو، حالانکہ ان کے دل آپس میں متفق نہیں ہیں"۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت مسند احمد میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں یہود دو گروہ میں بٹ گئے تھے۔ ان میں ایک غالب تھا اور دوسرا مغلوب۔ جب غالب گروہ کا کوئی آدمی قتل کیا جاتا تو اس کی دیت مغلوب کو زیادہ دینی پڑتی اور اگر مغلوب کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کی دیت کم ملتی۔ جاہلیت میں تو مغلوب گروہ اس ظلم کو برداشت کرتا رہا، مگر رحمت عالم ﷺ کی بعثت کے بعد ایک بار جب ایسا واقع پیش آیا تو اس نے زیادہ دیت دینے سے انکار کر دیا اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اب نبی موعود ﷺ کی آمد کے بعد یہ ظلم و ستم سہنے کے لئے تیار نہیں[5]۔

پھر ان تمام اخلاقی جرائم پر وہ خوش ہوتے اور چاہتے تھے کہ جو خوبیاں ان میں نہیں ہیں ان پر ان کی تعریف و تحسین کی جائے۔

---

[1] وہ اشعار جن میں حُسن و عشق کے جذبات ظاہر کئے جائیں۔　[2] طبقات الشعراء۔ ص ۱۱۰
[3] صحیح مسلم۔ باب رجم یہود　[4] اُوپر ذکر آچکا ہے　[5] مسند۔ جلد ا۔ ص ۲۴۶

" اَلَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا "۔

(آل عمران)

" یہ لوگ اپنے اخلاق و کردار پر خوش ہیں اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی ہو"۔

ان کے دینی اور اخلاقی انحطاط کا یہ بہت مجمل خاکہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جس قوم میں اتنا زیادہ دینی انحطاط اور اتنے زیادہ ذمائم اخلاق ہوں، اس کی موجودگی میں کوئی صالح معاشرہ اور پُرسکون ماحول کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ جب تک یہودیوں کا معاشی، اقتصادی، سیاسی تغلب اور ان کا زور باقی رہا، پورے حجاز اور خصوصیت سے مدینہ سکون واطمینان کی فضا پیدا نہ سکی۔ مگر جوں جوں ان کا زور ختم ہوتا گیا، امن و سلامتی کی فضا پیدا ہوتی گئی۔ تا آنکہ پورا حجاز ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک و صاف ہوگیا۔

ایسے معائب، مثالب اور ذمائم اخلاق میں گھرے ہونے پر بھی اس بد باطن اور کج فطرت قوم کے جتنے افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، وہ اسلام کی بڑی کامیابی ہے۔ ورنہ ایسا دین جس کے قبول کرنے میں کوئی جبر و سختی نہ ہو[1]۔ اس میں ایسی تیرہ بخت اور دون فطرت قوم کے ایک دو فرد کا داخل ہونا بھی درحقیقت اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

بعثت نبوی کے بعد یہود اور مسلمانوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات کی نوعیت :

بعثت نبوی سے قبل یہودیوں کے سیاسی، تمدن اثرات کا جائزہ لینے اور ان کی اخلاقی اور دینی حالت کا تذکرہ کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ظہور اسلام کے بعد اور مسلمانوں میں باہم جو سیاسی واجتماعی تعلقات پیدا ہوئے اور اس سے جو فوائد اور مضار منتج ہوئے اس پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت مکہ میں ہوئی اور ذکر اُوپر آچکا ہے کہ مکہ میں یہود نہیں تھے۔ اس لئے مکی زندگی میں براہ راست ان سے کوئی سیاسی واجتماعی تعلق نہیں پیدا ہوا۔ لیکن دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو ابتدائی سورتیں نازل ہوئیں، ان میں حسب ضرورت اگلے انبیاء خصوصاً موسیٰؑ کا ذکر ملتا ہے۔

---

[1] لا اکراہ فی الدین دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ چنانچہ مدینہ سے یہودی قبائل کے اخراج کے بعد متعدد یہودی موجود تھے، جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن ان سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا۔ بعض کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اپنی ایک جائداد کے متعلق اپنے یہودی رشتہ داروں کا وصیت کی تھی۔

مثلاً سورۂ مزمل میں جو بالکل ابتدائی سورتوں میں ہے، حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا ذکر ملتا ہے۔ پھر سورۂ اعلیٰ میں صحف موسیٰؑ کا تذکرہ بھی آتا ہے۔ اسی طرح اس کے بعد نازل ہونے والی سورتوں مثلاً سورۂ قمر، سورۂ بروج وغیرہ میں بھی حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کے بُرے انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

غرض مکہ کے ابتدائی سالوں میں براہِ راست یہود قرآن نے خطاب نہیں کیا، محض دعوت و تبلیغ کے نقطہ نظر سے اس نے ان مشہور واقعات کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس سے اہلِ عرب مکہ واقف تھے تا کہ وہ عبرت حاصل کریں۔

مکی سورتوں میں سب سے پہلے سورۂ اعراف میں ذرا تفصیل سے ''بنی اسرائیل'' کے نام سے ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ جس میں متعدد انعامات الٰہی کو گنایا گیا ہے اور ان کی بار بار ناشکری و احسان ناشناسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی سورہ میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ تورات میں آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی موجود ہے۔

ان واقعات کی تفصیل اس سورہ کے رکوع ۱۲ سے ۱۸ تک میں موجود ہے، اگر ان سے ان آیتوں کا نکال دیا جائے جن کو تفسیرین مدنی بتاتے ہیں تب بھی یہود کی ابتدائی تاریخ کا خلاصہ مکہ میں نازل ہو چکا تھا[1]۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ قرآن میں بنی اسرائیل کا تذکرہ وسیع ہوتا جاتا رہا تھا۔

اب رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور دعوت کو کئی برس گزر چکے تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً اہل مکہ نے قرآن کے بیان کردہ واقعات خصوصاً وہ جو یہود سے متعلق تھے، ان کی طرف کچھ زیادہ دھیان نہیں دیا۔ لیکن جب قرآن نے بار بار ان کا اعادہ کیا تو ان کی تردید کا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ مدینہ اور خیبر کے یہودیوں سے ان کے قدیم تعلقات تھے۔ اس لئے انہوں نے ان سے یا طائف اور بنو کنانہ کے یہود سے جو ان کے قریب ہی رہتے تھے، ان واقعات کی صداقت اور عدم صداقت اور آپ ﷺ کی نبوت کے بارے میں سوالات کرتے رہے ہوں گے۔

---

[1] ابن جریج قتادہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سورہ میں یہ آیت الذین یتبعون الرسول الامی الذی یجدون مکتوبًا (الآیۃ) ان یہود کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اس سے پہلی والی آیت کے بارے میں تقویٰ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے، کہا تھا کہ ہم بھی تو تقویٰ کے حامل ہیں اور زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب براہ راست بھی یہود بحث مباحثہ کرنے لگے تھے۔ مگر اس کے علاوہ دوسری کوئی شہادت ہم کو نہیں ملی، جس سے مکہ میں براہِ راست ان سے سوال و جواب کی تائید ہوتی ہو۔ اس لئے حاشیہ میں اس کا ذکر ہے۔

جیسا کہ مفسرین اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ روح[1]، اصحاب کہف اور ذوالقرنین
غیرہ کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں، وہ درحقیقت کفار عرب کے ان سوالات کے جوابات
یں جو انہوں نے یہود سے پوچھ کر آنحضرت ﷺ سے ان کے متعلق کئے تھے۔ اصحاب کہف کے
تعلق تو حضرت عبداللہؓ بن عباس کی روایت ہے کہ خود یہود مدینہ نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ محمد (ﷺ)
سے ان کے بارے میں سوال کرو، اگر وہ نبی ہوں گے تو جواب دیں گے[2]۔

لیکن اب تک یعنی سورۂ بنی اسرائیل کے نزول تک جو کچھ ان کے بارے میں کہا گیا یا تو
ل عرب کو براہ راست خطاب کر کے کہا گیا یا پھر غائب کے صیغہ سے کہا گیا۔ خود یہودیوں کو براہ راست
طاب نہیں کیا گیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج سے پہلے تک یہود سے براہ راست تعلق
یں پیدا ہوا تھا۔ سورۂ اسراء کے بعد سورۂ یونس کا نزول ہوتا ہے۔ اس میں بھی یہود کی پچھلی تاریخ
و دہرایا گیا اور مزید یہ بتایا گیا کہ انہوں نے دین کے بارے میں علم الٰہی آجانے کے بعد بھی
ختلاف کیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کے واسطہ سے ان قرآنی قصوں میں شک کرنے والوں کو خطاب
کر کے ارشاد ہوا۔

"فسئل الذین یقرؤن الکتٰب من قبلک"۔ (یونس)

"تو آپ ان لوگوں سے دریافت کیجئے جو آپ سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کو
پڑھتے ہیں"۔ (یعنی تورات و انجیل)

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ یہود میں اس وقت ایسے صالح الفطرت
ل موجود تھے جو اظہار حق کر سکتے تھے اور دوسری یہ کہ اب ان میں اور مسلمانوں میں براہ راست
ال و جواب کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن ان مکانات کے لئے قرآن کی اندرونی شہادت
ریخ نزول قرآن اور بعض واقعات کی ترتیب کے علاوہ کوئی خارجی ثبوت نہیں ملتا۔ اس لئے
ں سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھا جائے گا۔ اس میں غلطی کا امکان ہے، مگر عاجز قرآن و سیرت کے

---

[1] روح کے سلسلہ میں عبداللہؓ بن مسعود کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال مدینہ میں کیا گیا تھا۔ مگر
ری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے یہود سے کہا ہم کو کچھ ایسی باتیں بتاؤ جن کے متعلق ہم محمد (ﷺ)
ے سوال کریں۔ اس کے جواب میں یہود نے ان سے کہا کہ روح کے بارے میں ان سے سوال کرو! فتح الباری
لد ۸۔ ص ۳۰۳) اصحاب کہف کے سلسلہ میں طبری میں حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ خود یہود نے اہل مکہ سے ان
دں کے بارے میں سوالات کرنے کے لئے کہا تھا۔ بہرنوع دونوں باتیں بیک وقت ممکن ہیں۔ اس میں کوئی تضاد
ں۔ سیر کی کتابوں میں تذکرہ آتا ہے کہ قریش نے ایک وفد بھی یہود مدینہ کے پاس آپ ﷺ کی نبوت کے بارے
ں دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ ممکن ہے یہ اسی وقت کا واقعہ ہو۔

[2] طبری۔ جلد ۱۵۔ ص ۱۱۸

مطالعہ سے اپنی حد تک جو کچھ بھی اخذ کر سکا، اس پر اسے وثوق ہے۔ اس لئے اسے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

صحیح روایتوں کے مطابق معراج کا واقعہ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پیش آیا۔ ظاہر ہے کہ سورۂ اسراء (یعنی بنی اسرائیل) اس کے بعد ہی نازل ہوئی۔ اور سورۂ یونس جس میں اُوپر والی آیت مذکور ہے، سورۂ اسراء کے بعد نازل ہوئی۔

اہل مدینہ کے متعلق تمام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے یعنی ۱۰ھ میں ان کے چھ آدمیوں نے اسلام قبول کیا، جو نزول سورۂ اسراء سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ میں جا کر خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے۔ اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچایا ہوگا۔ عام طور سے ان کے اسلام کا چرچا ہوا ہوگا۔ عام اہلِ مدینہ، جس میں یہود بھی تھے، اس جانتا بھی ہوگا۔ ہمارے نزدیک اس کا اثر تھا کہ دوسرے سال ۱۱ھ میں یہ تعداد دُگنی ہوگئی۔ اور ۱۲ آدمیوں نے آکر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اور خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو کر دیا جائے، جو رہ کر ہم کو اسلام کی تعلیم دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ مدینہ پہنچے تو گھر گھر جا کر اسلام کا پیغام پہنایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی مسلمانوں کی تعداد پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوگئی۔

یہود جو مدینہ میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے، جن سے انصار کا دن رات کا تعلق تھا خود بھی ایک مذہب اور شریعت کے حامل تھے۔ ان کی حیثیت کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے بارے میں اہل مکہ بغرض تحقیق ان کے پاس آ بھی چکے تھے۔ انہوں نے اس نئے دین کے بارے میں اگر انصار سے سوال و جواب اور بحث و مباحثہ شروع کر دیا ہو تو کوئی تعجب نہیں، اور بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی نبوت کے منتظر تھے[۲]۔ جیسا کہ کتب سیر میں ہے کہ آپ نے اہل مدینہ کے سامنے عقبہ میں سب سے پہلے اسلام پیش کیا تو وہ یہ کہہ کر اسلام لائے کہ ایسا نہ کہ یہود ہم سے اس فضل میں سبقت لے جائیں[۳]۔

ان وجوہ کی بنا پر عاجز کا خیال ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے جو مومنین اہل کتاب کا نام لیا ہے، وہ صحیح نہیں[۴]۔ اور نہ یہ صحیح ہے کہ مکہ میں بھی یہود تھے[۵]۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ

---

۱ بعض مفسرین نے اس سلسلہ میں عبداللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا ہے۔ صاحب روح المعانی نے اس کی تردید کی ہے۔

۲ اس کتاب میں متعدد جگہ اس کا ثبوت ملے گا۔ ۳ سیرۃ النبی۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۲ بحوالہ زرقانی اور ابن سعد۔

۴ جیسا کہ اس سلسلہ میں مفسرین نے عبداللہ بن سلام اور تمیم داری کا نام لیا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ سورت اور پھر یہ آیت مکی ہے اس لئے اس سے ان کو مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ ۵ بعض مستشرقین کا یہی خیال ہے۔ اس کی تفصیل اُوپر آچکی ہے۔

ہجرت سے پہلے ہی انصار مدینہ اور یہود کے درمیان اسلام کے بارے میں گفتگو اور بحث مباحثہ کا آغاز ہو چکا تھا اور انہوں نے ان کی کچھ نہ کچھ مخالفت بھی شروع کر دی تھی۔ جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق سے بھی پتہ چلتا ہے۔ ان ہی تعلقات کی بنا پر آیت میں کہا جارہا ہے کہ آپ ان لوگوں سے (مسلمانوں کے ذریعہ) تحقیق کر لیجئے جو کتاب عالم ہیں۔

بیان مذکورۂ بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ ابتداً اسلام کے مقابلہ میں یہود کا رویہ معاندانہ نہیں تھا بلکہ بڑی حد تک وہ اسلام کی صداقت کے معترف بھی تھے۔ مگر جوں جوں اسلام کی تعلیمات سے واقف ہوتے گئے ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھتی گئی۔ سورۂ یونس کے بعد ہود اور حم، سجدہ وغیرہ سورتیں نازل ہوئیں، جن میں ان کے متعلق بار بار یہ بات دہرائی گئی کہ یہ جان بوجھ کر قرآن کا انکار کر رہے ہیں[1]۔

ان سورتوں کے بعد سورہ غاشیہ کا نزول ہوا۔ اس میں بھی قریب قریب وہی بات دہرائی گئی، پھر سورۂ صافات نازل ہوئی، جس میں ان کی کتاب تورات کو اماماً اور رحمۃً کے الفاظ سے یاد کیا گیا اور قرآن کو اس کا حریف نہیں بلکہ موید قرار دیا گیا۔ پھر سورۂ انبیاء اُتری، اس کو ''الفرقان اور ضیا'' کہا گیا، لیکن اس ترہیب وترغیب کے باوجود یہود کی روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں وہ اور زیادہ سخت ہو گئے اور اہل مکہ کو جیسا کہ قرآن میں ہے پہلے سے زیادہ اسلام کے خلاف اُکسانے اور اعتراض کے لئے اُبھارنے لگے۔ چنانچہ سورۂ انعام میں کھانے پینے سے متعلق محرکات کے سلسلہ میں ان کے اعتراضات کا جواب ذرا سخت انداز سے اور خاص طور سے ان کی طرف اشارہ کر کے دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

" وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ ".

''اور یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے''۔

سورۂ نحل میں مکرر ارشاد ہے :

" وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَاقَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ "۔

''اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں، جن کا بیان ہم اس سے قبل آپ سے کر چکے ہیں''۔

---

[1] آیت۔ ۱۴۱ اور ۱۴

ان دونوں آیتوں میں " اَلَّذِیۡنَ هَادُوۡا " کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں اس سے پہلے ان الفاظ کے ساتھ ان کو یاد نہیں کیا گیا تھا۔ پھر دونوں آیتوں کے آخر میں کہا گیا۔

" ذٰلِکَ جَزَیۡنٰهُمۡ بِبَغۡیِهِمۡ "۔ (انعام)

''ان کی شرارت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی''۔

" وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ "۔ (نحل)

''ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی، لیکن وہ خود اپنے اُوپر زیادتی کرتے تھے''۔

یہود اور مسلمانوں کے درمیان تعلقات کا جو ارتقاء قرآن کی آیات سے دکھایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی چند حق پسند اور صالح فطرت افراد کے علاوہ پوری قوم یہود میں رفتہ رفتہ اسلام و شارع اسلام ﷺ اور مسلمانوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا اور اس مخالفت کا اظہار بھی کبھی اہل مکہ کے ذریعے ہوتا اور کبھی اہل مدینہ کے ذریعہ، جن سے ان کا دن رات کا سابقہ تھا، مگر ابھی تک یہ مخالفت صرف ذہنی اور زبانی تھی۔

ہجرت کے بعد : یہود کا یہ حال تھا کہ آفتاب اسلام کی کرنیں اُفق مدینہ پر چمکیں یعنی ختم رسل ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف فرما ہوئے، یہود کے بعض صالح اور سلیم الفطرت افراد مثلاً عبداللہ بن سلام اور ماموں بن یامین وغیرہ جن کو تورات کی پیشن گوئی [۱] علماء و احبار کی بار بار یاد دہانی اور انصار کی مکہ میں آمد و رفت کے ذریعے آپ کی بعثت کا علم ہو چکا تھا۔ بڑی بے چینی سے آپ کی ہجرت اور مدینہ میں آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی آپ ﷺ جلوہ فرمائے مدینہ ہوئے، وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے [۲]۔ ان کے ساتھ بعض اور افراد نے بھی آپ کی نبوت کی صداقت کو تسلیم کیا [۳]۔ مگر ان کی تیرہ بختی نے نور حق کو ان کے تاریک قلوب تک پہنچنے نہیں دیا اور مسلمان نہ ہو سکے۔

---

۱ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

۲ ابن الہیبان نے خاص طور پر ان کو جمع کر کے اس پیشن گوئی کو یاد دلایا تھا۔ کتاب میں حضرت اسیدؓ کے حالات میں یہ پورا قصہ مذکور ہے۔ انصار کے سامنے آپ ﷺ نے پہلی بار اسلام پیش کیا تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا ایسا نہ ہو کہ اس فضل میں یہود ہم سے سبقت لے جائیں اور ہم رہ جائیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود جانتے تھے کہ خاک بطحا سے وہ نبی عنقریب مبعوث ہونے والا ہے، جس کی بشارت حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کی دو تھی۔ ابھی اُوپر حضرت سلمہؓ کی روایت گزری ہے، جس میں ایک یہودی عالم نے یہود کے پورے مجمع میں آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کا اعلان کیا تھا۔

۳ مثلاً ابو یاسر بن اخطب نے جب قرآن کی آیتیں سنیں تو اپنے قبیلہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم جس نبی کا انتظار کر رہے تھے وہ آ گئے۔ ان کی اطاعت کرو۔ مگر اس کے بھائی حی بن اخطب نے اس کی مخالفت کی، چونکہ یہ قبیلہ کا سردار تھا، اس لئے پوری قوم اس کی ہم آہنگ ہو گئی (فتح الباری۔ جلد ۸۔ ص ۲۱۲)۔ اس سلسلہ میں بعض واقعات کا تذکرہ آگے آئے گا۔

عبداللہؓ بن سلام اور ابن یامینؓ کے اسلام لانے کا یہود پر بجائے اچھا اثر پڑنے کے اور اُلٹا اثر پڑا، اور انھوں نے اس اقدام حق پر ان کو حد درجہ مطعون اور لعنت ملامت کی۔

سرور دو عالم ﷺ کو ہجرت سے پہلے مکہ ہی میں یہود کی مخالفت اور دشمنی کا علم ہو چکا تھا۔ مدینہ آنے کے بعد اس کا عینی مشاہدہ بھی ہوا۔ س لئے آپ ﷺ نے مسجد نبوی اور کاشانۂ نبوت کی تعمیر کے بعد ہی پہلا جو کام کیا وہ انصار اور یہود مدینہ کے ایک ایک قبیلہ سے معاہدہ امن و صلح تھا۔ تاکہ یہود کی مخالفت اور زیادہ آگے بڑھنے نہ پائے اور آپ کے اور مسلمانوں کے بارے میں ان کو جو غلط فہمی ہوگئی ہے اس کا ازالہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے قبائل یہود سے صرف معاہدہ امن و صلح ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے ان کے ساتھ اپنا رویہ نہایت مصالحانہ خیر خواہانہ اور روادارانہ رکھا۔

آپ ﷺ بہ نفس نفیس ان کے مریضوں کی عیادت کرتے تھے۔ ان کے جنازے میں جاتے تھے تو آپ ﷺ احتراماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں ان کو چھینک آتی تو آپ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے [1]۔ جب تک کسی مسئلہ میں قرآن کا صریح حکم نازل نہ ہو جاتا، آپ ﷺ تورات کے حکم پر عمل فرماتے اور اس میں یہود سے مشورہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ خود اور صحابہ ان ہی کی اتباع میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ یہود آپ ﷺ سے اور مسلمانوں سے بحث مباحثہ کرتے۔ مگر آپ ﷺ کبھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسیؓ اور چند یہودیوں میں باہم اس بات پر کہ حضرت موسیٰؑ افضل ہیں یا حضور انور ﷺ، سخت گفتگو ہوگئی۔ یہود خدمت نبوی میں شکایت لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا، مجھے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت یونسؑ کا ذکر آیا تو اس وقت بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت نہ دو۔

ایک طرف یہ لطف و کرم اور اخلاق کی و محبت کی بارش تھی کہ بچہ بچہ اس سے سیراب تھا۔ دوسری طرف یہود کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ کی مجلسوں میں آتے تو السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت آئے) کہتے۔ آپ کی توہین کے لئے راعنا [2] کا لفظ استعمال کرتے۔ آپ ﷺ سے

---

[1] ترمذی شریف۔ باب اذا اعطس الیہود۔

[2] راعنا کے معنی ہیں میری رعایت کیجئے۔ مگر یہود اس کو زبان دبا کر راعینا کہتے تھے، جس کے معنی عربی میں ہمارے چرواہے کے ہیں۔ ان کی اس روش کو دیکھ کر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ تم راعنا کے بجائے "انظرنا" کا لفظ استعمال کرو، تا کہ ان کو آپ کی اہانت کا موقع نہ ملے۔

اور مسلمانوں سے خواہ مخواہ بحث و مباحثہ کرتے۔ آپ ﷺ کی شان میں گستاخیاں ور آپ ﷺ کی بنوت کی تکذیب کرتے۔ مسلمانوں کو طرح طرح سے ستانے کی کوشش کرتے۔ ان سے بدکلامیاں کرتے۔

لیکن ان کی مسلسل ایذا رسانیوں، گستاخیوں، شرارتوں، ریشہ دوانیوں، فتنہ آرائیوں اور شر انگیزیوں کے باوجود مسلمانوں کے ہاتھ سے صبر و تحمل کا دامن کبھی نہیں چھوٹا اور ہمیشہ ان کے مقابلے میں وہ حلم و بردباری اور صبر و ضبط اور اسلام کے اعلیٰ اخلاق کا اظہار کرتے رہے، اور انہوں نے اس کا خاص طور سے خیال رکھا ان کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہو، جو صلح و امن کے لئے مضر اور اس معاہدہ کے خلاف ہو، جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہو چکا تھا۔ چنانچہ قرآن یہود کے اس طرز عمل کے بارے میں مسلمانوں کو ہدایت دیتا ہے:

" وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرَةً وَّاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ "۔ (آل عمران)

''اور تم بہت سی دلآزاری کی باتیں اہل کتاب (یہود) اور مشرکین سے سنو گے تو تم اگر ان پر صبر کرو گے اور تقویٰ کا طرز عمل اختیار کرو گے تو یہ عزیمت کا کام ہوگا''۔

شروع سے یہود کے ساتھ مسلمانوں کا جو محبت آمیز برتاؤ تھا اور جس رفق و لینت اور حسن سلوک کے ساتھ وہ ان سے پیش آ رہے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں سے قریب ہوتے، ان کی دعوت کو قبول کرتے، ان کے معاون و مددگار بنتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب کے باوجود وہ اسلام سے بیزار اور مسلمانوں سے دن بدن دُور ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے اسباب اور موانع کیا تھے، اس کو ہم ذرا تفصیل سے یہاں لکھتے ہیں۔

۱۔ یہود میں متعدد طبقے اور ان سے ہر ایک کا بعثت نبوی کے متعلق الگ الگ نظریہ اور خیال تھا۔

(الف) ایک طبقہ تو یہ سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی بعثت اور تورات کے نزول کے بعد اب کسی کی بعثت یا کسی کتاب الٰہی کا نزول نہیں ہوگا[1]۔ لیکن یہ بہت محدود تھا۔ اس خیال کے یہود عرب میں زیادہ نہ تھے۔

(ب) دوسرے کا خیال یہ تھا کہ ایک اور نبی کی بعثت تو ہونے والی ہے، مگر وہ بنی اسرائیل سے ہوگا اور اگر بنی اسرائیل سے نہ بھی ہوا تو ہر معاملہ میں کم از کم ان کی تائید ضرور کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے بارہا آپ ﷺ کے سامنے اس کا اظہار کیا۔

---

[1] التلمود بحوالہ تاریخ الیہود

حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک بار دو یہودی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے چند سوالات کئے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا، تو کہا کہ بے شک آپ نبی ہیں۔ ارشاد ہوا کہ پھر میرے اتباع سے کیوں گریز کرتے ہو۔ کہا حضرت داؤدؑ نے دعا کی تھی کہ نبوت ان ہی کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہے گی۔ اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو یہود ہم کو قتل کردیں گے[1]۔

اس خیال کے یہود بکثرت تھے اور یہی مخالفت میں پیش پیش تھے۔

(ج) تیسرا گروہ وہ تھا جو نہ نبوت کو حضرت موسیٰؑ پر ختم سمجھتا تھا اور نہ اس کو بنی اسرائیل میں محدود، بلکہ وہ انبیاء کی اصل پیشن گوئی اور تورات کے بیان کے مطابق یہ سمجھتا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے، خواہ وہ عرب میں ہو یا عجم میں۔ یہی یہود کا اعتدال گروہ تھا اور یہی آپ ﷺ کی بعثت کا منتظر تھا اور اسی کے بعض افراد نے اسلام قبول کیا[2]۔ مگر بعض ذاتی مصالح کے تحت بیشتر افراد نے دوسرے گروہ کے راستہ اختیار کیا اور ان کے ساتھ رہے اور دولت، ایمانی سے محروم رہے۔

۲۔ عام طور پر یہود یہ سمجھتے تھے کہ جو نبی بھی آئے گا، ان کے ہر خیال اور ان کی زندگی کے ہر معاملہ میں ان کی تائید کرے گا۔ لیکن جب ان کی یہ توقع پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آئی تو انہوں نے مخالفت شروع کردی۔

حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہود جو غلط اور فاسد عقیدہ رکھتے تھے، قرآن نے ابتدائے نزول ہی میں اس کا ابطال کیا اور حضرت عیسیٰؑ کو راست باز اور ان کو مجرم ٹھہرایا۔ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق بھی ان کی دینی کتابوں میں ایسی بے سروپا باتیں اور ان کے درمیان ایسے قصے عام طور پر مشہور تھے، جن سے ان کے دامن عفت پر نعوذ باللہ من ذالک داغ ہی نہیں آتا تھا، بلکہ ان کے فساد عقیدہ کا بھی پتہ چلتا تھا۔ قرآن نے اس طرح کے قصوں اور افسانوں کی بھی تردید کی اور انبیاء کی عصمت وعفت کی شہادتیں پیش کیں۔

سورۂ انعام سورۂ مریم، سورۂ صافات میں ایک ایک کا نام لے کر کسی کو صِدِّیْقًا نَبِیًّا کسی کو کَانَ مِنَ الْمُخْلَصِیْنَ وغیر کہا اور سورۂ انعام میں تمام مشہور انبیاء کے ذکر کے بعد کہا کُلٌّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ، سب کے سب صالح اور نیکوکار تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصیت کے ساتھ

۱۔ مسند طیالسی۔ جلد ۵۔ ص ۱۶ نسائی باب تحریم الدم۔

۲۔ تفسیر وسیرت میں یہود کے بارے میں بظاہر مختلف ومتضاد روایتیں ملتی ہیں۔ اس لئے مطالعہ کرنے والوں کے لئے پریشانی اور انتشار خیال کا باعث بن جاتی ہیں۔ لیکن اگر یہ تقسیم پیش نظر رہے تو انشاء اللہ ان روایتوں میں کوئی تضاد نظر نہ آئے گا۔

انھوں نے بہت زیادہ متہم کیا تھا اور عجیب و غریب واقعات بلکہ کفر و شرک تک کو ان کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ قرآن نے سورۂ نحل، پھر سورۂ بقرہ میں اس کی تردید کی اور ان کو ان چیزوں سے منزہ قرار دیا۔ اسی طرح دوسرے واقعات و قصص و حکایات کو بھی قرآن نے رد کیا ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں یہود کی توقعات کے خلاف تھیں، اس لئے ان کا برافروختہ ہونا بالکل طبعی تھا اور وہ برافروختہ ہوئے۔

۳۔ یہود جیسا کہ ہم اُوپر لکھ چکے ہیں۔ ہر طرح کے اخلاق ذمیمہ اور معائب سئیہ میں مبتلا تھے، مگر اس کے باوجود اہل عرب میں عزت و شرف کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لئے وہ اپنی موجودہ اخلاقی حالت و روش پر مطمئن ہی نہیں تھے بلکہ دینی حیثیت سے اس کو اپنے لئے جائز بھی سمجھتے تھے، جیسا کہ اہل کتاب کے اموال کے بارے میں انھوں نے اپنے خیال کا اظہار کیا تھا۔ (آل عمران)

اسلام اس کے برخلاف مکارم اخلاق، فضائل و محاسن کی تعلیم دیتا تھا، جس کے فروغ کا لازمی نتیجہ یہودیوں کے موجودہ حالت کا زوال تھا۔ خصوصیت سے ان کی اقتصادی زندگی تو قطعی موت تھی اور چونکہ وہ اپنی روش کو بدل نہیں سکتے تھے اس لئے انھوں نے مہر ہدایت ہی پر خاک ڈالنی شروع کر دی۔ چنانچہ یہود کے جس طبقہ اور قبیلہ میں جتنی بھی اخلاقی کمزوریاں زیادہ تھیں، اتنا ہی وہ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش تھا۔

۴۔ یہود نے شرف و نجابت کا مدار ایمان و عمل کے بجائے نسل و ذات پر رکھا تھا۔ اسلام آیا تو اُس نے شرف و عزت، نجابت و بخشایش کا مدار ایمان و عمل قرار دیا۔ اس نے یہ اصول بتایا۔

" وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنفُسِكُم مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا "[1]۔ (مزمل۔۲)

''اور جو نیک عمل اپنے لئے آگے بھیج دو گے اس کو اللہ کے پاس پہنچ کر اس سے اچھا اور ثواب میں بڑا پاؤ گے''۔

شرف و عزت کا یہ معیار قرار دیا۔

" اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ "۔ (حجرات۔۲)

''تم سب میں بڑا شریف ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو''۔

چونکہ قرآن کے ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے ان کے مزعومہ شرف و عزت کے قلعہ کی دیواریں مسمار ہو رہی تھیں، اس لئے وہ چراغ پا ہو گئے۔

---

[1] یہ سورۂ مزمل کی ہے، جو ابتدائی سورتوں میں ہے۔

۵۔ اسلام سے پہلے اہل عرب عام طور سے علمی اور دینی اعتبار سے بالکل بے مایہ تھے اور یہودیوں میں علم بھی تھا اور مذہب بھی۔ اس لئے وہ قدرتی طور پر عربوں کو اپنے سے کمتر، حقیر اور بے مایا سمجھتے تھے۔ خود عربوں کو بھی ان کی برتری کا اعتراف تھا۔ ان میں اسلام آیا اور انہوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کیا تو تو ان کی دینی اور علمی بے مائے گی دور ہونے لگی اور ان کا احساسِ برتری خود بخود بیدار ہونے لگا۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی شرف وفضل کی حامل ہوتی ہے تو طبعاً کسی دوسری قوم کو اس کا شریک بننا پسند نہیں کرتی چاہے اس کی عزت وشرف کی خصوصیات کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی اس میں باقی یہ رہ گیا ہو۔ اس بنا پر یہود اپنے فضل وشرف میں عربوں کو شریک اور اپنے اوصاف وخصوصیات ان کی طرف منتقل ہوتے ہوئے کیسے دیکھ سکتے تھے۔

۶۔ ظہور اسلام سے پہلے عربوں میں آپس میں نہ کوئی وحدت تھی نہ اخوت۔ بلکہ ہر طرف اختلاف، انتشار اور ظلم وستم کا دور دورہ تھا۔ وہ بے شمار قبیلوں میں خاندان میں بٹے ہوئے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے ان چیزوں کو مٹایا۔ اس نے اختلاف کو اتحاد سے، انتشار کو وحدت سے بدلا۔ ظلم وستم کے بجائے اخوت ومساوات کی تعلیم دی۔ جس کی وجہ سے عربوں میں اخوت ومساوات اور اتحاد واتفاق کی نئی رُوح دوڑنے لگی۔ پھر مدینہ پہنچ کر آپ نے اس کا علمی نمونہ پیش کیا کہ انصار کے ان قبائل کو جو برسوں سے آپس میں لڑتے آرہے تھے، ان کو شیر وشکر کر دیا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر مہاجرین اور انصار میں آپ ﷺ نے مواخات یعنی بھائی چارہ کرا دیا۔ انصار کے قبائل سے اہل مکہ اور اہل مدینہ میں صدیوں سے اختلاف چلا آرہا تھا اور یہود اس سے برابر فائدہ اُٹھاتے رہتے تھے، اس لئے ان کو متحد ومتفق ہوتے اور گلے ملتے یہ کیسے دیکھ سکتے تھے۔

پھر اسی اخوت ومساوات کی فضا سے عربوں ہی کو فائدہ نہیں پہنچا، بلکہ خود یہود مدینہ میں ضعیف اور کمزور طبقہ تھا، اس کے دلوں میں بھی نئے حوصلے اور انقلابی عزائم کروٹ لینے لگے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہود مدینہ دو طبقوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک غالب اور مضبوط تھا۔ دوسرا مغلوب اور مقہور۔

غالب طبقہ ان غریب یہودیوں پر ہمیشہ ظلم وستم کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر غالب گروہ کا کوئی آدمی مغلوب گروہ کے ہاتھوں مارا جاتا تو ان کو سو وسق دیت دینی پڑتی اور اگر اس کے برعکس ہوتا تو وہ ان کو صرف پچاس وسق دیت دیتے۔ یہ ظلم وستم کا بازار اسی طرح گرم تھا کہ آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ

تشریف لائے۔آپ ﷺ کی آمد کے بعد ایک بار اسی طرح کا ایک معاملہ پیش آیا تو مغلوب گروہ نے دیت دینے سے انکار کیا، اور غالب گروہ کے پاس کہلا بھیجا : کہ

" انا انما اعطینا کم هذا ضیماً منکم و فرقاً منکم فاما اذا قدم محمد فلا نعطیکم ذلک "۔ (مسند احمد۔جلد ا۔ص ۲۴۶)

" ہم اب تک زیادہ دیت صرف تمہارے ظلم اور خوف کی وجہ سے دیتے رہے ہیں ۔ اب جبکہ محمد (ﷺ) کے آنے کے بعد (ظلم وزیادتی کا خوف نہیں ہے) تو ہم زیادہ دیت نہیں دے سکتے"۔

ظاہر ہے کہ یہ چیزیں یہود کے لئے کس قدر سوہانِ رُوح ہوئی ہوں گی۔

۷۔ یہود کی مخالفت کے اسباب میں ایک سبب تحویل قبلہ بھی ہے۔جب تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔عام عربوں اور مسلمانوں میں اس کی وجہ سے ان کی ایک عظمت باقی تھی ،مگر جب تحویل کعبہ ہوا تو ان کی اس عظمت کو ایک اور دھکا لگا۔ان کی مخالفت پہلے ہی سے کیا کچھ کم تھی۔اب اس میں اور اضافہ ہوگیا۔ پہلے وہ یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے اسلام کی اہمیت کم کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) تو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔

اب وہ یہ کہہ کر مخالفت کرنے لگے کہ یہ نبی عجیب دین لے کر آئے ہیں کہ جن کا قبلہ بھی بدلتا رہتا ہے اور پھر یہ کہتے کہ جو لوگ اس سے پہلے والے قبلہ کی طرف رُخ کر کے عبادت کر چکے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ ان کی تمام عبادتیں اکارت گئیں۔چنانچہ ان کے کہنے سننے کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا۔ اس لئے قرآن نے ان کے تمام اعتراضات کا جواب دیا۔سورۂ بقرہ (رکوع ۱۷۔۱۸) میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

اس تحویل قبلہ کا اثر ان پر اس قدر پڑا کہ جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے۔مثلاً کعب بن اشرف، رفاعہ بن قیس اور قردم بن عمرو وغیرہ آپ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ یا محمد (ﷺ) یہ کیا بات ہے کہ تم نے قبلہ تبدیل کر دیا۔اگر پہلے قبلہ کی طرف پھر لوٹ جاؤ تو ہم تمہاری تصدیق اور اتباع کریں گے[1]۔

ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے کسی اخلاص کی بنا پر نہیں کہی تھی، نہ یہ منشاء تھا کہ وہ دین اسلام کو قبول ہی کر لیں گے۔ بلکہ اس تحویل قبلہ سے ان کے وقار اور ان کی دینی عظمت کو جو دھکا لگا تھا،

---

[1] طبری میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔

چاہتے تھے کہ اس طرح اس کو سنبھال لیں اور پھر ان کو یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ دوبارہ بیت المقدس کو قبلہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے تو عام عربوں اور کمزور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کا ان کو موقع مل جائے گا۔

۸۔ ان موانع کے باوجود جو نیک فطرت اور حق پسند افراد تھے، وہ اسلام کی حقانیت کے قائل بلکہ اس کے قبول کر لینے کی طرف بھی مائل تھے۔ مگر چونکہ عام یہودی آبادی اس کی مخالف تھی اس لئے وہ ان کے خوف سے قدم آگے نہیں بڑھا سکے۔ اس سلسلہ میں احادیث و سیر میں متعدد واقعات ملتے ہیں۔

مسند طیالسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود آپ ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے تسع بینات[1] کے متعلق سوال کیا۔ ارشاد ہوا کہ شرک نہ کر، آپس میں قتل وخونریزی نہ کرو، چوری اور زنا سے پرہیز کرو اور سود خواری سے باز آجاؤ۔ پاکباز عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، بزدلی نہ دکھاؤ، کسی کمزور و بے قصور کو ناحق کوئی الزام رکھ کر قتل کرنے یا اس کے مال کے لینے[2] کی کوشش نہ کرو۔ آپ ﷺ جب یہ سب کچھ ارشاد فرما چکے تو انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور پکار اُٹھے :

"نَشْهَدُ اَنَّکَ نَبِیٌّ"۔

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (ﷺ) بے شک نبی ہیں''۔

آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہیں میری نبوت تسلیم ہے تو میرا اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔ انہوں نے کہا :

"انا نخشی تبعناک ان یقتلنا الیھود"۔ (مسند طیالسی۔ ص ۱۶۰ جزء ونسائی)

''ہم کو ڈر ہے کہ ہم نے آپ () کا اتباع کیا تو ہمیں یہودی مار ڈالیں گے''۔

اسی طرح کعب بن اشرف جو بڑا مالدار یہودی تھا۔ اس کے متعلق زرقانی میں ہے کہ اس کے یہاں سے تمام یہودی علماء واحبار کو وظیفے ملتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب وہ ایک بار اس کے پاس اپنے وظائف لینے آئے تو اس نے کہا کہ اس شخص محمد (ﷺ) کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ

---

[1] قرآن میں ہے کہ "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ" اس روایت میں اسی طرف اشارہ ہے۔ تسع آیات کیا ہیں، اس میں اختلاف ہے۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ تمام عیوب ان میں موجود تھے۔

" هُو الذى كنا ننتظر ".

"یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے"۔

چونکہ یہ جواب اس کی توقع کے خلاف تھا، اس لئے یہ کہہ کر کہ میرے پاس مال میں اور بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں، وظیفہ دینے سے انکار کر دیا۔ علماء و احبار یہاں سے لوٹے تو ان کو اپنے اظہار حق پر بڑا رنج ہوا۔ دوبارہ واپس آئے اور کعب سے عرض کیا کہ ہم نے عجلت میں جواب دے دیا بعد میں جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جواب میں غلطی کی۔ یہ محمد (ﷺ) وہ مُنتَظَر نبی نہیں ہیں۔ اس کے بعد کعب نے ان کے وظائف جاری کر دیئے اور یہ اعلان کر دیا کہ

" لكل من تابعهم من الاحبار شيئًا من ما له "۔ (جلد ۲۔ ص ۹۔۱۰)

"جو علمائے یہود (آپ کی نبوت کی تکذیب میں) ان حبار کا اتباع کریں ان کو بھی کچھ نہ کچھ وظیفہ ملے گا"۔

اُوپر جو اسباب و موانع بیان کئے گئے ہیں، ان سے یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ یہود کی مخالفت اور اسلام دشمنی کسی حقانیت اور کسی ٹھوس بنیاد پر نہیں تھی، بلکہ اس میں صرف ان کی نفسانیت خود غرضی اور دنیاوی مصلحتیں کام کر رہی تھیں اور اس کو چھپانے کے لئے وہ مذہب کی آڑ لے رہے تھے۔

یہود سے معاہدہ : اُوپر ان کے اور مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں ہم معاہدہ کا ذکر کر رہے تھے کہ ضمناً ان اسباب و موانع کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوا، جن کی وجہ سے یہود اسلام کی طرف بڑھنے کے بجائے اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ اب پھر اس سلسلہ بحث کو ہم شروع کرتے ہیں۔ معاہدہ انصار اور یہود دونوں سے ہوا تھا، جو حصہ یہود سے متعلق ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی اُمور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
۲۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔
۳۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
۴۔ قریش اور ان کے حلیف قبائل کو کوئی امان نہ دے گا۔
۵۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا۔ مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔
۶۔ مدینہ پر کوئی حملہ کرے گا تو دونوں فریق مل کر مقابلہ کریں گے۔
۷۔ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا تھا، وہ بدستور قائم رہے گا۔

۸۔　یہود اور انصار میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

یہ آخری دفعہ انصار اور یہود دونوں کے معاہدات میں موجود ہے۔ یہ معاہدہ ۴۷ دفعات پر مشتمل ہے، جن میں تقریباً بائیس دفعات یہود کے متعلق ہیں۔ جس کا خلاصہ یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہود کے معاہدہ میں یہ بات کئی بار دہرائی گئی ہے کہ جو کوئی شخص یا قبیلہ عہد شکنی یا ظلم کرے گا اس کو وبال اُٹھانا پڑے گا۔

اس معاہدہ کے سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ یہ کس سنہ میں ہوا اور دوسری یہ کہ اس میں یہود کے مشہور قبائل مثلاً بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کا ذکر کیوں نہیں ہے؟

تمام ارباب سیر معاہدہ کا ذکر ہجرت کے پہلے سال کے سلسلہ میں کرتے ہیں۔ لیکن حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب "عہد نبوی میں نظامِ حکمرانی" کے صفحہ ۸۵۔۸۶ میں یہود کے معاہدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے بعد یعنی ۳ھ میں مرتب ہوا۔ اس پر انہوں نے علمی طور پر کچھ دلائل بھی دیئے ہیں، مگر عاجز کو ڈاکٹر صاحب موصوف کے رائے سے اختلاف ہے اور اس کے لئے اس کے پاس دلائل بھی ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ معاہدہ کا انعقاد اگر غزوۂ بدر تسلیم کیا جائے تو پھر بنو قینقاع کے زمانۂ اخراج کے کچھ آگے بڑھانا پڑے گا۔ اس لئے کہ ۲ھ کے رمضان میں غزوۂ بدر پیش آتا ہے اور شوال کے مہینہ میں بنو قینقاع کا اخراج عمل میں آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سے معاہدہ کرنے اور ان کے اخراج میں اتنا کم فصل کسی طرح قرین قیاس نہیں ہوسکتا۔

اس معاہدہ میں یہود کے کسی مشہور قبیلہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ زیادہ تر ان ذیلی قبائل کا ذکر ہے جو جدید الیہود یہ تھے۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ کہ یا تو ان سے اس سے الگ کوئی دوسرا معاہدہ ہوا، یا پھر ان قبائل میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ معاہدہ ہوا۔

یہ بات اس لئے اور بھی قرین قیاس ہے کہ اس معاہدہ میں دس یہودی قبائل کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا ہر قبیلہ اپنی ایک علیحدہ وحدت اور جداگانہ حیثیت کے ساتھ شریک ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان میں سے کسی قبیلہ نے مسلمانوں سے جنگ کی تو دوسرے خاموش رہے، بلکہ مواقع پر تو انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے علی الرغم مسلمانوں کی مدد بھی کی۔ اگر یہ تمام قبائل کا یہ متحدہ معاہدہ ہوتا تو کسی ایک سے جنگ چھڑ جانے پر دوسرے خاموش نہ رہتے۔

یہود مدینہ کا نقض معاہدہ جنگ اور ان کا خاتمہ :

اب تک ان کی جو روش تھی، اس سے مسلمانوں کو ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ معلوم نہیں کس وقت وہ نقض عہد کر کے ان پر حملہ کر دیں۔ اسی خطرہ کی وجہ سے جب تک یہود مدینہ میں رہے، آپ ﷺ جب کسی غزوہ میں مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تو مدینہ کی حفاظت کا پورا انتظام فرما جاتے۔ یہی نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ وہ معاہدہ کی ان رعایتوں کو بھی ختم کرتے جاتے تھے۔ جن کا مرعی رکھنا ان کے لئے ضروری تھا۔

غزوۂ بدر میں معاہدہ کی رو سے ان کو مسلمانوں کی مدد کرنی چاہئے تھی۔ مگر انہوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ پھر بھی ان کو اس پر کوئی شرمندگی ہوئی اور نہ ان کے طرزِ عمل میں کوئی فرق آیا، بلکہ بنو قینقاع نے تو غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہی نقض[1] معاہدہ کا اعلان کر دیا اور اس کا مظاہرہ بھی شروع کر دیا، یعنی یہ کہ ایک مسلمان عورت کی کھلے بازار انہوں نے بے حرمتی کی۔

لیکن آپ ﷺ نے نقض معاہدہ اور اس واقعہ کے بعد بھی ان کے خلاف جارحانہ اقدام نہیں کیا۔ بلکہ اتمام حجت کے طور پر ان کو جمع کر کے سمجھانے کی کوشش کی اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے اور انکار وجحود پر قائم رہے تو آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کی طرح عذابِ الٰہی تم کو بھی پالے۔ انہوں نے کہا، ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے جنگ ہوگی تو معلوم ہوگا۔ چونکہ اس افہام و تفہیم کے بعد اب مزید مہلت کا موقع باقی نہیں رہ گیا تھا اس لئے مسلمانوں نے ان کے مکانوں کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار انہوں نے مدینہ چھوڑ دینے پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور وہاں سے وادی القریٰ، پھر کچھ دنوں بعد شام چلے گئے[2]۔

اس قبیلہ کے بعض افراد کا اس کے بعد بھی مدینہ میں پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے جن لوگوں نے معافی مانگ لی ہو، ان کو رہنے کی اجازت مل گئی ہو۔

بنو قینقاع کے اخراج کے بعد بھی یہود کے دوسرے قبائل کو کوئی عبرت حاصل نہیں ہوئی اور نہ کوئی اپنی روش میں کوئی تبدیلی پیدا کی، بلکہ اب پہلے سے بھی زیادہ انہوں نے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ خفیہ سازباز کی، قریش کو در پردہ مدد دی۔ آنحضرت ﷺ کے قتل کی سازش کی۔ غرض معاہدہ کی ایک ایک دفعہ کو انہوں نے عملاً توڑ ڈالا، تو ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا اور

---

[1] غزوۂ بدر کے بعد فوراً نقض معاہدہ کی وجہ بجز اس کے کچھ سمجھ میں نہیں آئی کہ انہوں نے سمجھا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں۔ اگر ان پر حملہ کر دیا جائے تو آسانی ختم ہو سکتے ہیں۔ [2] واقدی ص ۱۸۰ و ۲۶۲

ان کو اس کی سزا بھگتنی پڑی۔ اس لئے کہ معاہدہ میں بار بار یہ بات دہرائی گئی تھی کہ جو ظلم یا نقض معاہدہ کرے گا اس کو اس کا وبال اُٹھانا پڑے گا۔ یعنی ۴ھ میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا اور ۵ھ میں بنو قریظہ استیصال کیا گیا۔

ہم نے یہاں قصداً بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ اس لئے کہ اس مختصر مقدمہ میں ان واقعات کی پوری تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ حالانکہ اس سلسلہ میں عاجز کے مطالعہ میں بعض ایسی چیزیں بھی آئی ہیں، جو سیرت کی متداول کتابوں میں نہیں ملتیں، مگر یہاں ان کے تذکرہ کا بھی موقع نہیں ہے۔

۴ھ میں بنو نضیر کے اخراج کے بعد مدینہ کی داخلی فضا بڑی حد تک پُرسکون ہوگئی، مگر مدینہ کے باہر کی فضا مسلمانوں کے حق میں پہلے سے بھی زیادہ خراب ہوگئی۔ یہود مدینہ سے نکلے تو بنو قینقاع تو وادی القریٰ ہوتے ہوئے شام چلے گئے، مگر بنو نضیر خیبر میں قیام پذیر ہو گئے۔ خیبر مدینہ کے بعد یہود کا دوسرا بڑا مرکز تھا۔

یہاں پہنچ کر وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اپنی ریشہ دوانیاں برابر جاری رکھیں۔ انہوں نے خیبر کی یہود اور آس پاس کے تمام عرب قبائل کو مدینہ پر حملہ کے لئے تیار کیا۔ ان کا ایک وفد قریش کے پاس بھی گیا۔ اس وفد کا سرکردہ حی بن اخطب تھا۔ اس سے اور قریش سے جو گفتگو ہوئی اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں، تاکہ ان کی ریشہ دوانیوں کا پورا اندازہ ہو جائے۔

قریش :　بنو نضیر کے لوگ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟

حی بن اخطب: "ترکتھم بین خیبر والمدینة یتردّدون حتیٰ تاتوھم فتسیروا معھم الی محمد الی محمد وَاصحابه"[1]

ترجمہ : "میں نے ان کو خیبر اور مدینہ کے درمیان چھوڑ دیا ہے۔ وہ گشت کر رہے ہیں اور تمہاری آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم ان کو محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب پر حملہ میں اپنے ساتھ پاؤ گے"۔

قریش :　بنی قریظہ کا کیا حال ہے ؟

حی بن اخطب: "اقاموا بالمدینة مکرا بمحمد حتیٰ تاتوھم فیمیلوا معکم".

ترجمہ : "بنو قریظہ مدینہ میں محمد (ﷺ) کو دھوکا دینے کی غرض سے مقیم ہیں۔ جب تم مدینہ پہنچو گے تو وہ تمہارے ساتھ حملہ کر دیں گے"۔

---

[1] مغازی واقدی۔ ص ۳۰۶۲ مطبوعہ بپٹسٹ پریس کلکتہ۔

اس سے دو باتوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ ان کی سازش کا جال کتنی دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ دوسری یہ کہ بنو نضیر کے اخراج کے وقت بنو قریظہ جو خاموش تھے تو در حقیقت اس میں ان کی ایک سیاسی چال اور سازش پوشیدہ تھی، جو غزوۂ خندق کی صورت میں ظاہر ہوئی، جس میں حجاز کے تمام مشہور قبائل شریک تھے۔ لیکن نصرت خداوندی اور مسلمانوں کے حسن تدبیر سے ان کو زبردست شکست ہوئی۔

بنو قریظہ جس مقصد سے اب تک مدینہ میں رُکے ہوئے تھے۔ اس کا اس موقع پر انہوں نے در پردہ اظہار بھی کیا تھا، مگر ناکامی کے آثار دیکھ کر وہ کھل کر سامنے نہیں آئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی در پردہ کہ بادیوں اور فساد انگیزیوں کا چونکہ علم ہو چکا تھا، اس لئے خندق کے فوراً بعد مدینہ سے ان کا بالکل استیصال کر دیا گیا۔

یہودِ خیبر سے جنگ :

غزوۂ خندق عبرتناک شکست اور بنو قریظہ کی شدید ناکامی کے بعد بھی یہود کو تنبیہ نہیں ہوئی اور وہ دوبارہ خیبر اور اس کے آس پاس کے قبائل میں جنگ کی آگ بھڑکانے کی فکر میں لگ گئے۔ اس وقت یہودِ خیبر کا سردار اسیر بن رزام تھا۔ اس نے تمام عرب قبائل میں دورہ کیا اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے ان کو اُبھارا۔ یہود کے سامنے تقریر کی کہ ہمارے پیشروں نے محمد (ﷺ) کے مقابلے کے لئے جو تدبیریں اختیار کیں، وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (ﷺ) کے مرکزِ حکومت پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔[1]

امام سرخسیؒ کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ یہود خیبر اور اہل مکہ کے درمیان بھی ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

" لما كان بين اهل مكة واهل خيبر من المواخاة على ان رسول الله صلى الله عليه وسلّم اذا توجه الى احد الفريقين اغار الفريق الأخر "[2]

"اہلِ مکہ اور اہل خیبر (یہود) کے درمیان یہ معاہدہ تھا اگر رسول اللہ ﷺ دونوں میں سے کسی فریق پر حملہ کریں تو دوسرا فریق اس کی جنگی مدد کرے گا"۔

ایک طرف یہود کے مکر و فریب کا یہ جال بچھا ہوا تھا۔ دوسری طرف خود اہلِ غزوۂ خندق کی ذلت انگیز شکست کے بعد انتقام کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جس کی اطلاعیں برابر بارگاہِ رسالت ﷺ میں

[1] زرقانی۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۶ [2] شرح السیر الکبیر۔ جلد ۱۔ ص ۲۰۱

پہنچتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے بیک وقت دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے اس وقت اہلِ مکہ سے کہیں زیادہ اہلِ خیبر کی طرف سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے تو اہلِ مکہ سے حدیبیہ میں صلح کرلی تھی تا کہ دشمن کا ایک بازو بے کار ہو جائے۔ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں :

" فوادع اهل مكة حتىٰ يا من جانبهم " [1]۔

''اہل مکہ سے آپ نے معاہدہ صلح کرلیا۔ جس سے آپ کو غنیم کے ایک گروہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا''۔

اور اہلِ خیبر کے خلاف جارحانہ اقدام کردیا۔ چونکہ یہ معرکہ مختلف حیثیتوں سے بہت سخت تھا، اس لئے آپ نے مدینہ میں یہ اعلان فرمادیا : کہ

" لا يخرجن معنا الا راغب الجهاد "۔

''صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جن کی نیت جہاد کی ہو''۔

اس کے دو مقصود تھے۔ ایک یہ کہ بزدل، غنیمت کے حریص اور منافقین نہ جانے پائیں اور دوسرا یہ کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اقدام ملک گیری کے لئے نہیں، بلکہ اعلاء کلمۃ اللہ اور حفاظت خود اختیاری کے لئے ہے۔

مسلمان مدینہ سے خیبر کے لئے روانہ ہوئے تو یہود کے بعض قبیلوں نے راستہ میں ان سے چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی، مگر مسلمان ان تمام موانع سے بچتے ہوئے خیبر پہنچ گئے۔

اُوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہود نہایت مالدار اور جنگی حیثیت سے نہایت مضبوط تھے۔ ان کے پاس متعدد نہایت مضبوط اور مستحکم قلعے تھے۔ جن میں یعقوبی کے بیان کے مطابق بیس ہزار مسلح سپاہی موجود تھے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کو اتنا سخت کوئی معرکا پیش نہیں آیا تھا۔ تقریباً تین ہفتہ تک مسلسل جنگ ہوتی رہی۔ مسلمانوں کو بہت سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ یہود قلعہ بند ہو کر لڑ رہے تھے، پھر ان کے پاس منجنیقیں تھیں، جنہیں وہ اس موقع پر استعمال کر رہے تھے، لیکن آخر کار یہود یہ تمام قلعے جن پر ان کو ناز تھا، یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے اور ان کو شکست فاش اُٹھانی پڑی۔

خیبر کے یہود کی گذشتہ ریشہ دوانیاں تو ایسی تھیں کہ وہ کسی رعایت اور مروت کے مستحق نہیں تھے، مگر رحمت عالم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ بہت خیز خواہانہ اور فیاضانہ سلوک کیا۔ ان کے قلعے، مکانات، باغات سب واپس کردیئے۔

---

[1] مبسوط۔ جلد ۲۳۔ ص ۹

ان کی زمینیں ان کے پاس رہنے دیں اور طے کیا کہ ان میں جو پیداوار ہوگی اس کا نصف حصہ وہ برابر حضور ﷺ کو دیتے رہیں گے۔

اس ضمن میں دو ایک واقعے قابل ذکر ہیں۔ اثنائے جنگ میں یہودیوں کا ایک چرواہا جس کے ساتھ جانوروں کا ریوڑ بھی تھا، آ کر مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ، جانوروں کو ان کے مالک کے پاس پہنچا آؤ۔

دوران جنگ میں تورات کے کچھ نسخے مسلمانوں کے ہاتھ آ گئے تھے، وہ ان کو واپس کر دیئے گئے [1]۔

یہاں تک رعایت کی گئی کہ خیبر میں کوئی مسلمان امیر تک مقرر نہیں کیا گیا۔ بلکہ مسلمان تحصیلدار سال بسال وہاں جاتے تھے اور غلہ وصول کرتے تھے۔ وہ غلہ کی وصولی میں اس قدر عدل و انصاف برتتے تھے کہ غلہ کو دو حصوں می برابر تقسیم کر دیتے تھے اور یہودیوں سے کہتے تھے کہ ان میں سے جو چاہو لے لو۔ یہ دیکھ کر یہود کہتے کہ اسی عدل و انصاف کی وجہ سے زمین و آسمان قائم ہیں [2]۔

اس موقع پر ایک طویل بحث یہود کے خیبر چھوڑنے کی بھی ہے، مگر ہم اس کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

حجاز کے دوسرے حصوں کے یہود جنگ خیبر کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے جو ان کے ہم مذہبوں کی صورت میں برآمد ہوا۔ ان کی شکست اور سقوط خیبر کے بعد ہمیشہ کے لئے حجاز سے یہود کا سیاسی اور جنگی زور ختم ہو گیا۔ امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

" ان الیھود بالحجاز کانوا ینظرون مایؤل الیه حال النبی صلی الله علیه وسلّم مع اھل خیبر فقد کانوا عز الیھود بالحجاز فلما صاروا مقھورین ذلت سائر الیھود وانقادوا ".

'' حجاز کے تمام یہود اہل خیبر اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان جنگ تھی اس کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اس لئے کہ خیبر کے یہود حجاز کے یہودیوں میں سب سے زیادہ غالب، معزز اور صاحب اثر تھے، جب وہ مغلوب ہو گئے تو سارے یہودی منقاد و مطیع ہو گئے''۔

چنانچہ اس کے بعد ہی فدک، تیما، وادی القریٰ اور بنو عذرہ کے یہودیوں نے یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کر کے صلح کر لی۔

---

[1] آنحضرت ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۳۴۱　[2] مبسوط سرخسی۔ جلد ۳۲۔ ص

حجاز سے باہر مقناء جرباء، اذرح وغیرہ میں جو یہود تھے، ان میں سے بیشتر نے ۸ھ و ۹ھ کے درمیان اطاعت قبول کی۔ غرض یہ ہے کہ خیبر کی شکست کے بعد یہود کی قوت وعزت کا خاتمہ ہوگیا اور پھر ان کے مسلمانوں کے درمیان کوئی اور جنگ نہیں ہوئی۔

ابھی یہود بعد از اسلام کی تاریخ کے بہت سے گوشے، مثلاً اسلامی علوم وفنون کی ترقی و خدمت میں انہوں نے کیا حصہ لیا۔ اس کے کیا مفید ومضر اثرات مرتب ہوئے۔ مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر انہوں نے کیا اثر ڈالا اور اسلامی تمدن ومعاشرت کے انہوں نے کیا اثرات قبول کئے وغیرہ تشنۂ تفصیل ہیں۔ لیکن ہم کو ناظرین کتاب کی واماندگی نظر کا احساس ہے۔ اس لئے اس موضوع کو کسی اور فرصت کے لئے اُٹھا رکھتے ہیں اور نصاریٰ کی تاریخ کی طرف توجہ کرتے ہیں، جو مقدمہ کا دوسرا اہم حصہ ہے۔



نصاریٰ

اُوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ عربوں سے دوسری قوموں کے جو تین بڑے ذریعے تھے ان میں ایک عیسائیت بھی تھی۔ جزیرۂ عرب میں اس کی ابتداء کب اور کس طرح ہوئی۔ اس کو سب سے پہلے عرب کے کن قبائل قبول کیا۔ صحیح طور سے ان کی نشان دہی مشکل ہے۔ تاہم عرب کے نصاریٰ[1] کی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہود کے برخلاف جزیرہ میں ان کی آمد اور عیسائیت کی ترویج و ترقی کے اسباب زیادہ تر سیاسی اور کسی حد تک تبلیغی اور تجاتی تھے۔ یہود یا تو یہاں ہجرت کر کے آئے تھے، یا تجارت کی غرض سے آئے اور پھر یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یہویت کو فروغ ہوا۔

اس کے برعکس یہاں عیسائیت کی ابتدا اور اس کی اشاعت زیادہ تر حکومت کے سایہ میں ہوئی۔ تجارتی آمدرفت سے بھی کسی قدر اس میں مدد ملی اور عیسائیت مشنریوں اور پادریوں نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا۔ مگر یہ سب حکومت کے کارندے تھے۔ تاریخ سے یہ بالکل پتہ نہیں چلتا کہ خود عیسائیوں کا کوئی طبقہ یا قبیلہ کہیں باہر سے ہجرت کر کے جزیرہ میں آیا ہو، اور یہاں بس گیا ہو۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ عرب میں جو عیسائی تھے وہ سب خالص عربی النسل تھے۔

عرب کے پڑوس میں روم وحبشہ و عیسائی حکومتیں قائم تھیں۔ جن کے اثرات سے یہاں عیسائیت فروغ ہوا۔ اس لئے پہلے ان کے اور عربوں کے تعلقات پر ایک سرسری نظر ڈالینی چاہئے۔

رومیوں اور عربوں کے قدیم تعلقات :

قدیم زمانہ سے عربوں کی تجارت تقریباً تمام قریب و بعید ملکوں میں تھی۔ چین، ہندوستان اور افریقہ اور یورپ تک عرب اپنا مالِ تجارت لے جاتے تھے۔ خصوصیت سے ایشیائے کوچک اور رومیوں کے تعلقات کے ذریعہ تو عرب تاجر ہی تھے[2]۔ لیبان نے لکھا ہے کہ ۴ صدی قبل مسیح سے پہلے رومیوں اور عربوں کے تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔ مگر رومی و یونانی مورخین اس سے بہت کم واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسالے، عطریات، ملبوسات اور جوہرات وغیرہ کی قسم کی جو ہندوستان وچین سے

---

[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو عیسائی اور نصرانی دونوں کہتے ہیں۔ نصاریٰ اسی نصرانی کی جمع ہے۔ جب حضرت عیسیٰؑ کے نام کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے تو عیسائی کہے جاتے ہیں اور جب آپ کے وطن ناصرہ کی طرف نسبت ہوتی ہے تو نصرانی کہلائے جاتے ہیں۔

[2] تمدنِ عرب۔ ص ۸۵

آتی تھیں اور عربوں کے ذریعہ دوسرے ممالک کو جاتی تھیں، وہ عرب ہی کی پیداوار اور حاصلات سمجھتے تھے۔ اسی لالچ میں رومیوں نے کئی بار جزیرہ عرب کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوئے[1]۔

عربوں اور رومیوں کے یہ تعلقات اس وقت تھے جب رومی صرف رومی تھے، عیسائی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن ان کے عیسائی ہو جانے کے بعد ان میں اور عربوں میں جو تعلقات پیدا ہوئے اس کی تفصیل یہ ہے:

رومی عیسائیوں سے تعلقات:

قدیم زمانہ میں یمن کے متعدد عربی قبیلے، ترک وطن کر کے دمشق و کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ سنہ عیسوی کی ابتدائی صدیوں میں ان قبائل نے یہاں اپنی متعدد نو آبادیاں اور قبائلی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ ایک طرف اگر ایرانی سرحد کے قریب حیرہ (کوفہ) میں ان کی ایک ریاست تھے تو دوسری طرف دمشق میں رومی اور عربی سرحد پر قبیلہ سلیح جن کو ضجاعمہ اور ضجاعم بھی کہتے ہیں۔ ان کی نو آبادی قائم تھی۔ ان کے علاوہ سرحدی علاقہ میں اور بھی متعدد قبائل آباد تھے۔

عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں دونوں سے نفرت تھی اور پھر معاشی حیثیت سے بھی مطمئن نہیں تھے۔ اس لئے اپنے ملحقہ رومی اور ایرانی علاقوں میں برابر لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ رومیوں اور ایرانیوں میں صدیوں سے سیاسی چشمک تھی۔ اس لئے دونوں کچھ تو اپنے سیاسی مصالحہ اور دوسرے عربوں کی آئے دن کی غارت گری اور لوٹ مار کی وجہ سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جس میں دونوں کا کامیابی ہوی۔ ایک طرف اگر ایرانیوں نے آہستہ آہستہ حیرہ کو اپنا ہمنوا بنالیا[2]۔ تو دوسری طرف رومی دمشق کے عربی قبائل کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں اپنی ایک باجگذار ریاست بنالی[3]۔

دمشق میں پہلے قبیلہ ضجعم جو یہاں کا سب سے طاقتور قبیلہ تھا، باجگذار حکومت قائم ہوئی۔ سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد قبیلہ غسان جب یمن سے ہجرت کر کے دمشق آیا تو ضجعمیوں نے رومی سلطنت کی طرف سے ان پر فی کس ڈیڑھ دینار سالانہ ٹیکس مقرر کیا۔ پہلے تو اس کے ادا کرنے میں انہوں نے پس و پیش کیا، مگر پھر راضی ہو گئے اور کچھ دنوں تک ٹیکس دیتے رہے، پھر اس کے دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں جنگ ہوئی۔ جس میں ضجعمیوں کو شکست ہوئی اور غسانیوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی جس کا سردار یا حکمران ثعلبہ تھا۔

---

[1] تمدن عرب۔ ص ۳۰　[2] تمدن عرب۔ ص ۸۵　[3] خطط الشام۔ جلد ا۔ ص ۶۳

غسانی چونکہ رومیوں کے ٹیکس سے عاجز آ کر لڑائی پر اُتر آئے تھے۔ اس لئے غالباً رومی حکومت کو خطرہ پیدا ہوا ہوگا کہ کہیں یہ ایرانیوں سے نہ مل جائیں۔ اس لئے انہوں نے غسانی سردار ثعلبہ کے پاس پیام بھیجا کہ "تم بڑے بہادر لوگ ہو، تم نے عرب کے سب سے طاقتور کو شکست دے دی۔ اس لئے ضجعمیوں کی جگہ تمہیں حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ تم پر کوئی حملہ آور ہوگا تو رومی حکومت چالیس ہزار فوج سے تمہاری مدد کرے گی اور اگر ہم پر کوئی حملہ آور ہوا تو تم لوگ بیس ہزار مسلح فوج سے ہماری مدد کرو گے۔ اسی کے ساتھ ہمارے اور ایرانیوں کے باہمی معاملات میں تمہیں کوئی دخل نہ ہوگا۔ چنانچہ طرفین میں یہ معاہدہ ہو گیا اور غسانیوں کی حکومت یہاں قائم ہو گئی[1]۔

غسانی حکومت کس صدی میں قائم ہوئی؟ مختلف فیہ ہے۔ عام مؤرخین اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مرتبین کے بیان کے مطابق یہ چھٹی صدی عیسوی کا ابتدائی واقعہ ہے۔ مگر صاحب کتاب المجر کا بیان ہے کہ غسانی حکومت کی ابتدا تیسری صدی کے ابتدائی سالوں میں ہوئی۔ محمد بن حبیب نے لکھا ہے کہ غسانیوں سے جس رومی شہنشاہ نے معاہدہ کیا تھا اس کا نام دی قیوس (DECIUS) تھا۔ جس کی وفات ۲۵۱ء میں ہوئی[2]۔ اس سے ظاہر ہے کہ غسانیوں کی آمد اس سے پہلے ہوئی ہوگی۔ غرض غسانیوں نے ہمیشہ عربی حمیت و وفاداری کی لاج رکھی اور سخت سے سخت وقت میں بھی رومیوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ان کے دمساز رہے، یہاں تک کہ ان کے اثر سے خود بھی عیسائی ہو گئے[3]۔

عربوں کی یہی سرحدی ریاست جزیرۂ عرب میں عیسائیت کا سوغات لائی اور پورے جزیرۂ عرب میں اس کو لے جا کر تقسیم کیا۔ اس کے بعد رومیوں کے اثرات بتدریج بڑھتے گئے، یعنی ان کی اسی حکمبرداری کے سایہ میں ان کا تمدن، ان کا علم اور مذہب بھی آیا۔ جس سے عربوں کے دل و دماغ اثر پذیر ہونے لگے۔

چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں سرحدی عربوں کی متعدد چھوٹی چھوٹی قبائلی ریاستیں پورے طور پر رومیوں کے سیاسی اثر کے ماتحت آ گئیں اور متعدد قبائل نے عیسائیت قبول کر لی۔ ان کے یہ تمدنی اور علمی اور مذہبی اثرات صرف سرحدی مقام و قبائل ہی تک محدود نہیں رہے، بلکہ انہوں نے اس کو شمالی حجاز کے مرکزی شہروں مکہ، یثرب اور وادی القریٰ تک پھیلانے کی کوشش کی۔

---

[1] کتاب المجر (ص ۱ و ۳) کی تاریخ جتنی اُجاگر ہے اُتنی ہی غسانیوں کی تاریخ اُلجھی ہوئی ہے۔ یہ بیان ہم نے ڈاکٹر حمید اللہ کے اتباع میں کتاب المجر سے لیا ہے، جو بہت واضح ہے اور جس سے غسانیوں کی تاریخ پر پوری روشنی پڑتی ہے۔

[2] ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ محمد بن حبیب کے اس بیان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اب تک یہ خیال تھا کہ ۵۱۸ء کا واقعہ ہے۔ سیاسی زندگی ص ۲۶۵

[3] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام بحوالہ سیاسی زندگی۔

کعبہ کی وجہ سے مکہ کو مذہبی تقدس حاصل تھا اور اس کی تولیت پورے عرب کی سیادت کے ہم معنی تھی۔ اس لئے ہر زمانہ میں ہر طاقتور قبیلہ نے اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ پہلے جرہم اس پر قابض تھے۔ اس کے بعد خزاعہ قابض ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے پردادا کے دادا قصی نے خزائی سردار حلیل جو اس وقت کعبہ کا متولی تھا، اس کی لڑکی سے شادی کر لی، قصی نہایت ہوش منداور صاحب صلاحیت تھے۔ اس لئے حلیل جب مرنے لگا تو کعبہ کی تولیت کے لئے ان سے وصیت کر گیا۔ لیکن بنوخزاعہ نے اس کے مرنے کے بعد قصی کو متولی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اور جنگ تک نوبت پہنچ گئی اور قصی کامیاب ہو گئے۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے : کہ

"اعانه قيصر عليها"۔ (ص۲۷۹)

"قیصر روم نے اس اقتدار کے حصول میں قصی کو مدد دی"۔

بعثت نبوی سے دو سو برس پہلے یثرب میں ایک مرتبہ یہودیوں اور اوس وخزرج میں جنگ ہوئی تو غسانیوں نے ان قبیلوں کی مدد کی تھی[1]۔ ظاہر ہے کہ رومیوں اور غسانیوں کی قصی اور اوس وخزرج کے ساتھ یہ ہمدردی اور امداد واعانت یونہی نہیں تھی، بلکہ اس میں ان کی ایک سیاسی غرض پوشیدہ تھی۔ یعنی وہ چاہتے تھے کہ سرحدی مقامات کی طرح جزیرہ کے اندرونی مقامات خصوصیت سے حجاز میں بھی ان کا کچھ نہ کچھ عمل دخل ہو جائے اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

اہلِ حبشہ اور عربوں کے تعلقات :

سرحدی مقامات اور شمالی حجاز میں عیسائی اثرات رومی حکومت یا اس کے زیر اثر سرحدی ریاستوں کے ذریعہ پھیلے۔ مگر جزیرہ کے جنوبی حصہ یعنی یمن اور اس سے ملحقہ علاقوں میں عیسائیت کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ حبشہ کی عیسائی حکومت تھی۔ اس لئے اس کے اور عربوں کے قدیم تعلقات پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے۔

بعض مستشرقین حبشہ (ابی سینیا) کے صوبہ امہرہ کا تعلق یمن کے قدیم قبیلہ مہرہ سے ثابت کیا ہے[2]۔ ابن خلدون نے مہرہ کے متعلق تو نہیں مگر اس سلسلہ کی دوسری شاخوں کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مصر وحبشہ تک پھیل گئے تھے[3]۔ ممکن ہے اسی تعلق کی بناپر مستشرقین نے یہ رائے قائم کر لی ہو۔

---

[1] ابوالفداء۔ ص ۹۸ وفاالوفاء　[2] سیاسی زندگی۔ ص۱۳۹　[3] ابن خلدون۔ جلد۲۔ ص۲۴۷

اگر ابن خلدون اور مستشرقین کے بیان کو تسلیم کرلیا جائے تو تیسری صدی عیسوی سے پہلے عربوں اور اہل حبشہ میں تعلقات قائم ہو چکے تھے[1]۔

یمن میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز نجران تھا۔ پانچویں صدی عیسوی سے پہلے یہاں عیسائیت آچکی تھی۔ اس وقت یہاں حمیری حکومت تھی۔ جس کے فرمانروا عموماً یہودی تھے۔ آخری فرمانروا ذونواس تو غالی یہودی تھا۔ یمن کی اس حمیری حکومت اور حبشہ کی عیسائی حکومت میں برسوں کشمکش تھی۔ یمن میں عیسائیت کے فروغ سے حمیری حکومت اپنے لئے خطرہ محسوس کر رہی تھی۔ اس لئے وہ اس ملک میں اس کے خاتمہ کی فکر میں تھی۔

اسی اثناء میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آگیا کہ دو یہودی نجران میں قتل کر دیئے گئے، ذونواس کا اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو ایک بہانہ ہاتھ آگیا۔ پوری ایک فوج کے ساتھ نجران گیا اور عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن کی اس آیت "قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ" میں ذونواس کے اسی حملہ اور قتل عام کی طرف اشارہ ہے۔

جو نجرانی عیسائی قتل ہونے سے بچ گئے۔ وہ حبشہ کے عیسائی بادشاہ کے دربار میں فریاد لے کر پہنچے اور اس کے سامنے انجیل مقدس کی جلی ہوئی جلدیں پیش کیں۔ غالباً وہ تنہا یمنی حکومت سے ان مظالم کا انتقام نہیں لے سکتا تھا، اس لئے اس نے قیصر روم سے مدد چاہی۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ خود نجران کے فریادی ہی قیصرِ روم کے پاس گئے تھے۔ بہت ممکن ہے کہ ان میں سے کچھ حبشہ گئے ہوں اور کچھ روم، اور مدد کی خواستگار ہوئے ہوں۔

بہر حال قیصر متاثر ہوا، اور کئی سو کشتیاں تیار کرا کے حبشہ روانہ کیں۔ خود نجاشی شاہ حبشہ نے بھی سات سو کشتیاں تیار کرائیں اور ان پر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ فوج سوار ہوئی اور یہ فوج ان ہی کشتیوں کے ذریعہ آبنائے باب المندب کو عبور کر کے یمن کے ساحل پر اُتر گئی اور یمن پر حملہ کر دیا۔ جس میں ابتداً ان کو شکست اُٹھانی پڑی۔ فوراً ہی حبشہ سے کمک آگئی اور اس نے حمیری حکومت کو شکست دے دی۔ ان کے فرمانروا ذونواس نے خودکشی کر لی۔

یہ واقعہ ۴۹۶ء کا ہے۔ ذونواس کی شکست و خودکشی کے بعد پورا یمن حبشہ کی عیسائی حکومت کے تحت آگیا اور اس کے زیر سایہ عیسائیت کو یہاں بڑا فروغ ہوا اور تقریباً سو برس تک اس کا زور قائم رہا۔

---

[1] اس لئے کہ جن قبائل کا ذکر ابن خلدون نے کیا ہے، وہ مارب ٹوٹنے سے پہلے یمن سے باہر جا چکے تھے اور سد مارب کے متعلق اُوپر ثابت ہو چکا ہے۔ یہ واقعہ تیسری صدی کی ابتدا میں پیش آیا۔ [2] اس آیت کی تفسیر و تشریح یہود کے ذکر میں آچکی ہے۔

اس کے بعد ایرانیوں کا قبضہ ہوا۔ جس سے عیسائیت کا زور تو گھٹ ضرور گیا، مگر ختم نہیں ہوا۔

ہم نے اُوپر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جزیرہ عرب میں عیسائیت کو فروغ ہمیشہ حکومت کے زیرِ سایہ، یا عیسائیوں کے سیاسی تغلب کے تحت ہوا ہے۔ اس واقعات سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

یمن پر حبشہ کے تسلط کے بعد اس طرف سے برابر گورنر وہاں جاتے تھے۔ یمن میں حبشہ کی حکومت کا ایک عیسائی گورنر ابرہہ گذرا ہے۔ جو بڑا مذہبی تھا اور جس نے وہاں تاریخی و تمدنی کارنامے انجام دیئے ہیں، جن کی وجہ سے اس کا نام اب تک زندہ ہے۔ مثلاً سد مارب کی مرمت اور متعدد گرجوں کی تعمیر وغیرہ۔

اصحاب الفیل :

اسی ابرہہ کے زمانے کا ایک واقعہ کعبہ کے انہدام کی غرض سے خود اس کی سرکردگی میں اصحابِ فیل کی مکہ پر چڑھائی کا بھی ہے۔ جس کا عربوں سے بڑا گہرا تعلق ہے، اور قرآن میں اس کا ذکر آجانے کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔ اس حملہ کے مفسرین نے متعدد اسباب بیان کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ کہ

ابرہہ نے یمن کے دارالسلطنت صنعا میں ایک کلیسا تعمیر کرایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ اس کلیسا کی تعمیر سے میرا مقصد یہ ہے کہ کعبہ کے بجائے لوگ یہاں آئیں اور اس کو کعبہ بنائیں۔ کسی طرح عربوں کو اس کا علم ہوگیا اور اس کا خط ان کے ہاتھ لگ گیا، جس سے ان کو بڑا اشتعال پیدا ہوا اور ایک شخص نے صنعا جاکر کلیسا کو گندا کردیا۔ ابرہہ نے اس پر کعبہ کے انہدام کا فیصلہ کیا اور مکہ پر حملہ کردیا۔

دوسرا یہ کہ کچھ عربوں کی غلطی کی وجہ سے کلیسا میں آگ لگ گئی۔ جس سے مشتعل ہوکر ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کردی۔

امام طبری نے لکھا ہے کہ ابرہہ کے یہاں سے بہت سے عربوں کو وظیفہ اور روزینہ ملتا تھا۔ ایک مرتبہ خزاعہ کے چند افراد اس کے دربار میں آئے۔ جن میں محمد بن الخزاعی اور اس کا بھائی قیس بھی تھا۔ ابرہہ نے ان سے کہا کہ میں یہاں ایک کلیسا بنوایا ہے اور چاہتا ہوں کہ تم تمام قبائل میں گھوم گھوم کر اعلان کردو کہ وہ یمن کے اس کعبہ کے حج کے لئے آئیں۔ یہ دونوں اس مہم پر روانہ ہوگئے۔ جب یہ قبیلہ بنو کنانہ میں پہنچے تو اس کے چند افراد نے انہیں قتل کردیا۔ اس پر ابرہہ نے حملہ کی تیاری شروع کردی [1]۔

---

[1] پوری تفصیل طبری تفسیر سورۂ فیل میں موجود ہے۔

عموماً ان ضمنی باتوں کو جو اصلی سبب کے ضمن میں پیش آئیں، حملہ کا سبب بنا دیا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان واقعات کے پڑھنے والے کو تشویش ہوتی ہے۔ لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو کلیسا میں گندگی کرنے، آگ لگ جانے یا خزاعی سردار کے قتل کے واقعات درحقیقت حملہ کا سبب نہیں۔ بلکہ اس کا بہانہ بن گئے۔ اصلی سبب سیاسی اور مذہبی تغلب تھا۔ جیسا کہ نجران پر حملہ کرنے کے ذونواس نے یہودیوں کے قتل کو بہانہ بنالیا تھا، حالانکہ اپنے سیاسی مصالح کے تحت وہ پہلے سے اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

بات یہ ہے کہ کعبہ کی وجہ سے رومیوں کو قدیم زمانے سے حجاز اور خصوصیت سے اس کے مرکزی شہر مکہ پر قبضہ کرنے کی خواہش تھی اور اس کے لئے انہوں نے کئی بار کوشش بھی کی مگر ناکام رہے۔ اس کے بعد انہوں نے غیر جنگی طریقہ اختیار کیا۔ یعنی اقتصادی و سیاسی مراعات و فوائد کے نام سے انہوں نے عربوں کی استمالت شروع کردی۔

اُوپر یہ آچکا ہے کہ قصی کو قیصر نے مکہ پر قبضہ کرنے میں مدد دی اور ان کے حوصلہ مند پوتوں کو رومیوں اور حبشیوں نے اپنے اپنے ملکوں میں تجارت اور آمد رفت کی سہولتیں فراہم کیں۔ ہاشم کے چار لڑکے تھے۔ ہاشم، عبدشمس، نوفل، المطلب۔ ان میں ہر ایک نے جزیرۂ عرب کے قریب کے ملکوں سے تعلقات پیدا کئے اور ان ممالک میں تجارتی سہولتیں حاصل کیں۔

عبدشمس نے قیصر روم اور شاہ غسان سے، نوفل نے شاہ ایران سے، مطلب نے یمن کے حمیری بادشاہ سے اور ہاشم نے نجاشی شاہ حبشہ سے ملاقات کی۔ ابن سعد میں ہے کہ قیصر روم نے تو ان کے لئے نجاشی کے نام ایک سفارشی خط بھی لکھا تھا[1]۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر سختی اور جبر سے ان پر قابو نہیں پایا جا سکتا تو اسی ذریعہ سے ان پر اپنا سیاسی و مذہبی اقتدار قائم کیا جائے اور سرحد پر اس کا کامیاب تجربہ ان کو ہو بھی چکا تھا۔ مگر حجازی عرب ان سے کہیں زیادہ ہوش مند نکلے اور ان کی ہوس اقتدار پوری نہ ہوسکی۔

جب حبشہ پر رومیوں کا اقتدار ہوا اور حبشہ کے ذریعے یمن قبضہ میں آیا تو اُن کے دل میں حجاز کو سر کر لینے کی پھر خواہش پیدا ہوئی تو تعجب نہیں اور کیا عجب ہے کہ اپنی اسی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہی کی غرض سے انہوں نے یمن کو فتح کرنے میں حبشہ کی مدد کی ہو۔

---

[1] محمد بن حبیب ایلاف کے معنی العہود یعنی پروانے لکھے ہیں۔ کتاب المجر۔ ص ۱۶۲، اس واقعہ کی تفصیل کے لئے دیکھئے یعقوبی۔ جلد ا۔ ص ۲۸، ابن سعد۔ جلد ا۔ ص ۴۳۔ ۴۵، بعض مفسرین نے سورۂ ایلاف کی تفسیر میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

لیکن اس راہ میں سب سے بڑی جو چیز حائل تھی وہ کعبہ کا تقدس اور اس کی وجہ سے مکہ اور اہل مکہ کی مرکزیت تھی۔ اس کو ختم کرنے کے لئے ابرہہ نے دو کلیسہ بنوائے۔ ایک صنعا میں اور دوسرا نجران میں، اور سارے عرب قبائل میں ان کی زیارت کے لئے وفود بھیجے۔ مگر اس کو ان تمام کوششوں میں سخت ناکامی ہوئی۔ نہ کعبہ کی تقدیس کو وہ صدمہ پہنچا سکا اور نہ ہو مکہ کی مرکزیت و اہل مکہ کی مرجعیت کا خاتمہ کرسکا۔ اس بنا پر اس کی آتش غضب بھڑک اٹھی ہوگی۔ اسی اثنا میں کلیسا میں نجاست ڈالنے اور آگ لگنے کے واقعات پیش آگئے ہوں گے جن کو اس نے اپنے حملہ کا بہانہ بنالیا۔ جیسا کہ آجکل کی حکومتیں ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے اس طرح کے بہانوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

اس حملہ میں ابرہہ کو سخت ناکامی ہوئی۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء میں ہوا۔ اسی سال رحمت عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حبشہ اور عربوں کے تعلقات میں تجارتی کاروبار اور ایک دوسرے کے ملک میں آمد و رفت کو بھی دخل تھا۔ جس کا سلسلہ قدیم زمانہ سے قائم تھا۔ عرب تاجر اپنے ملک سے چمڑے، گوند، لوبان اور اونی کپڑے لے جاتے تھے اور وہاں سے غلہ لاتے تھے۔

بعثت نبوی کے وقت رومیوں اور حجازی عربوں کے تعلقات کشیدہ نظر آتے ہیں، اور ان کا میلان رومیوں سے زیادہ ایرانیوں کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ قریشی تاجروں کو رومیوں کے مقبوضات میں جو سہولتیں حاصل تھیں وہ غالباً ختم ہوگئی تھیں۔ بلکہ رومی ان پر بڑے سخت ٹیکس عائد کرنے لگے تھے۔ ہمارا قیاس ہے کہ رومیوں کی کشیدگی کا سبب تو حجاز میں ان کی سیاسی ناکامی ہوگی اور ان کی طرف سے عربوں کی رنجش اور کدورت کا سبب ابرہہ کا حملہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کی حجاز کے علاوہ دوسرے حصہ کے عربوں اور رومیوں میں اب بھی تعلقات ویسے ہی قائم تھے۔ ایرانیوں کی طرف ان کے میلان کی کوئی وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آئی۔ بجز اس کے کہ وہ بھی بت پرست تھے اور عرب بھی [1]۔

غرض ظہورِ اسلام کے وقت عام طور پر مشرکین حجاز رومیوں کو ناپسند اور ایرانیوں کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ بعثت نبوی کے کئی سال بعد رومیوں اور ایرانیوں میں ایک زبردست جنگ ہوئی، جس میں

---

[1] عام مفسرین یہی وجہ بتاتے ہیں۔ لیکن اگر یہی وجہ تسلیم کرلی جائے تو حبشہ سے بھی ان کے تعلقات کشیدہ ہونے چاہئیں، مگر ایسا نہیں تھا۔ بلکہ حبشہ کی حکومت سے اہل مکہ کے تعلقات ظہورِ اسلام کے وقت بالکل استوار تھے۔ ممکن ہے کہ اس میں نجاشی کی طبعی نیکی و شرافت کو بھی دخل ہو۔

رومیوں کو بڑی سخت شکست ہوئی۔ اس شکست سے اہلِ مکہ بہت خوش ہوئے مگر مسلمانوں کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ جس کی وجہ سے سورۂ روم میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

" الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین "۔

''اہلِ روم مغلوب ہو گئے۔ ایک قریب کے ملک میں اور اس کے بعد عنقریب چند برسوں میں پھر غالب ہوں گے''۔

چنانچہ قرآن کی یہ پیشن گوئی پوری ہوئی، یعنی یہ کہ چند برس کے بعد پھر رومیوں[1] اور ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ آپ ﷺ اس وقت مدینہ میں جلوہ فرما تھے اور عین غزوۂ بدر کے روز یہ خوشخبری مسلمانوں کو ملی۔

مختصر یہ کہ ان ہی قدیم وجدید تعلقات کی بنا پر جزیرۂ عرب کے تقریباً ہر حصہ میں عیسائیت پھیل گئی۔ اب ہم ان مقامات اور قبائل کا نام بنام ذکر کرتے ہیں، جن میں ظہور اسلام کے وقت عیسائیت موجود تھی۔

نجران : نجران یمن میں ایک مشہور مقام تھا۔ یہ اپنی زرخیزی وشادابی اور صنعت وحرفت اور تجارت کی وجہ سے پورے یمن میں مشہور تھا۔ سب سے پہلے یہاں کون لوگ آباد ہوئے، اس میں اختلاف ہے۔ تاہم یہ مسلّم ہے کہ بنواسماعیل یہاں قدیم زمانہ سے آباد تھے۔ اس کے بعد یہاں یہودیت اور پھر عیسائیت پھیلی۔ عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی، اس کا صحیح تعیین مشکل ہے۔ معجم البلدان میں ہے کہ فیمیون ایک نصرانی عابد تھا۔ اسی کے ذریعے یہاں عیسائیت کی ابتدا ہوئی۔ لیکن اس سے سنہ کا تعیین نہیں ہوتا۔

---

[1] یورپین مؤرخین متفقہ لکھتے ہیں کہ روم زوال وانحطاط کی آخری حد تک پہنچ چکا تھا اور ایرانیوں سے شکست کھانے کے بعد اس کی رہی سہی قوت بھی ختم ہو گئی تھی۔ ایسی حالت میں قرآن کا چند سال میں دوبارہ غالب آنے کی پیشن گوئی کرنا اور پھر اس کا پورا ہونا قرآن کا کھلا معجزہ ہے۔

اس سلسلہ میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جب ایرانیوں کو فتح ہوتی تو اہلِ مکہ خوش ہوتے، مگر مسلمانوں کو اس بنا پر کہ یہ اہلِ کتاب ہیں، اس سے رنج ہوتا۔ ۶۱۴ء میں بعثت نبوی کے چھ برس بعد رومیوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور قیصر روم کو قسطنطنیہ میں پناہ لینی پڑی۔ مشرکین عرب کو ایرانیوں کی اس فتح کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں پر فتح پائی ہے۔ کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا دیں گے۔ قرآن نے اسباب ظاہری کے خلاف یہ پیشن گوئی کی۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس بنا پر مشرکین مکہ سے یہ شرط لگائی کہ اگر نو برس کے اندر رومی دوبارہ ایرانیوں پر فتحیات نہ ہوئے تو میں تم کو سو اونٹ دوں گا، اور اگر کامیاب ہوئے تو تم لوگ مجھے اتنے ہی اونٹ دو گے۔ چنانچے برس کے اندر رومیوں نے فتح پائی اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان سے سو اونٹ لئے۔ (طبری تفسیر سورۂ روم)

البتہ اُوپر یمن کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے سنہ کا تو نہیں مگر زمانہ کا تعیین کیا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ اس کی ابتدا بعثت نبوی سے ایک صدی پہلے ہو چکی تھی۔

سیاسی اور اقتصادی اہمیت کی بنا پر یمن ہمیشہ سیاسی تغیرات وانقلابات کا آماجگاہ رہا۔ نجران چونکہ اس کا ایک حصہ تھا، اس لئے لازمی طور پر اس کا اثر اس پر بھی پڑتا تھا۔ حمیری حکومت کے زمانہ میں یہاں یہودیت کو فروغ ہوا۔ یمن میں عیسائی حکومت قائم ہوئی تو نجران عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ یہاں ایک بہت بڑا کلیسا تھا، جس کو عبدامدان نے بنوایا تھا اور جو ''کعبہ نجران'' کے نام سے مشہور تھا[1]۔ اس کی تعمیر کا بھی وہی مقصد تھا جو صنعا میں ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا کا تھا۔

اسلام کے ظہور کے وقت نجران میں ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست قائم تھی، جس کا یمن کی مرکزی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ وہ براہ راست قیصر روم کے ماتحت تھی۔ اس کا نظم تین شعبوں میں منقسم تھا اور ان میں سے ہر ایک کا علیحدہ ذمہ دار تھا۔ خارجی اور جنگی امور جس سے متعلق ہوتے اس کو سید کہتے تھے۔ دنیاوی داخلی امور جس کے سپرد ہوتے اس کو عاقب، اور دینی امور کا جو ذمہ دار ہوتا اس کو اسقف کہتے تھے۔ ان عہدیداروں کا تقرر خود قیصر کرتا تھا[2]۔

اس وقت سید کے عہدے پر ابوحارثہ نامی ایک شخص قابض تھا۔ جس کا نسبی تعلق بکر بن وائل سے تھا۔ زرقانی نے لکھا ہے کہ عربوں میں سے جب کوئی آدمی نصرانیت قبول کر لیتا تھا تو قیصر کو اس سے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ چنانچہ جب ابوحارثہ نے نصرانیت قبول کی تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس کے سامنے مال ودولت کا ایک ڈھیر لگا دیا اور غالباً اسی وقت یہ عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔

۷ھ میں ساٹھ آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نجران سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، جس میں اس ریاست کے تینوں ذمہ دار عہدیدار بھی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی۔ مگر انہوں نے قبول نہیں کی۔

سالانہ ٹیکس کی ادائے گی کے وعدہ پر آپ ﷺ نے ان سے مصلحت کر لی اور ان سے ایک معاہدہ ہو گیا۔ مگر واپسی میں اس وفد کے دو ارکان ابوحارثہ اسقف نجران اور اس کے بھائی کرز بن علقمہ میں کچھ ایسی باتیں ہو گئیں کہ راستہ ہی سے ابن علقمہ مدینہ واپس آئے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ نجران کے اور افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ ان کا بھی ذکر اس کتاب میں ہے۔

۱۔ معجم البلدان۔ جلد ۸۔ ص ۲۶۲ فجر الاسلام۔ ص ۳۰ ۲۔ فجر الاسلام۔ ص ۳۰

نجران کی اہمیت کی وجہ سے اس کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دومۃ الجندل، بحرین، معان، ایلہ، اذرح، جربا، مقنا، عمان وغیرہ میں بھی عیسائیت موجود تھی، جن میں سے اکثر کی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت کا ذکر یہود کے سلسلے میں آچکا ہے۔ ان میں سے بعض ماتحت عیسائی حکومتیں بھی قائم تھیں۔ ان مقامات کے علاوہ جزیرۂ عرب کی تقریباً تمام مشہور بستیوں میں عیسائی موجود تھے۔ مثلاً مکہ، طائف، مدینہ اور وادی القریٰ وغیرہ۔ وادی القریٰ میں تو ان کے متعدد گرجے بھی تھے۔ (فجر الاسلام۔ ص ۲۹)

جن قبائل میں عیسائیت فروغ پا چکی تھی یا پا رہی تھی۔ ان کے نام یہ ہیں :

قبیلۂ غسان : یہ یمنی قبیلہ ہے۔ سد مارب کے ٹوٹنے کے بعد جزیرۂ عرب کے شمال مغربی سرحدی مقام پر آباد ہو گیا تھا۔ مزید تفصیل آچکی ہے۔

بنو تغلب : مشہور عدنانی قبیلہ ربیعہ کی ایک شاخ ہے۔ اسی کے قریب عرب کا ایک مشہور قبیلہ بکر بھی آباد تھا۔ بکر و تغلب کی لڑائی، عرب جاہلیت تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔

یہ قبیلہ جزیرۂ عرب کے شمال مشرق میں اس تجارتی راستہ پر آباد تھا جو عرب سے عراق کو جاتا ہے۔ یہ مقام اپنے جائے وقوع اور تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھا اور ایران کی سرحد کے قریب پڑتا تھا۔ بہت ممکن ہے اسی وجہ سے نصرانیوں نے اس کو اپنانے اور زیر اثر لانے کی کوشش کی ہو۔ بہر حال اس میں عیسائیت موجود تھی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہاں عیسائیت کی ابتدا کب ہوئی۔ ارباب سیر و طبقات صرف اتنا لکھتے ہیں کہ یہ قبیلہ نصرانی ہو گیا تھا۔ اسد الغابہ میں ہے :

"ان كثيراً من العرب قد تنصر كتغلب"[1]۔

"بہت سے عرب قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی۔ ان میں بنو تغلب کا قبیلہ بھی تھا"۔

ابن قتیبہ اور یعقوبی[2] وغیرہ نے بھی اس کے نصرانی ہونے کی توثیق کی ہے۔ اس قبیلہ کے متعدد افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن کے تذکرے اس کتاب میں موجود ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد عہد نبوی اور عہد صدیقی میں اس قبیلہ کا ذکر بہت کم بلکہ بالکل نہیں ملتا۔ البتہ ابن قتیبہ کے بیان سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی تک یہ لوگ مذہب نصرانیت پر قائم رہے۔ حضرت عمرؓ نے اس بنا پر ان پر جزیہ عائد کرنا چاہا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ زرعہ بن نعمان بارگاہِ خلافت میں آئے اور عرض کیا کہ یہ عرب ہیں۔ اس لئے ان کو جزیہ دینا گوارا نہیں ہے۔ دوسرے شجاع

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۲۲ و جلد ۱ ص ۵۷ [2] یعقوبی۔ ص ۲۹۸

اور طاقتور ہیں۔ ان کو دشمنوں کے ہاتھ نہ جانے دیں (یعنی اگر آپ جزیہ لگائیں گے تو یہ رومیوں سے مل جائیں گے)۔ بلکہ ان پر زیادہ سے زیادہ صدقہ دوگنا کر دیں اور ارشاد فرمائیں کہ آئندہ اپنی اولاد کو نصرانی نہ بنائیں[1]۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے زرعہ کے حسب مشورہ اسی پر عمل کیا۔

بنو کلب : یہ قبیلہ بھی نصرانی تھا اور دومۃ الجندل کا عیسائی حاکم اکیدر تھا۔ اس میں متعدد ایسے قبائل تھے جو بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ قبیلہ کلب خاص طور سے بہت ممتاز اور حکومت کا حریف تھا[2]۔ اس کا اثر تبوک تک پھیلا ہوا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت اس قبیلہ کے سردار صبغ تھے، جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی کوششوں سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور اپنی صاحبزادی تماضر کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حبالۂ عقد میں دے دیا تھا۔ ان کے اور ان کی صاحبزادی کے حالات اس کتاب کے آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنو کلب کی ایک کثیر تعداد اس وقت بھی (یعنی آٹھویں صدی ہجری میں) خلیج قسطنطنیہ کے ساحل پر آباد ہے۔ اس میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ عیسائی[3]۔

قضاعہ : پورے قبیلہ میں تو نہیں مگر اس کے بعض خاندانوں میں نصرانیت تھی۔ یہ حجاز و شام کے تجارتی راستہ پر تبوک کے قریب آباد تھا۔ کثرت تعداد اور فوجی قوت کی وجہ سے اس کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور جس مقام پر آباد تھا وہ مقام بھی جغرافیائی حیثیت سے بڑا اہم تھا۔ یہ قبیلہ رومیوں کے زیر اثر تھا۔

اسی طرح بنو تمیم کے بعض افراد نے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ عرب کا مشہور اور جرم مسلّقہ کا صدر نشین شاعر امراء القیس اسی قبیلہ سے تھا۔ جس کی بنا پر بعض عیسائی مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ عیسائی تھا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس کے خاندان کے بعض افراد نصرانی ضرور تھے۔

ربیعہ : جس کی ایک شاخ بنو تغلب تھی، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس کے بعض دوسرے خاندانوں میں بھی نصرانیت تھی[4]۔

اسی طرح یمن کے مشہور قبیلہ طے میں بھی نصرانیت کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت عدیؓ بن حاتم اور ان کی ایک بہن کا تذکرہ اس کتاب میں آیا ہے۔ یہ دونوں اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور عیسائی تھے۔

---

[1] ابن قتیبہ۔ ص ۲۴۹　[2] ابن خلدون۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۹　[3] ایضاً

[4] معارف ابن قتیبہ۔ ص ۲۶۶ و تہذیب الاسماء۔ جلد ۲۔ ص ۲۹۳

قبیلہ عبدالقیس : جو عمان کے قریب آباد تھا۔ اس میں بھی نصرانیت موجود تھی۔ حضرت جارودؓ جن کا تذکرہ اس کتاب میں موجود ہے، اسی قبیلہ سے تھے۔

ان کے علاوہ تنوع، لخم، مذحج، بہرا، سلیح وغیرہ قبائل نے بھی نصرانیت قبول کر لی تھی، اور ان میں سے بیشتر رومیوں کے زیر اثر تھے۔ جنگ موتہ میں یہ سب کے سب رومیوں کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف صف آرا تھے[1]۔ ان میں سے بیشتر کو قیصر روم کی طرف سے سالانہ پندرہ سیر سونا بطور وظیفہ ملتا تھا[2]۔

اس تفصیل سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ پورے جزیرہ میں نصرانیت کی ترقی و فروغ کے لئے عیسائی حکومتوں نے کتنا لمبا جال بچھا رکھا تھا۔ اس کے لئے کیا کیا تدبیریں وہ اختیار کر رہی تھیں اور کتنی رشوتیں دے رہی تھیں اور یہ سلسلہ برسوں سے نہیں صدیوں سے جاری تھا۔ لیکن ان تمام کوششوں اور تدبیروں کے باوجود کم سے کم حجاز میں تو عیسائیت کا اثر برائے نام ہی پیدا ہو سکا۔ جس سے قبضہ میں لانے اور اپنا اثر قائم کرنے کے لئے انہوں نے کیا کیا جتن نہ کر ڈالے تھے۔

اس مقابلہ میں اسلام نے پورے جزیرہ میں چند برسوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا۔ جس نے چشم زدن میں پورے عرب کی کایا پلٹ دی۔ اس کے لئے نہ تو یہ سیاسی چال چلی، نہ کوئی اقتصادی دباؤ ڈالا گیا اور نہ جبر و زور سے کام لیا گیا۔ بلکہ اس کی دعوت، تبلیغ اور اعلیٰ اخلاقی تعلیمات اور پھر اس کے مظاہر سے سارا عرب مسحور اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

حیرہ : عیسائیت کے مذہبی اثرات جزیرۂ عرب کے اندرونی مرکزی مقامات کے علاوہ ایک سرحدی مقام حیرہ میں بھی کچھ نہ کچھ موجود تھے۔ حالانکہ وہ ایرانیوں کے باجگذار ریاست تھی۔ جہاں قبیلہ لخم کی حکومت تھی۔

لخم کے متعلق اُوپر آ چکا ہے کہ اس میں نصرانیت تھی۔ اس کے حکمران نعمان کے متعلق لکھا ہے کہ عدی بن زید ایک نصرانی شاعر نے اس کو ایک دن نصیحت کی۔ اس نصیحت کا اس پر ایسا اثر ہوا کی اس نے فوراً نصرانیت قبول کر لی اور تخت و تاج کو خیر باد کہہ دیا[3]۔ اسی طرح نعمان خامس کی بیوی بھی عیسائی ہو گئی تھی، اس کا نام ہند تھا۔ اس نے اپنے نام سے ایک کلیسا ''دی ہند'' بنوایا تھا۔

---

[1] ابن ہشام ذکر جنگ موتہ　[2] آنحضرت ﷺ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب۔ ص ۲۵۸
[3] فجر الاسلام۔ ص ۳۱

. طبری نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے زمانے تک (یعنی تیسری صدی ہجری تک) موجود تھا[1]۔ اس کے علاوہ حیرہ میں اور بھی متعدد گرجے تھے۔ خصوصیت سے ''دیر حنظلہ'' بہت مشہور تھا۔ جس کو حیرہ کے ایک حکمران ایاس بن قبیصہ کے چچا حنظلہ نے بنوایا تھا[2]۔

حیرہ کا ذکر یہاں اس لئے کیا گیا کہ یہ جزیرہ کا سرحدی مقام تھا۔ جہاں عرب آباد تھے۔ اور وہی حکمران بھی تھے۔ پورے عرب میں غالباً حیرہ ہی ایک ایسا مقام تھا، جہاں عیسائیت نے کسی مادی سہارے اور حکومت کی پشت پناہی کے کسی قدر رواج پایا۔

عیسائیوں اور عربوں کے سیاسی تعلقات اور مذہبی اثرات کے نتائج :

اُوپر جو تفصیل کی گئی ہے اس سے جزیرۂ عرب میں عیسائیوں کے سیاسی اور مذہبی اثرات کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ لیکن اس کا ایک پہلو اب بھی تشنۂ تفصیل ہے۔ وہ یہ ہے کہ عربوں کے ذہن و دماغ و تمدن پر اس کا مجموعی اثر کیا مترتب ہوا؟ یہاں مختصراً اس پر کچھ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نصرانیت کے فروغ سے جاہلی عربوں کے تمدن اور ان کے ذہن و دماغ میں جو تغیر ہوا، اس کی پوری نشان دہی تو مشکل ہے تاہم ان کی تاریخ کے قدیم واقعات، ان کے علوم و فنون اور ادب و شاعری کے جو نمونے اب تک محفوظ رہ گئے ہیں، ان کے کچھ نہ کچھ عکاسی ضرور ہوتی ہے۔

ثقافتی و تمدنی اثرات :

اُوپر قصی کے مکہ پر قابض ہونے کا ذکر آچکا ہے۔ قصی سے پہلے غالباً یہاں کوئی نظم و نسق اور کسی قسم کی سیاسی وحدت نہ تھی۔ مگر انہوں نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو ایک چھوٹی سی باقاعدہ ریاست میں تبدیل کر دیا۔ جس کے متعدد شعبے اور عہدے تھے اور جن میں سے اکثر ظہور اسلام تک باقی تھے۔ اس مختصر سی ریاست کا سیکریٹریٹ یا مرکزی دفتر دارالندوہ تھا۔ جہاں ریاست سے متعلق جملہ مہمات امور طے ہوتے تھے۔

قصی کا یہ نظامِ حکومت خود ساختہ نہیں، بلکہ بڑی حد تک ان تعلقات کا رہین منت معلوم ہوتا ہے، جو ان کے اور رومیوں کے درمیان قائم ہو چکے تھے۔ اس نظام حکومت کے بارے میں ڈاکٹر حمیداللہ صاحب لکھتے ہیں :

''اہل شہر پر سالانہ ٹیکس اندازی وغیرہ فینقی اور اس سے زیادہ یونانی شہری مملکتوں سے مکے کی شہری مملکت غیر مشابہت رکھتی ہے''۔ (سیاسی زندگی۔ ص ۲۵۹)

---

[1] معجم البلدان۔ جلد ۴۔ ص ۱۸۲　[2] تفصیل کے لئے دیکھو معجم البلدان۔ جلد ۴۔ ص ۱۲۰۔ ۱۸۵

ظہور اسلام سے پہلے عربوں کے سماجی نظام اور آس پاس کے ملکوں اور قوموں سے ان کے تجارتی اور سفارتی تعلقات کے جو واقعات وحالات تاریخوں میں محفوظ ہیں وہ بھی نصرانیوں کے تمدنی اثرات کی غمازی کرتے ہیں۔

علمی اثرات : نصرانیت یونان واسکندریہ میں پروان چڑھی تھی۔ اس لئے وہ جہاں بھی گئی اپنے ساتھ وہاں کے علوم وفنون مثلاً نجوم اور مابعد الطبیعات افکار بھی لیتی گئی۔ نصرانیت کو ان علوم کی اور خصوصیت سے فلسفہ اور نجوم کی مذہبی حیثیت سے بھی ضرورت تھی ۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ عیسائیوں کے علماء اور مذہبی پیشوا، مذہبی حیثیت سے زیادہ فلسفی ہوتے تھے۔ اس لئے کہ نصرانی ثقافت اور مذہب کی اشاعت میں ان کو ان علوم سے بہت کافی مدد ملتی تھی۔ ظاہر ہے کہ عرب میں اس کے قدم آئے ہوں گے تو یہ علوم بھی اس کے ساتھ لگے لپٹے آئے ہوں گے۔

خیال ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے عربوں میں علم نجوم، طب اور مابعد الطبیعاتی تصورات و افکار کے جو اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ اس کے فروغ میں نصرانیت کو ضرور دخل تھا۔ اس خیال کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ عہد اسلام کے بعد یونانی علوم وفنون جو سرمایہ عربی میں ہوا، وہ زیادہ تر نصرانی ہی علماء و مترجمین کی سرکردگی میں ہوا۔ خصوصیت سے فلسفہ وطب کا شعبہ تو کئی صدی تک ان ہی کے زیر اثر رہا۔

ادب وشعر : عربی ادب وشاعری میں بے شمار ایسے الفاظ، جملے، ترکیبیں اور خیالات ملتے ہیں جو نصرانیت کے اثر کا بیّن ثبوت ہیں۔

جاہلی ادب وشعر کا اگر ہم لغوی جائزہ لیں تو زمین کی پستی وبلندی، پہاڑ کے نشیب وفراز، راستوں کی فراخی وتنگی۔ صحرا کی خشکی وویرانی کے لئے سینکڑوں ہزاروں الفاظ مل جائیں گے، جن سے ان مناظر وکیفیات کا پورا نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ سمندر اور اس کے متعلقات کے الفاظ کے لئے عربی لغت کھنگالیں تو مشکل سے چند الفاظ ملیں گے۔ ان بھی خالص عربی تو بہت کم ہوں گے۔

اُونٹ، تلوار، اور سانپ کے نام اور ان کے متعلقات کے لئے عربی لغت کا دامن تو بڑا وسیع ہے، لیکن کشتی، کشتی رانی، سمندری سفر اور اس کے لوازم ضروریات کے لئے مشکل سے دس بیس الفاظ ملیں گے ، اور جو ہوں گے وہ دوسری زبانوں سے مستعار ہوں گے۔ یہ تو محسوسات کا حال ہے۔ لیکن معنوی کیفیات کا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ خوشی ومسرت، لہوولعب، عیش وتنعم کے حالات وجذبات کے اظہار کے لئے عربی لغت میں الفاظ کی اتنی بہتات نہیں ہے، جتنی بہتات فقر وفاقہ، حزن وملال اور قتل وخونریزی کے الفاظ ومحاورات کی ہے۔

غرض یہ ہے کہ عربی ادب و شاعری کا نشو و نما جس سرزمین میں ہوا، اس میں اس کے اثرات زیادہ نمایاں ہیں۔ لیکن جوں جوں عربوں کا اختلاط ان قوموں سے بڑھتا گیا جو علم و تمدن میں ان سے ترقی یافتہ تھیں تو ان کے ادب و شعر میں بھی ان کے آثار نمایاں ہوتے چلے گئے اور ظاہر ہے کہ عربوں کو سب سے زیادہ جن ترقی یافتہ قوموں سے اختلاط کا موقع ملا، ان میں ایرانی، یہودی اور نصرانی سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

ایرانیوں کے اثرات کی بحث تو ہمارے موضوع سے خارج ہے اور یہودیوں کے اثرات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اب چند سطریں نصرانیوں کے اثرات پر لکھی جاتی ہیں۔

غسانی گو نسلاً عرب تھے۔ مگر رومیوں سے صدیوں کے تعلقات کے وجہ سے بہت زیادہ گھل مل گئے تھے اور ان کا علم و تمدن کا اتنا گہرا اثر قبول کیا تھا کہ ظہور اسلام کے وقت وہ عرب سے زیادہ رومی معلوم ہوتے تھے۔ مگر اس کے باوجود بھی ان کا تعلق جزیرۂ عرب سے منقطع نہیں ہوا تھا، اس لئے اس دوگونہ تعلق کی وجہ سے نصرانی علم و تمدن کے عرب میں فروغ پانے کا بہت بڑا ذریعہ بن گئے۔

جزیرہ کے ہر حصہ کے عربی شعراء اپنے ان عیسائیوں کے پاس جاتے تھے، ان کو اپنا کلام سُناتے تھے۔ انعام و اکرام حاصل کرتے تھے اور ان کے عیش و تنعم سے متاثر ہوتے تھے۔ نابغہ ذبیانی، اعشیٰ، المرقش الاکبر اور علقمۃ الفحل جیسے مشہور روزگار و صاحب کمال شعراء غسانیوں کے دربار میں گئے اور ان سے خراجِ عقیدت وصول کیا۔ ان ہی کے بارے میں حضرت حسانؓ نے جاہلیت کے زمانہ میں کہا تھا :

لله در عصابة نا دمتهم　　يوماً بجلّق في الزمان الاول

خود حضرت حسانؓ کو غسانیوں نے ایک دعوت میں جو وہاں کے حکمران جبلہ بن ایہم کے اہتمام میں ہوئی تھی مدعو کیا تھا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو لوگوں سے کہا کہ نہ میری آنکھوں نے ایسا منظر اس سے پہلے دیکھا اور نہ میرے کانوں نے سُنا تھا[1]۔ پھر انہوں نے اس مجلس کی ایک ایک چیز کی شاعرانہ زبان میں تعریف کی۔ اس سے غسانیوں کے تمدن و تہذیب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کے متعلق لاتعداد قصص و امثال اور ان کے عیش و تنعم و عمران کے سینکڑوں واقعات عربی ادب و شاعری میں ملیں گے۔

نصرانی اور ان سے متاثر شعراء کے کلام پر آپ نظر ڈالیں گے تو آپ کو اس اثر کی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

---

[1] اغانی۔ جلد ۱۹۔ ص ۱۴ و فجر الاسلام۔ ص ۳۰

اُمیہ بن الصلت نے سب سے پہلے **باسمک اللّٰھم** کے لفظ سے عربوں کو روشناس کیا۔ اسی طرح اما بعد کو سب سے پہلے قس بن مساعدہ نے استعمال کیا۔ امیہ صحفِ قدیم کا عالم تھا وہ اپنے اشعار میں ایسے بہت سے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ جو اس سے پہلے عربی زبان میں رائج نہیں تھے۔ مثلاً "**قمر وساھور**"، **یُسلُّ ویغمد**"۔ اسی طرح اللہ کے لئے "سلیط" اور تفرور وغیرہ کے الفاظ اس نے استعمال کئے[1]۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن میں عبرانی، سریانی، رومی اور حبشی زبان کے متعدد الفاظ اور ترکیبیں استعمال ہوئی ہیں۔ عبرانی الفاظ کی تفصیل تو یہودیت کی تاریخ کے سلسلہ میں اُوپر آ چکی ہے کہ یہ زبان زیادہ تر یہود ہی سے مخصوص تھی، مگر نصرانیوں میں ان کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں رائج تھیں۔ مثلاً سریانی، رومی، حبشی وغیرہ۔ ان زبانوں کے جو الفاظ اور فقرے قرآن پاک میں آئے ہیں وہ یہ ہیں :

سریانی الفاظ : **فردوس ، طه ، طور ، هیت لک ، ولات حین مناص میں ولات ، رَبَّانِیُّوْن ، رِبِّیُّوْن ، رَهو ، الیَّمُ ، صلوٰت ، (کنالیس) قنطار**۔ ان کے علاوہ متعدد الفاظ ایسے ہیں جو انشقاق کے لحاظ سے تو عربی ہیں، مگر ان کے بہت سے معانی سریانی سے آئے ہیں ، مثلاً **قیوم ، اسفار ، آذر ، قمل ، سُجَّد** وغیرہ ۔

رومی الفاظ : **قسطاس رقیم ، طفق** اور **قسطاس** وغیرہ ۔

حبشی الفاظ : **جبت ، طاغوت ، حوب ، طوب ، طوبی ، سکر ، سجل ، مشکوة ، منساة** ، اس کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ کو حبشی بتایا گیا ہے۔

یہ ساری تفصیل امام سیوطی کی کتاب المتوکلی اور ابن درید کی کتاب الاشتقاق میں ملے گی۔

ابھی بعث نبوی کے بعد مسلمانوں اور نصرانیوں کے اجتماعی اور سیاسی تعلقات ان کی اخلاقی اور دینی حالت، قرآن وحدیث کی روشنی میں مومنین اہل کتاب کے فضائل ومناقب وغیرہ کی تفصیل باقی تھی، مگر مجبوراً یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ۱۵ء ختم ہو رہا ہے اور حسب تجویز سال کے اندر اندر اس کتاب کا شائع ہو جانا ضروری ہے اور ابھی کتاب کے نقشے اور ضمیمہ کی طباعت بھی باقی ہے۔ اب اگر چند صفحے اور بڑھائے گئے تو کتاب اس سال شائع نہ ہو سکے گی۔

---

[1] فجر الاسلام۔ ص ۳۲

آخر میں اہلِ علم حضرات سے گزارش ہے کہ اگر مقدمہ یا نفس کتاب میں کوئی تاریخی غلطی یا میرے ان قیاسات میں جو میں نے واقعات کی روشنی میں کئے ہیں، کوئی تضاد نظر آئے تو راقم السطور کو اس سے مطلع فرما کر ممنونِ احسان فرمائیں گے۔

اس میں غلطی اور ترمیم واضافہ کا اس لئے اور زیادہ امکان ہے کہ اس سے پہلے اس نفس پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ بلکہ یہ نقش اوّل ہے۔ جس کو ایک نومشق طالب علم نے اپنی کم سوادی اور علمی بے بضاعتی کے باوجود صفحہ قرطاس پر ثبت کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ کتاب صرف ایک دینی خدمت اور ایک علمی کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ خدائے قدوس سے دعا ہے کہ اسے قبول اور اس کی جزاء آخرت میں عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط

خادم

مجیب اللہ ندوی

شبلی منزل ، اعظم گڑھ

۱۶۔ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۷۔ نومبر ۱۹۵۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصحابہ

(الف)

(۱) حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ [1]

نام ونسب : ابرہہ نام ہے۔ شام [2] یا حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ نام ونسب کے متعلق اور کوئی تفصیل کتب رجال میں نہیں ملتی۔

اسلام : ان کے قبولِ اسلام کے متعلق یہ تو متعین طور پر نہیں بتایا جاسکتا کہ کب اور کہاں قبول کیا۔ مگر قرائن سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب بہت سے صحابہ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئے اور ان کو نجاشی کے دربار میں درخور حاصل ہوا اور ان کے ذریعہ اہل حبشہ کو اسلام سے واقف ہونے کا موقع ملا تو خود نجاشیؓ اور ان کے ساتھ بہت سے علمائے نصاریٰ نے اسلام قبول کیا [3]۔ غالباً انہی اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے رفقاء بھی تھے [4]۔

خدمت نبوی میں حاضری :

اہل حبشہ میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا بے حد اشتیاق تھا۔ اتفاق سے اسی درمیان میں مہاجرین حبشہ جعفرؓ کے ساتھ مدینہ واپس آرہے تھے۔ اسی قافلہ کے ساتھ حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ آئے اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

۱۔ حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں اس نام کو دو نام شمار کر کے ایک جگہ "ابرہۃ الحبشی" اور دوسری جگہ "ابرہۃ آخر" کی سرخی قائم کی ہے۔ لیکن غالباً یہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اسد الغابہ تجرید اور دوسری کتب طبقات میں ایک ہی نام شمار کیا گیا ہے۔ (اصابہ۔ ص ۱۰)

۲۔ اکثر طبقات میں ان کا نام شامی ہونا درج ہے۔ حافظ حجر نے بھی اصابہ میں الثمانیۃ الشامین لکھا ہے۔ مگر جہاں انہوں نے ان کے احباب کے حالات لکھے ہیں، وہاں ان کو شامی کے بجائے حبشی لکھا ہے۔ مثلاً اشرف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں : **احد الثمانیه الذین قدموا من رهبان الحبشة** یا ادریس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں : **احد الثمانیة المهاجرین من الحبشة** ، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً ان کے اجداد شامی ہوں گے اور اہل حبشہ کے ہم عقیدہ ہونے کی وجہ سے عارضی طور سے یا مستقلاً حبشہ آگئے ہوں گے، اور وہیں اسلام قبول کیا ہوگا۔ یمن سے ملوک حمیر کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا، اس میں بھی ایک ابرہہ کا ذکر آتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ وہی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب (شمس العلوم۔ ص ۹۳)

۳۔ چالیس آدمیوں تک کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے۔ اگرچہ ان کے ناموں کی تصریح بہت کم ملتی ہے۔ (اصابہ۔ ص ۱۷)

۴۔ آپ کے دوسرے رفقاء کے تذکرے آگے آتے ہیں۔ حالات لکھتے وقت اشارہ کردیا جائے گا۔

غزوات: کسی غزوہ میں شرکت صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔[1]

فضائل: آپ کا شمار ان اہل کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں:

"اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِہٖ ھُمْ بِہٖ یُؤْمِنُوْنَ.......اُولٰٓئِکَ یُؤْتُوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا"۔[2] (قصص)

"جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتابیں دیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں)۔۔۔۔۔یہی لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کی وجہ سے دوہرا ثواب ملے گا"۔

گو آپ کے نام کی تصریح نہیں ہے مگر مفسرین لکھتے ہیں کہ حبشہ سے علمائے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا، اسی کے بارے میں یہ آیتیں بھی نازل ہوئیں اور آپ بہر حال اسی وفد میں تھے۔[3]

"وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَھُمْ مَّوَدَّۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰی ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْھُمْ قِسِّیْسِیْنَ وَرُھْبَانًا وَّاَنَّھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ . وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ"۔

(مائدہ ـ ۱۱)

"مسلمانوں سے محبت رکھنے میں قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں بہت سے عالم اور بہت سے زاہد و درویش ہیں اور اس لئے کہ وہ تکبر نہیں کرتے، جب وہ سنتے ہیں اس کو جو رسول ﷺ کی طرف اُتارا گیا (قرآن) تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا"۔

سنہ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

---

[1] اسد الغابہ میں ہے کہ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کی خبر حبشہ تک پہنچی تو جو لوگ اہل حبشہ میں اسلام لا چکے تھے انہوں نے مدینہ جا کر نبی ﷺ کی زیارت کرنے کی خواہش نجاشی سے ظاہر کی۔ چنانچہ وہ اجازت لے کر مدینہ آئے اور غزوۂ احد میں شرکت بھی کی۔ اس میں حضرت ابرہہؓ بھی تھے۔ اصابہ میں بھی اس قسم کی ایک روایت ہے۔ مگر امام ذہبی نے تجریدی میں یہ تصریح کی ہے کہ عن مقاتل انہ اشہد احدًا وھذا لا یثبت روایت ہے کہ وہ احد میں شریک ہوئے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ بعض روایتوں حضرت جعفرؓ کے آنے سے پہلے ایک وفد کے آنے کا ذکر ہے۔ مگر اہل رجال نے یہ تصریح کر دی ہے کہ وہ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی دریا میں غرق ہو گیا۔ (اسد الغابہ۔ جلد ا۔ ص ۶۲)

[2] بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت رفاعۃ القرظی اور ان کے ساتھ اسلام قبول کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت سلمان فارسیؓ اور عبد اللہ ابن سلام مراد ہیں۔ بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول عام ہے اور یہی صحیح ہے۔

[3] اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۱۷ و اسد الغابہ۔ جلد ا۔ ص ۶۲

(۲) حضرت ادریسؓ

نام ونسب : ادریس نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ کے جو عیسائی مدینہ آئے تھے، ان میں یہ بھی تھے۔

اسلام : آپ نے بھی حضرت ابرہہؓ کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔

زیارت نبوی ﷺ : حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور حضور ﷺ کی زیارت کی دولت سے بہرہ مند ہوئے۔

فضائل : آپ بھی ان خوش قسمت اہل کتاب صحابہ میں ہیں، جن کے بارے میں قرآن کی متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور اس انعام کے بھی مستحق ہوئے۔

"اولٰئِکَ یُؤْتُوْنَ اَجْرَھُمْ مَرَّتَیْنِ"۔

"یہی لوگ ہیں جن کو دہرا ثواب ملے گا"۔

آپ کی زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق اور کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

(۳) حضرت اسیدؓ بن سعید

نام ونسب : اسید نام ہے[۴]۔ باپ کا نام سعید تھا۔ قبیلہ ہدل[۵] جو بنو قریظہ[۶] ہی کی ایک شاخ تھی اس سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔

اسلام : بنو قریظہ کا معاملہ ان کی خواہش کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے سعدؓ بن معاذ کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ جو فیصلہ کریں گے، اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ حضرت سعدؓ بن معاذؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ قبیلہ کے جتنے بالغ مرد ہیں وہ سب قتل کئے جائیں اور عورتیں اور بچے اور لونڈی غلام بنائیں جائیں۔ جب اس فیصلہ کی خبر حضرت اسیدؓ کو ہوئی تو وہ اپنے چند احباب کے ساتھ بنو قریظہ کے پاس گئے اور

۱۔ اصابہ، جلد ۱۔ ص ۲۷ اوپر حضرت ابرہہؓ کے تذکرہ میں شامی یا حبشہ ہونے کی تحقیق گزر چکی ہے۔ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً
۴۔ اکثر لوگوں نے آپ کا نام اسد بغیر 'ی' کر لکھا ہے۔ مگر استیعاب اور اسد الغابہ میں یہ تصریح ہے کہ صحیح اسید ہے۔ ابن ہشام نے بھی اسید ہی لکھا ہے۔ (ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹ و اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۳۳)
۵۔ هدلی، هذه النسبة الی الهدال اخوة بنی قریظه و دعوتهم (ای نسبهم - جلد ۱۸۔ ص ۲۴۶ لسان) من قریظة (سمعانی) بنو ہدل بنی قریظہ ہی کی شاخ ہے۔ ۶۔ ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹

ان سے کہا کہ تم لوگوں کو ابن الہیبان[۱] کی بات یاد نہیں ہے کہ تم نے کیا وعدہ کیا تھا؟ اے یہود ! اللہ سے ڈرو! اور اس نبی برحق کا اتباع کرو۔ مگر یہود نے اتباع کرنے اور اسلام قبول کرنے سے گریز کیا۔ حضرت اسیدؓ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کو اللہ کی حفاظت میں دے کر بچالیا[۲]۔

وفات : آپ کے سنہ وفات کی تصریح تو نہیں ملتی، مگر بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں اس دارِ فانی کو چھوڑ چکے تھے[۳]۔

فضل وکمال : جب رسول اللہ ﷺ کے متعلق ان کو پورے طور سے یقین ہو گیا کہ نبی موعود آپ ہی ہیں تو آپ کے اتباع سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ روک سکا۔ گو آپ کو اس راہ میں نشانہ ملامت و مصیبت بننا پڑا۔ چنانچہ جب آپ اسلام لائے تو یہود نے مختلف طریقے سے آپ کو ستانا شروع کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی[۴]۔

" لَيْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ "۔ (آل عمران)

''سب اہلِ کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں جماعت ہے جو (دین) پر قائم ہے اور رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے اور وہ نمازی بھی ہیں''۔

زندگی کے اور حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ ثعلبہ آپ کے عیسائی بھائی تھے، جن کا ذکر آئے گا۔

(۴) حضرت اسدؓ بن عبید

نام ونسب : اسد نام ہے۔ باپ کا نام عبید تھا۔ آپ بھی قبیلہ ہدل کے ایک فرد تھے[۵]۔

اسلام : بنو قریظہ کو آپ نے بھی بہت کچھ سمجھایا، مگر جب وہ اپنے ضد پر اڑے رہے تو حضرت اسید کے ساتھ انہوں نے بھی اہل خاندان سے رشتہ توڑ کر اسلام سے جوڑ لیا اور اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوئے[۶]۔

---

۱ ابن الہیبان ایک یہودی عالم تھا، جو شام سے مدینہ چلا آیا تھا۔ مدینہ کے یہود قحط اور دوسری مصیبتوں کے وقت اس سے دعائیں کراتے تھے۔ جب اس کے انتقال کا وقت قریب تو اس نے یہود کو جمع کیا اور کہا تمہیں معلوم ہے کہ شام جیسی سرسبز و شاداب جگہ چھوڑ کر مدینہ جیسی غیر شاداب جگہ کیوں چلا آیا؟ میں یہاں اس لئے آیا تھا کہ مجھے ایک نبی کا انتظار تھا، جو یہاں ہجرت کر کے آئے گا۔ میں اگر زندہ رہتا تو اس کا اتباع کرتا۔ دیکھو! تم لوگ اس کی اطاعت سے گریز نہ کرنا، ورنہ یہ اعراض تمہارے قتل کا سبب بنے گا۔ چنانچہ بنو قریظہ نے اس سے وعدہ کیا کہ ہم لوگ ایسا ہی کریں گے۔ جنگ قریظہ کے روز حضرت اسید نے اسی وعدہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ (اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۳۳ وابن ہشام۔ جلد ا۔ ص ۱۳۷، ۹)

۲ استیعاب ذکر اسید۔ جلد ا۔ ص ۳۶ ۳ ایضاً ۴ استیعاب۔ جلد ا۔ ص ۳۶ واصابہ۔ جلد ا۔ ص ۱۳

۵ استیعاب۔ جلس ا۔ ص ۳۸ ۶ اصابہ، استیعاب وابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹

وفات : آپ کی وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

عام حالات : زندگی کے عام حالات کے متعلق بھی کوئی اور تفصیل نہیں مل سکی۔ صاحب تجرید[1] نے لکھا ہے : کہ

" له ذكر من رجه عجيب ".

''عجیب و غریب طور سے ان کا ذکر ملتا ہے''۔

غالباً اس سے ابن الہیبان کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے[2]۔ واللہ اعلم بالصواب

فضائل : آپ بھی ان صحابہ میں ہیں، جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی[3]۔

'' لَيْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ ''۔ (آل عمران)

''سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں، ان میں سے ایک جماعت (دین) پر قائم ہے جو رات کے اوقات میں وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے''۔

(۵) حضرت اسدؓ بن کعب القرظی

نام ونسب : اسد نام ہے۔ باپ کا نام کعب[4] بن اسد تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسبی تعلق تھا۔ حافظ ابن حجر کے علاوہ ارباب رجال میں سے کسی نے آپ کا ذکر مستقل طور سے نہیں کیا ہے[5]۔ البتہ ابن جریر میں تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں آپ کا اور آپ کے بھائی اسید کا نام لیا ہے۔

'' من اهل الكتب امة قائمة يتلون اٰيات الله ''۔ (الخ)

''رات میں سے ایک جماعت جو اللہ کی آیات رات کے اوقات میں پڑھتی ہے''۔

اسلام : زمانہ قبول اسلام کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ غالباً قریظہ کے روز یا اس کے بعد اسلام قبول کیا۔ آپ کا تذکرہ عموماً حضرت عبداللہؓ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے۔

فضل وکمال : آپ بھی ان آیات کے مورد اور مصداق ہیں جو دوسرے اہل کتاب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ قبول اسلام کے بعد یہود نے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنالیا تھا۔ لیکن یہ

---

[1] تجریدی تذکرہ اسد　[2] جس کا ذکر اوپر چکا ہے　[3] استیعاب۔ جلد ا۔ ص ۳۶

[4] غالباً یہ وہی کعب ہے، جس نے غزوۂ خندق میں قریش میں قریش سے مدد دینے کا وعدہ کیا تھا اور قریظہ کے روز قتل کیا گیا تھا۔ یہ وہ کعب نہیں ہے جو محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی کے والد ہیں۔ جن کے بارے میں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بنو قریظہ کے روز نابالغوں میں شمار کر کے چھوڑ دیئے گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔ (اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۳۳)

[5] استیعاب میں ثعلبہؓ بن سلام کے حالات کے ضمن میں آپ کا نام بھی آیا ہے۔ (جلد ا۔ ص ۷۸)

سب کچھ آپ نے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا، مگر اپنا رشتہ اسلام سے جوڑنے کے بعد پھر کبھی نہیں توڑا، گو تمام رشتے ٹوٹ گئے۔ یہ آپ کی سب سے بڑی فضیلت ہے۔

(۶) حضرت اسیدؓ بن کعب القرظی

نام و نسب: اسید نام ہے۔ باپ کا نام کعب بن اسد تھا۔ آپ بھی بنو قریظہ ہی کے ایک فرد تھے اور حضرت اسدؓ کے جن کا تذکرہ اُوپر ہوا ہے۔ بڑے یا چھوٹے بھائی تھے[۱]۔

اسلام: ان کے قبول اسلام کے متعلق بھی متعین طور سے نہیں بتایا جا سکتا کہ کب قبول کیا۔ غالباً دونوں بھائی ساتھ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہوں گے۔ بھائی کی طرح زندگی کے دوسرے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ آپ بھی ان تمام افضال و انعام الٰہی کے مورد مستحق ہیں، جن کے مستحق آپ کے بھائی حضرت اسیدؓ ہیں۔

ابن جریر[۲] نے اس آیت کے ضمن میں آپ کا نام بھی لیا ہے۔

"مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ".

"اہل کتاب میں ایک جماعت ہے جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتی ہے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی ان مصائب کا شکار ہوئے ہوں گے، جن کے آپ کے بھائی حضرت اسدؓ اور دوسرے اہل کتاب صحابہ ہوئے تھے۔

(۷) حضرت اشرف حبشیؓ

نام و نسب: اشرف[۳] نام ہے۔ حبشہ یا شام کے رہنے والے اور عقیدۂ عیسائی تھے۔

اسلام: اپنے دوسرے رفقاء[۴]، حضرت ابرہہؓ اور حضرت ادریسؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام لائے۔

خدمت نبوی ﷺ میں آمد:

حضرت جعفرؓ کے ساتھ اہل حبشہ کا جو وفد خدمت نبوی ﷺ میں آیا تھا، اس میں آپ بھی تھے۔

وفات: وفات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں مل سکی۔

۱۔ اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۵۰ ۲۔ تفسیر طبری تفسیر آیت مذکورہ سورۂ آل عمران

۳۔ حافظ ابن حجر نے صحابہ کی چار قسمیں قرار دی ہیں۔ ان کو قسم اوّل میں شمار کیا ہے۔ جس سے ان کی اہمیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ ۴۔ اُوپر ان کا تذکرہ آچکا ہے

فضل وکمال : آپ علمائے نصاریٰ میں سے تھے۔ حافظ ابن حجر نے آپ کے اوصاف کے سلسلے میں لکھا ہے : کہ

"من رهبان الحبشة"[1] (ترجمہ) "حبشہ کے راہبوں میں سے تھے"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں تھا۔ لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی علوم سے کہاں تک واقف ہوئے اس کی تفصیل نہیں ملتی اور نہ آپ سے کوئی روایت ہے۔

(۸) حضرت بحیرا الحبشیؓ

نام ونسب : بحیرا[2] نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدۃً نصرانی تھے۔

اسلام : غالباً آپ نے بھی اپنے احباب حضرت اشرفؓ ذ ثمامؓ وغیرہ کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

زیارت نبوی کا شرف : حضرت جعفرؓ کے ساتھ آپ بھی حبشہ سے مدینہ آئے اور زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے۔

وفات : وفات کا سنہ یا تاریخ معلوم نہیں ہوسکی۔

روایت : ابن عدی نے ایک ضعیف واسطہ سے یہ ایک روایت نقل کی ہے۔

"عن جعفر بن محمد بن علي بن ابيه عن جده قال سمعت بحيرا الراهب يقول سمعت رسول الله اذا شرب الرجل كاساً من خمر"[3] (الخ)

"جعفر بن محمد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے بحیرا سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ اگر کسی شخص کو شراب کا ایک پیالہ پلایا جائے۔

اور روایت کرنے کے بعد خود ہی جرح بھی کی ہے جرح کے الفاظ یہ ہیں۔

"هذا حديث منكر و لم اسمع بحيرا عند غير هذا"[4]

"یہ منکر حدیث ہے ان کے علاوہ بحیرا کی کوئی اور حدیث نہیں۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ا۔ ص ص ۵۱

[2] یہ وہ بحیرا الرہب نہیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے قبل نبوت شام میں ملے تھے۔ ابن اثیر نے دنوں کو ایک شمار کیا ہے اس پر حافظ ابن حجر نے حضرت ابرہہؓ کے حالات میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے، یہ دوسرے بحیرہ ہیں۔ ابن اثیر کو غلط فہمی ہوئی ہے اور اسی لئے بحیرا الرہب کو انہوں نے قسم ربع میں داخل کیا ہے اور انہیں قسم اول میں۔ (اصابہ۔ ص ۳۶)

[3] بقیہ الفاظ حدیث جستجو و تلاش کے بعد بھی نہیں ملے۔ (تجرید۔ جلد ا۔ ص ۳۶)

[4] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب حدیث بحیرا راہب شامی ہیں۔ یہ غلط ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو یہ وہی بحیرا ہیں جو حبشہ سے حضرت ابرہہؓ کے ساتھ آئے تھے۔ (اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۱۳۹)

(۹) حضرت بشیر بن معاویہؓ

نام و نسب : بشیر نام ہے۔ ابوعلقمہ کنیت۔ باپ کا نام معاویہ تھا۔ اسقف نجران کے بھائی تھے۔

اسلام : اہل نجران کے پاس جب آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک پہنچا تو انہوں نے ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں دریافت حال کے لئے بھیجا۔ یہ وفد مدینہ سے نجران واپس ہوا تو راستے میں اسقف رئیس وفد نے آنحضرت ﷺ کے اس نامۂ مبارک کو پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق سے اسی اثنا میں بشیر کی اُونٹنی کو ٹھوکر لگی۔ اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں کچھ نا ملائم الفاظ استعمال کئے۔ اسقف نے ڈانٹا اور کہا وہ نبی صادق ہیں۔ حضرت بشیرؓ کے دل میں یہ بات گھر کر گئی۔ انھوں نے فرمایا، کہ جب وہ نبی صادق ہیں تو خدا کی قسم جب تک ان کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں، اونٹنی کا کجاوہ نہ کھولوں گا۔ چنانچہ شوق و وارفتگی میں یہ اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے پھر مدینہ واپس ہوئے۔

الیک تغدوا قلقا وضینها　　　معترضا فی بطنها فیها

مخالفا دین النصاریٰ دینها

اور خدمت نبوی میں پہنچ کر اسلام قبول کیا اور ساری زندگی دربار رسول کی غلامی میں گزار دی۔

شہادت : غزوہ کی تصریح تو نہیں مل سکی، لیکن کسی غزوہ ہی میں شہادت پائی [1]۔

(ت)

(۱۰) حضرت تمامؓ

نام و نسب : تمام نام ہے۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے نصرانی تھے۔

اسلام : اُوپر جن لوگوں کا تذکرہ ہوا ہے، غالباً اپنے ان ہی رفقاء کے ساتھ انہوں نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت : آپ بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ حبشہ سے آئے اور زیارت نبوی ﷺ سے بہرہ مند ہوئے۔

وفات : وفات اور دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ تجرید میں آپ کے متعلق یہ بھی ہے کہ بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ آئے۔

---

[1] قریب قریب ان ہی کے واقعہ سے ملتا جلتا کرز بن علقمہ کا واقعہ بھی ہے۔ لیکن صاحب اصابہ نے ان کو دو شمار کیا ہے اور یہ دو اس لئے بھی ہیں کہ کرز کا واقعہ مدینہ جاتے ہوئے پیش آیا تھا اور بشیر کا واقعہ وہاں سے واپسی پر۔ (اصابہ۔ جلد اول۔ ص ۱۶۰)

" وفد مع بحیرا و ابرهه فی حدیث ساقط تمرة "[1]

''بحیرا اور ابرہہ کے ساتھ یہ بھی ساقط تمرہ والے واقعے میں تھے''۔

آپ بھی ان تمام فضائل اور انعام کے مورد ہیں جس کے مورد دوسرے اہل کتاب صحابہ ہیں۔

(۱۱) حضرت تمیم الحبشیؓ

نام ونسب: تمیم نام شام یا حبشہ کے رہنے والے اور عقیدہ کے اعتبار سے عیسائی تھے۔

اسلام: آپ کے چند احباب کا تذکرہ ہو چکا ہے غالباً آپ نے بھی حبشہ میں ان کے ساتھ اسلام قبول کیا ہوگا۔

شرف زیارت: حبشہ کے وفد کے ساتھ آپ بھی مدینہ آئے اور شرف زیارت نبوی سے بہرہ ور ہوئے۔

روایت: آپ سے کوئی روایت نہیں ہے[2]۔

وفات و عام حالات کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی ۔

(۱۲) حضرت تمیم داریؓ

نام ونسب: تمیم نام ابورقیہ کنیت داری نسبت ہے پورا سلسلہ نسب یہ ہے تمیم بن اوس بن حارجہ ابن سور بن خزیم بن ذراع بن عدی بن الدار[3] بن ہانی بن حبیب بن تمارہ بن لخم بن عدی بن عمر بن سباء، ابن ہشام نے عمرو و سباء کے درمیان دو ایک نام اور بڑھائے ہیں شام کے رہنے والے تھے قبیلہ لخم[4] سے ہی تعلق تھا اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام: ۹ھ میں اپنے بھائی نعیم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور مشرف با سلام ہوئے[5]۔

---

[1] حدیث کا پورا متن بڑی کاوش کے بعد بھی نہیں مل سکا۔ (اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۱۸۳ و تجرید۔ جلد ا۔ ص ۶۱)

[2] اصابہ اور اسد الغابہ [3] حافظ ابن عبد نے داری کی نسبت کی یہ وجہ بتائی ہے کہ لخم کی ایک شاخ دار ہے اور یہ نسبت اسی کی طرف ہے، مگر یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص کا نام دار ہے۔ جیسا کہ سلسلہ نسب میں مذکور ہے۔ یہ نسبت اسی کی طرف ہے۔ اس کی تائید سمعانی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے: فاما النسبة الی الجد فمنهم ابو رقیه الداری ۔ (سمعانی۔ ص ۲۱۹ ذکر داری) [4] لخم و جذام یمن کے رہنے والے تھے، جو شام میں آکر اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ (سمعانی ذکر لخم۔ ص ۴۹۵) [5] اصابہ واستیعاب وابن سعد

غزوات : اسلام لانے کے بعد جتنے غزوات پیش آئے، سب میں شریک ہوئے[1]۔ رسول اللہ ﷺ نے کفالت کے لئے شام میں قریہ عینوں کا ایک حصہ آپ کو دے دیا تھا اور اس کی تحریری سند بھی لکھ دی تھی، مگر دیار محبوب کی محبت نے وطن کی محبت فراموش کردی۔ چنانچہ عہد نبوی ﷺ کے بعد خلفائے ثلاثہ کے زمانہ تک مدینہ ہی میں رہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد ملی فتنہ وفساد شروع ہوا تو آپ بادلِ نخواستہ مدینہ چھوڑ کر اپنے وطن شام چلے گئے[2]۔

آپ جب شام سے مدینہ آئے تو آپ ساتھ کچھ قندیلیں اور تھوڑا سا تیل بھی لیتے آئے۔ مدینہ پہنچ کر قندیلوں میں تیل ڈال کر مسجد نبوی ﷺ میں لٹکائیں اور جب شام ہوئی تو انہوں نے انہیں جلا دیا۔ اس سے پہلے مسجد میں روشنی نہیں ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور مسجد کو روشن پایا تو دریافت فرمایا کہ مسجد میں روشنی کس نے کی ہے۔ صحابۂ کرام نے حضرت تمیمؓ داری کا نام بتایا۔ آپ بے حد خوش ہوئے۔ ان کو دعائیں دیں اور فرمایا اگر میری کوئی لڑکی ہوتی تو میں تمیمؓ سے اس کا نکاح کر دیتا۔ اتفاق سے اس وقت نوفل بن حارث موجود تھے۔ انہوں نے اپنی بیوہ[3] صاحبزادی اُم المغیرہ کو پیش کیا۔ آپ نے اسی مجلس میں اُم المغیرہ سے حضرت تمیمؓ داری کا نکاح کر دیا[4]۔

وفات : مدینہ سے واپسی کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی اور آخر عمر تک زاہدانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی[5]۔ ۴۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور بہت جبرون میں مدفون ہوئے[6]۔

اولاد : آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک صاحبزادی رقیہ تھیں، جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابورقیہ ہے۔

علم وفضل : اسلام سے پہلے آپ کا شمار علمائے نصاریٰ میں تھا۔ قبول اسلام کے بعد علمی ذوق قرآن مجید کی جانب منتقل ہو گیا اور اس سے پوری واقفیت پیدا کی۔ قتادہ کا قول ہے : کہ

"کان من علماء اهل الکتابین"[7]۔

"آپ کا شمار انجیل وقرآن کے علماء میں تھا"۔

1۔ ابن سعد واسد الغابہ　　2۔ اسد الغابہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مستقل طور پر شام ہی میں رہتے تھے۔ مگر ابن سعد کا بیان زیادہ صحیح ہے کہ اسلام لانے کے بعد مدینہ ہی میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے بعد مستقل طور پر شام واپس چلے گئے۔ (ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۲۔ ص ۱۱۳)　　3۔ پہلے ان کا نکاح براء یا ابو البراء سے ہوا تھا۔
4۔ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۴۵　　5۔ ارباب طبقات میں آپ کا سنہ وفات نہیں ہے البتہ تہذیب التہذیب میں ہے کہ آپ کی قبر پر کچھ ایسے نشانات پائے گئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات ۴۰ھ میں ہوئی۔ (تہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۵۱۲)　　6۔ اصابہ میں جبرین ہے اور تہذیب میں جیرون۔ میں نے تہذیب ہی کے بیان کو اختیار کیا ہے۔ (تہذیب۔ جلد ۱۔ ص ۵۱۳ وسمعانی۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۹)　　7۔ تہذیب ایضاً

بعض لوگوں[1] نے آپ کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے، جنہوں نے عہد نبوی میں قرآن جمع کیا تھا۔

تراویح کی امامت : فتح الباری میں ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح باجماعت قائم کی تو مردوں کا امام ابی بن کعبؓ کو اور عورتوں کا امام تمیمؓ داری کو مقرر کیا[2]۔

ایک روایت : آپ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان سے ایک واقعہ (مسلم میں موجود ہے) روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے کبار صحابہ اور تابعین نے بھی آپ سے روایتیں کی ہیں۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، انس بن مالکؓ، زراہ بن عونی، وروح بن زنباع، عبداللہ ابن موہب، عطاء بن یزید اللیش، شہر بن حوشب، عبدالرحمٰنؓ بن غنم[3]، سلیم بن عامر، شرجیل بن مسلم، قبیصہ[4] بن ذویب، کثیر بن مرہ، ازہر بن عبداللہ[5] وغیرہ۔

چونکہ آپ متاخر الاسلام تھے، اس لئے آپ کی روایتوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ مسند میں ۱۲ حدیثیں آپ کی سند[6] سے درج ہیں۔

اتباع سنت اور مواظبت عمل :

آپ کو اتباع سنت کا بڑا لحاظ تھا، اور جس سنت پر ایک مرتبہ عمل شروع کر دیتے، اس پر ہمیشہ مواظبت کرتے۔ چنانچہ معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز نفل ادا فرماتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جن لوگوں کو نماز عصر کی ادائے گی کے بعد نفل پڑھتے دیکھتے انہیں منع فرماتے اور بعض اوقات سزا بھی دیتے۔ ایک مرتبہ تمیم داریؓ سے بھی اس کے متعلق فرمایا تو آپ نے حضرت عمرؓ کو درشت لہجہ میں جواب دیا : کہ

" لا ادعہا علیتھما مع من ھو خیر منک رسول اللہ ﷺ "۔

''میں ان دو رکعتوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے تو یہ دو رکعتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی ہیں جو تم سے بہتر ہیں''۔

یہ سن کر حضرت عمرؓ نے پھر کوئی باز پُرس نہیں کی اور فرمایا کہ اگر تمام لوگ تمہاری ہی طرح ہو جائیں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں'' [7]۔

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ۲۔ ص ۱۳۷ [2] بعض روایتوں میں تمیم داری کے بجائے سلمان بن حشمہ کا نام ہے۔ ائمہ حدیث نے اس کی یہ توجیہہ کی ہے کہ دونوں آدمی مختلف اوقات میں اس خدمت پر متعین ہوئے۔ (فتح الباری۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۹)
[3] محدثین نے اسی روایت سے روایۃ الکبار عن اصفاء ایک مستقل اصول روایت بنالیا ہے اور یہی اس کی پہلی مثال ہے۔ [4] مسلم شریف ذکر جاسہ۔ ص ۴ [5] تہذیب التہذیب۔ ص ۵۱۱
[6] یہ تین نام استیعاب میں درج ہیں۔ [7] مسند۔ جلد ۴۔ ص ۱۰۳

حصول ثواب کے لئے کام :

ایک مرتبہ روح بن زنباع آپ کی خدمت میں گئے تو دیکھا کہ گھوڑے کے لئے جو صاف کررہے ہیں اور گھر کے تمام لوگ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ روح نے عرض کیا، کیا ان لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس کام کو کر سکے۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے : کہ

" ما من امرء مسلم ينقي لفرسه شعيرًا ثم يعلفه عليه كتب له بكل حبة حسنه "[1]۔

" جب کوئی مسلمان اپنے گھوڑے کے لئے دانہ صاف کرتا ہے اور پھر اس کو کھلاتا ہے تو ہر دانہ کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے "۔

عبادت : آپ کا شمار ان صحابہ میں تھا جو زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت میں ضرب المثل تھے۔ مشکل ہی سے کبھی آپ کی نماز تہجد ناغہ ہوتی۔ تہجد میں بسا اوقات ایک آیت اتنی بار دہراتے کہ پوری رات ختم ہو جاتی۔ ایک مرتبہ آپ تہجد میں جب اس آیت :

" ام حسب الذين اجترحوا السيئات ان نجعلهم كالذين امنوا وعملوا الصّٰلحت سواء محياهم ومماتهم "۔ (جاثیہ)

" جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کو اختیار کیا کہ ان سب کا مرنا جینا برابر ہو جائے "۔

پر پہنچتے تو اسی کو رات بھر دہراتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی[2]۔

محمد بن سیرین بیان فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے[3]۔

انہوں نے ایک بہت قیمتی جوڑا خریدا تھا۔ جس روز ان کو شب قدر کی توقع ہوتی تھی اسے روز پہنتے تھے[4]۔

ریا سے پرہیز : بایں ہمہ اپنی عبادت کو لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ آپ رات میں کتنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ آپ اس سوال پر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ایک رکعت نماز جسے میں رات کی تنہائی میں پڑھوں، وہ مجھے اس بات کی سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رات بھر نماز پڑھوں اور صبح کو سب سے بیان کرتا پھروں[5]۔

---

[1] مسند۔ جلد ۴۔ ۱۰۲　[2] اصابہ واسد الغابہ ونسائی میں بھی یہ روایت ہے۔　[3] تہذیب التہذیب ذکر تمیم
[4] صفوۃ الصفوۃ۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۰　[5] ایضاً

مسجد میں روشنی کی ابتداء :
یہ آپ کا بہت بڑا شرف ہے کہ آپ نے مسجد میں روشنی کی سنتِ حسنہ جاری کی ابو سعید خدری ؓفرماتے ہیں کہ تمیم داریؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں چراغاں جلانے اور روشن کرنے کی ابتداء کی [1]۔

ایک کرامت : حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ مقام حرہ میں آگ لگی۔ حضرت عمرؓ حضرت تمیم داریؓ کے پاس آئے اور ان سے واقعہ بیان کیا۔ حضرت تمیم داریؓ وہاں گئے اور بے خطر آگ میں گھس گئے اور اسے بجھا کر صحیح وسالم واپس چلے آئے۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو خیر اہل المدینہ (مدینہ کے سب سے اچھے اور نیک آدمی) فرمایا کرتے تھے [2]۔

حُلیہ ولباس : خوش پوش، خوش وضع اور خوبصورت آدمی تھے [3]۔

(ث)

(۱۳) حضرت ثعلبہؓ بن سعیۃ الہدلی

نام ونسب : ثعلبہ نام ہے۔ باپ کا نام سعیہ، قبیلہ ہدل [4] جو بنو قریظہ کی ایک شاخ تھی، اس سے نسبی تعلق تھا۔ حضرت اسیدؓ جن کا اُوپر ذکر آچکا ہے، ان کے حقیقی بھائی تھے۔

اسلام : جب بنو قریظہ کے قتل کا فیصلہ ہوا تو حضرت ثعلبہؓ قبیلہ کے دو تین نوجوانوں کے ساتھ اہل قبیلہ کے پاس گئے اور ان کو ابن الہیبان [5] کی وصیت اور اس کا وعدہ یاد دلا کر سمجھانے کی کوشش کی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن جب یہ کوشش بے سود رہی تو اپنے بھائی حضرت اسیدؓ اور قبیلہ کے ایک اور نوجوان اسد بن عبید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود اسلام قبول کیا [6]۔

آپ کی زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں مل سکے۔

وفات : سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی۔ البتہ امام بخاری کے بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ حیات نبوی ہی میں وہ اس دارِ فانی کو چھوڑ چکے تھے [7]۔

---

[1] ابن ماجہ باب المساجد۔ ص ۵۶ [2] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۹۷ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۵
[4] اس کی تحقیق حضرت اسیدؓ کے حالات میں گزر چکی ہے۔ [5] پورا قصہ حضرت اسیدؓ کے حالات میں لکھا جاچکا ہے۔
[6] اصابہ ذکر اسید (جلد ۱۔ ص ۳۳) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضر عبداللہ بن اسلام کے ساتھ اسلام لائے، مگر صاحب اسد الغابہ نے اس کی تردید کی ہے۔ ابن ہشام وغیرہ کا بیان بھی اس کے خلاف ہے۔ (اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۱ وابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۹) [7] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۱

فضل وکمال : اہلِ کتاب صحابہ کے عام فضائل ومحامد کے ساتھ حضرت ثعلبہؓ ابن سعیہ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ جب حضرت ریحانہؓ جو غزوہ بنو قریظہ میں گرفتار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی کرخدمت میں آئیں تو آپ کی خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کرلیں، مگر وہ کسی وجہ طرح اس راضی نہ ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے اسلام نہ لانے کا بے حد رنج تھا۔

ایک روز آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ثعلبہؓ ابن سعیہ آئے اور آہستہ سے آپ سے حضرت ریحانہؓ کے اسلام قبول کرلینے کی خوش خبری سنائی۔ آنحضرت ﷺ نے مسرت کا آمیز لہجہ میں حاضرین سے فرمایا کہ ثعلبہ ریحانہ کے اسلام لے آنے کی خوشخبری لے کر آئیں ہیں۔

(ابن ہشام۔ جلد۲)

(۱۴) حضرت ثعلبہؓ بن سلام

نام ونسب : ثعلبہ نام ہے۔ باپ کا نام سلام۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام کے بھائی تھے پورا سلسلہ نسب عبداللہؓ بن سلام کے تذکرے میں آئے گا۔

اسلام : آپ کے اسلام لانے کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا، مگر اتنا معلوم ہے کہ آپ عبداللہؓ بن سلام کے بعد اسلام لائے [۱]

وفات : آپ کی وفات کے بارے میں بھی کوئی تصریح نہیں ملتی اور نہ آپ کی زندگی کے عام حالات اور کارنامہ کے متعلق کوئی تذکرہ ملتا ہے۔

(۱۵) حضرت ثعلبہؓ بن قیس

نام ونسب : ثعلبہ نام ہے۔ باپ کا نام قیس۔ یہود مدینہ سے تھے، مگر یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کس قبیلہ سے تعلق تھا۔

اسلام : صحیح طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ نے کب اسلام قبول کیا۔ لیکن چونکہ ان آیتوں کی تفسیر کے ضمن میں جو اہل کتاب صحابہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ آپ کا نام عبداللہؓ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ متقدم الاسلام ہوں گے۔

وفات : سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

---

[۱] اصابہ۔ جلد۲

فضائل : یوں تو ان تمام فضائل وانعام کے آپ بھی مستحق ہیں، جن کے دوسرے اہل کتاب صحابہ مستحق ہیں۔لیکن ذیل کی دوآیتوں کے ضمن میں خصوصیت سے آپ کا نام بھی مفسرین لیتے ہیں، جب کفار قریش آنحضرت ﷺ اور قرآن کے متعلق مختلف قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرنے لگے تو اس کے لئے ایک ثبوت یہ بھی پیش کیا گیا :

" اَوَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ اٰیَۃً اَنْ یَّعْلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ "[1]۔

" کیا ان کے لئے یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس کو (قرآن) علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں"۔

علماء سے جو لوگ مراد ہیں، مفسرین ان میں حضرت ثعلبہؓ کا نام بھی لیتے ہیں۔ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ سلام اور حضرت ثعلبہؓ وغیرہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! ہم لوگ آپ پر، قرآن پر، حضرت موسیٰؑ اور توریت اور حضرت عزیر پر تو ضرور ایمان لاتے ہیں مگر اس کے علاوہ تمام کتب ورسل کو ماننا ضروری نہیں سمجھتے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

" یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ "۔ (نساء)

" اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اُتاری اور ان کتابوں پر جن کو اللہ نے اس سے پہلے اُتارا ہے"۔

زندگی کے دوسرے حالات وکمالات پردۂ اخفا میں ہیں۔

(۱۶) حضرت ثعلبہؓ بن ابی مالک

نام ونسب : ثعلبہ نام ہے۔ابو یحییٰ کنیت۔حضرت ابو مالک صحابی کے (جن کا تذکرہ آگے آئے گا) صاحبزادے تھے۔آپ کے والد ترک وطن کرکے مدینہ آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔

---

[1] سورۂ شعراء یقیناً مکہ ہے۔مگر اس کی پانچ آیتوں کے نزول کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، جو لوگ اس آیت کو بھی مدنی کہتے ہیں، ان کے نزدیک تو کوئی اشکال نہیں ہے۔لیکن جو لوگ اس کو مکی کہتے ہیں ان کے سامنے یہ اشکال آتا ہے کہ مکہ میں علمائے بنی اسرائیل کہاں تھے۔اس کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ کفار مکہ نے مدینہ کے علمائے یہود سے آنحضرت ﷺ کے متعلق دریافت کرایا تھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ زمانہ یہی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔بہر حال دونوں صورتوں میں آیت مخاطب یہی حضرات ہیں۔

اسلام : اپنے والد کی طرح خود بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، اور بہ اختلافِ روایت شرف صحبت سے بھی سرفراز ہوئے [1]۔

اصابہ میں مصعب الزبیری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ بنی قریظہ کے روز جو بچے نابالغ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے تھے، ان میں حضرت ثعلبہؓ بھی تھے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ الکبیری میں لکھا ہے : کہ

"كَانَ كَبِيْرًا ايام بنى قريظة" [2]۔ (جلد ا۔ ص ۱۷۳)

''غزوۂ قریظہ کے زمانے میں وہ بڑے تھے''۔

بخاری کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بالکل بچے نہیں تھے، بلکہ سنِ شعور کو پہنچ چکے تھے۔ لیکن بہرحال ان کے زمانۂ قبولِ اسلام کے متعلق کوئی صحیح تعیین نہیں کیا جاسکتا۔

وفات : سنہ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔

اولاد : ان کی دو اولاد ابو مالک اور منظور کا ذکر حافظ ابن حجر نے تہذیب میں کیا ہے، لیکن دوسرے ارباب رجال نے صرف ابو مالک کا نام لیا ہے۔

علم وفضل : حضرت ثعلبہؓ کا گھرانہ علم وفضل میں ممتاز تھا۔ آپ کے والد حضرت ابو مالکؓ عہد عتیق کے عالم تھے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے اور ایک بھتیجے محمد بن عقبہ صاحب علم وفضل اور صاحبِ روایت تھے۔ خود حضرت ثعلبہؓ نے رسول اللہ ﷺ اور بڑے بڑے صحابیؓ سے روایتیں کی ہیں۔ مثلاً

---

[1] ان کے صحابی ہونے میں ارباب رجال کی روایتیں مختلف ہیں۔ اصابہ اور تاریخ کبیر کی روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے وقت اچھے خاصے بڑے تھے۔ جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام قبول کیا ہوگا تو وہ سنِ شعور کو پہنچ گئے تھے۔ اس الغابہ میں ہے کہ ولد على عهد النبى صلى الله عليه وسلم (آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہوئے)۔ جس سے ان کی صحابیت اور عدم صحابیت دونوں کا احتمال ہے۔ ابن حاتم اور ابن حبان نے ان کو زمرۂ تابعین میں شمار کیا ہے۔ یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں له رويه (انہیں دیدار نبوی ﷺ حاصل ہوا)۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں تو احتمال کا اظہار کیا ہے، لیکن تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ حضرت ثعلبہؓ نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے اور ان سے بغیر کسی واسطے کے روایت بھی کی ہے۔

ان تمام بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ زیادہ تر ارباب رجال کا رجحان ان کے صحابیت کی طرف ہے، گو تابعین میں داخل کرنے والے حضرت کے اقوال بھی بالکل نظرانداز نہیں کئے جاسکتے۔ لیکن میں نے حافظ ابن حجر کی اتباع میں انہیں صحابہ کی فہرست میں رکھا ہے۔

[2] التاریخ الکبیر میں امام کا لفظ ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے امام بخاریؒ کا یہی قول تہذیب میں نقل کیا ہے، جس میں ایام بنی قریظہ ہے۔ اگر ایام کا لفظ صحیح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ غزوۂ قریظہ کے وقت اچھی خاصی عمر کے تھے اور اگر امام لفظ مانا جائے تو اس مشہور روایت سے تطابق ہوجائے گا، جس میں ہے کہ وہ بنی قریظہ کے امام تھے۔

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت حارثہ بن نعمانؓ، حضرت جابرؓ [۱] اور ابن عمرؓ [۲] وغیرہ۔ ان سے حسب ذیل حضرات نے روایتیں کی ہیں۔ ان کے دونوں صاحبزادے، امام زہری، مسور بن رفاعہ، محمد بن عقبہ، صفوان بن سلیم [۳]، ابن الہاد [۴]۔

امامت : قبیلہ بنو قریظہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے، ان کی نماز کی امامت کم عمری کے باوجود حضرت ثعلبہؓ ہی کے سپرد تھی۔ تہذیب میں ہے۔

" وكان ثعلبة يوم بنى قريظة غلامًا " .

''حضرت ثعلبہؓ بچپن کے باوجود بنی قریظہ کی امامت کرتے تھے''۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے وقت کمسن تھے۔

(ج)

(۱۷) حضرت جارودؓ بن عمرو

نام ونسب : بشر نام ہے۔ ابو منذر کنیت۔ جارود لقب۔ نسب نامہ یہ ہے : جارود بن عمرو ابن معلّٰی عبدی قبیلہ عبد قیس کے سردار تھے۔ جارود کا لقب ایک خاص واقعہ کی یادگار ہے۔ زمانہ جاہلیت میں انہوں نے قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا۔ ''جرود'' کے معنی بے برگ وبار کے ہیں۔ اس لئے جارودان کا لقب پڑ گیا۔ اسی وقعہ کو بطور مثال شاعر کہتا ہے :

فدسنا هم بالخيل من كل جانب　　كما جرد الجارود بكر بن وائل

''ہم نے ہر طرف دشمن کو اپنے لشکر کے ذریعہ روند ڈالا۔ جس طرح کہ جارود نے بکر بن وائل کو صاف کیا تھا''

اسلام : جارود مذہباً عیسائی تھے۔ قبیلہ عبد قیس کے وفد کے ساتھ ۱۰ھ میں مدینہ آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا محمد ﷺ میں ایک مذہب پر تھا، اب تمہارے

۱۔ تہذیب ذکر ثعلبہ　۲۔ تاریخ الکبیر ذکر ثعلبہ　۳۔ تہذیب ذکر ثعلبہ　۴۔ تاریخ الکبیر ایضاً

۵۔ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۱ واصابہ اول تذکرہ جارودؓ

۶۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب وہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جارود تم نے اور تمہاری قوم نے آنے میں بہت دیر کی۔ جارود نے معذرت پیش کی اور کہا کہ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے آپ کی صفات انجیل میں دیکھی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے آنے کی خوشخبری دی ہے۔ پھر آپ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں، پھر آپ نے کلمہ پڑھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ (سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۲۶۶ وتاریخ ابن عساکر۔ ص ۳۵۶)

مذہب کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑنے والا ہوں۔ میرے تبدیل مذہب کے بعد تم میرے ضامن ہو گے؟ فرمایا "ہاں میں تمہارا ضامن ہوں، خدا نے تم کو تمہارے مذہب سے بہتر مذہب کی ہدایت کی ہے"۔ اس مختصر سوال و جواب کے بعد جارود اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام لانے پر بڑی مسرت ہوئی، آپ نے ان کی بڑی عزت و توقیر کی[1]۔

قبول اسلام کے بعد وطن لوٹنے کا قصد کیا اور آنحضرت ﷺ سے سواری مانگی۔ لیکن سواری کا انتظام نہ ہو سکا تو جارود نے اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ! راستے میں ہم کو دوسروں کی بہت سواریاں ملیں گی، ان کے استعمال میں لانے کی اجازت ہے؟ فرمایا "نہیں انہیں آگ سمجھو"۔ غرض جارود خلعت اسلام سے فراز ہونے کے بعد وطن واپس گئے[2]۔

فتنۂ ارتداد: فتنۂ ارتداد میں ان کے قبیلہ کے بہت سے آدمی مرتد ہو گئے، لیکن ان کے استقامت ایمانی میں کوئی تزلزل نہ آیا۔ چونکہ سردار قبیلہ تھے، اس لئے اپنے اسلام کا اعلان کر کے دوسروں کو ارتداد سے روکتے تھے[3]۔

شہادت: حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بصرہ میں اقامت اختیار کر لی اور ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک۔ باختلاف روایت فارس یا نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے[4]۔

اولاد: آپ کے ایک صاحبزادہ منذر تھے، جن کی نسبت سے آپ کی کنیت ابو منذر ہے۔

فضل و کمال: ابو مسلم الجذمی، ابو القموص، زین بن علی اور محمد بن سیرین نے ان سے روایت کی ہے[5]۔
جارود شاعر تھے۔ اشعار ذیل بارگاہِ نبوی ﷺ میں بطور نذر عقیدت پیش کئے تھے[6]۔

شهدت بان الله حق وسامحت　　بنات فوادی بالشهادة والنهضی

"میں نے گواہی دی کہ اللہ حق ہے اور میرے جذبات نے بھی اس شہادت اور عمل میں میرا ساتھ دیا"

فابلغ رسول الله انی رسالة　　بانی حنیف حیث کنت من الارض

"میری طرف سے رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں زمین کے جس حصہ پر بھی رہوں گا موحد رہوں گا"

واجعل لنفسی دون کل ملمة　　لکم جنة من عرضکم عرضی

"ہر مصیبت کے وقت میں اپنی جان پیش کر دوں گا، اے مسلمانو! تمہاری عزت کے لئے میری عزت ڈھال ہے"

فان لم تکن داری بیثرب فیکم　　فانی لکم عند الاقامة والحفضر

"اگرچہ میرا مستقل قیام یثرب میں نہیں ہے مگر اس عارضی اقامت میں بھی میں تمہارا ہی ہوں"

---

۱ اسد الغابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۶۱　۲ سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۶　۳ ایضاً
۴ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲　۵ تہذیب التہذیب ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۵۴　۶ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۶

اخلاق : جارود کے صحیفۂ کمال میں آزادی، جرأت اور اظہار حق میں بیبا کی کا عنوان نہایت جلی تھا۔ جس بات کو حق سمجھتے تھے، پھر اس کے اظہار میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بحرین کے گورنر قدامہ بن مظعون کو بعض رومیوں نے شراب پیتے ہوئے دیکھا۔ جارود کو اس کا علم ہوا تو حضرت عمرؓ کے پاس آ کر کہا کہ امیر المومنین قدامہ نے شراب پی ہے، ان پر شرعی حد جاری کیجئے۔

آپ نے شہادت طلب کی جارود نے ابو ہریرہؓ کو پیش کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے شہادت دی کہ میں نے نشہ کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے قدامہ کو طلب کیا۔ وہ آئے ان کے آنے کے بعد جارود نے پھر کہا، امیر المومنین کتاب اللہ کی رو سے حد جاری کیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہیں اتنا اصرار کیوں ہے؟ تم گواہ ہو مدعی نہیں ہو تمہارا کام شہادت دینا تھا، جسے تم پورا کر چکے۔

اس وقت جارود خاموش ہو گئے۔ لیکن دوسرے دن پھر اصرار کیا۔ شہادت ناکافی تھی، اس لئے حضرت عمرؓ کو جارودؓ کا بے جا اصرار ناگوار ہوا اور فرمایا تم تو مدعی بنے جاتے ہو، شہادت صرف ایک ہے۔ اس اعتراض پر جارودؓ نے کہا، عمرؓ میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ حد میں تاخیر نہ کرو۔ آخر میں جارود کی بے جا ضد پر حضرت عمرؓ کو تنبیہ کرنا پڑی کہ جارود خاموش رہو، ورنہ میں بُری طرح پیش آؤں گا۔

اس تنبیہ پر جارودؓ نے غضب آلود ہو کر کہا، عمرؓ حق اس کا نام نہیں کہ تمہارا ابن عم شراب پیئے اور تم اُلٹا مجھے بُرے سلوک کی دھمکی دو۔ آخر میں جب قدامہ کی بیوی نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے حد جاری کرائی [1]۔

روایت : آپ چونکہ متاخر الاسلام تھے۔ اس لئے آپ کی روایتوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ مسند میں یہ ایک روایت ہے۔

"ضالة المومن حرق النار" [2]۔

''مومن کی گم شدہ چیز کو جس نے اپنی ملکیت بنایا اس نے اپنے کو آگ میں جلایا''۔

آپ سے صحابہ میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص اور تابعین میں ابو مسلم الجذامی و مطرف ابن عبداللہ بن شخیر و زید بن علی و ابوالخوص بن سیرین وغیرہ نے روایت کی۔

---

[1] اس واقعہ کو تمام ارباب سیر نے قدامہ کے حالات میں لکھا ہے۔　[2] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۸۰ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔

(۱۸) حضرت جبرؓ

نام ونسب : جبر نام ہے۔ عبداللہ بن الحضرمی کے غلام اور مذہباً یہودی تھے۔

اسلام : خدمت نبوی ﷺ میں اکثر ان کی آمدورفت رہا کرتی تھی۔ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ یوسف تلاوت فرمائی۔ ان پر کلام الٰہی کا ایسا اثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے [1]۔

تعذیب اور کتمان اسلام :

لیکن چونکہ وہ ابن حضرمی کے خاندان کے غلام تھے اور اس خانوادہ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس لئے ان کو ڈر تھا کہ اگر وہ اسلام کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی جان کی خیر نہیں۔ اس بنا پر انہوں نے اسلام قبول کیا، لیکن آنحضرت ﷺ کے یہاں آمدورفت یا کسی اور ذریعہ سے جب انہیں ان کے اسلام قبول کر لینے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان پر سختی شروع کی اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے پر مجبور کیا۔

لیکن اسلام کی تاثیر ایسی نہیں تھی کہ وہ ایک بار دل میں گھر کر جانے کے بعد زائل ہو سکے۔ چنانچہ ظاہری طور پر تو انہوں نے اسلام سے برأت کا اظہار کر دیا، لیکن قلب کے سوز و گداز کا حال ویسا ہی تھا۔ چنانچہ قرآن نے ان کے متعلق فرمایا :

"وقلبه مطمئن بالایمان"۔

"(اس کو کفر کے اظہار پر مجبور کیا گیا) لیکن اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہے"۔

فتح مکہ اور آزادی : رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں تھے، اسی وقت انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن فتح مکہ تک اپنے اسلام کو چھپاتے رہے۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنی تکالیف اور گذشتہ مشقتوں کا اظہار کیا۔ آنحضرت ﷺ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ آزادی کے بعد انہوں نے پوری زندگی بڑی فارغ البالی سے گزاری۔

نکاح : بنی عامر کی کسی معزز عورت سے ان کی شادی ہوئی تھی [2]۔

ذریعہ معاش : تلوار اور برتن وغیرہ کی صفائی اور قلعی کا کام ان کا ذریعہ معاش تھا [3]۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۱ [2] اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۴ [3] ایضاً

فضائل : بہت سی آیتوں کے سبب نزول کے ضمن میں ان کا نام بھی آتا ہے۔طبری نے اس آیت کے ضمن میں

" وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ "۔

"اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ،ان کو تو آدمی سکھاتا ہے،جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہےاور یہ قرآن صاف عربی ہے"۔

خصوصیت کے ساتھ ان کا نام لیا ہے۔

(۱۹) حضرت جبلؓ

نام ونسب : جبل نام ہے۔قبیلہ ذبیان سے نسبی تعلق تھا،مگر یہود بنی قریظہ کے ساتھ مدینہ میں رہتے تھے۔پورا سلسلۂ نسب یہ ہے : جبل بن جوال بن صفوان بن بلال بن اصرم بن لویاس بن عبدغضم بن حجاش بن مجالہ بن مازن بن ثعلبہ بن سعد بن ذبیان النشاء الذبیانی ثم الثعلبی [۱]۔

اسلام : آپ کے قبول اسلام کا زمانہ صحیح طور پر معلوم نہیں،ارباب رجال صرف اتنا کہتے ہیں :

"كان يهود يا مع بنى قريظة فا سلم" [۲]۔

"یہودی تھے،بنی قریظہ کے ساتھ رہتے تھے۔پھر اسلام لائے"۔

مگر قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غزوۂ بنی قریظہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔اس لئے کہ بنو قریظہ کا جب استیصال کیا گیا تو جبل نے حیی بن اخطب کا مرثیہ کہا اور بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار کہے [۳] :

الا يا سعد ، سعد بنى معاذ	لما فعلت قريظة والنظير
تركتم قدركم لاشئى فيها	وقدر القوم القوم حامية تفور
ولكن لاخلود مع المنايا	تخطف ثم نضمها الغيور

جس کا جواب حضرت حسانؓ بن ثابت نے اسی بحر قافیہ میں دیا :

تعاهد معشر نصروا علينا	فليس لهم ببلدتهم نضير
هم اوتوا الكتاب فضيعوه	فهم عن التوراة بور
كذبتم بالقران وا ابيتم	بتصديق الذى وقال النذير

۱۔ اسد الغابہ۔جلد ا۔ص ۲۶۷ ۲۔ اصابہ۔جلد ا۔ص ۲۲۲ ۳۔ ایضاً

ظاہر بات ہے کہ وہ اسلام لا چکے ہوتے تو بنو قریظہ کی حمایت میں یہ اشعار نہ کہتے اور نہ حضرت حسانؓ بن ثابت کو جواب دینے کی ضرورت پیش آتی۔

انہوں نے ایک شعر میں خیبر میں اپنی بہادری اور شرکت کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خیبر کے وقت اسلام قبول کر چکے تھے۔ وہ شعر یہ ہے:

رميت نطاة من النبی بضيلق　　　شهبأ ذات مناقب ووقار

''میں نے نطاۃ (چراگاہ یا کوئی خاص جگہ) پر نبی ﷺ کے ایک بہادر مسلح اور بڑے محاسن والے لشکر کے ذریعہ حملہ کیا''

وفات: وفات کے متعلق ارباب رجال نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔

(ح)

(۲۰) حضرت حیر نجرہؓ

نام ونسب: حیر نجرہ نام ہے[۱] نسباً اور عقیدۃً یہودی تھے، لیکن یہ نہیں پتہ چلا کہ یہود کے کس قبیلہ سے آپ کا تعلق تھا اور کہاں کے باشندے تھے۔ آگے جو واقعات آتے ہیں، ان سے قیاس ہوتا ہے کہ یہود مدینہ ہی کے کسی قبیلہ سے رہے ہوں گے۔

اسلام: رسول اللہ ﷺ نے حیر نجرہ سے کچھ رقم بطور قرض لی تھی۔ انہوں نے آپ ﷺ سے تقاضا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ادائے گی کے لئے رقم موجود نہیں تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے مہلت چاہی، مگر نجرہ نہ مانے اور کہا کہ آپ (ﷺ) جب تک مجھے میرا قرض نہ ادا کر دیں گے، میں آپ (ﷺ) کو نہیں چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ سے بالکل چمٹ کر بیٹھ گئے۔ صحابہ کو ان کا یہ طرز عمل بُرا معلوم ہوا۔ انہوں نے حیر نجرہ کو کچھ لعنت ملامت کرنی شروع کی، مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں منع کیا اور فرمایا کہ ''میرے رب نے مجھے اس سے روکا ہے کہ میں اپنے کسی معاہد پر کسی قسم کا ظلم کروں''۔ پھر دن ڈھلتے ڈھلتے حیر نجرہ نے آپ کے اس حلیمانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا[۲]۔

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

فضائل: آپ کے صحیفۂ فضائل میں یہ واقعہ بہت ہی درخشاں طور سے درج ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ برضا راہِ خدا میں خرچ کر ڈالا[۳]۔

---

۱ بعض لوگوں نے خیر نجرہ لکھا ہے، مگر حیر نجرہ صحیح ہے۔　　۲ اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۳۶۶　　۳

(د)

(۲۱) حضرت درید الراہبؓ

نام ونسب : درید نام ہے۔ حبشہ کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ حضرت نجاشیؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو وفد بھیجا تھا اُس میں حضرت دریدؓ بھی تھے۔

فضل وکمال : راہب ان کے نام کا جز ہو گیا تھا، جس سے ان کے فضل وکمال پر روشنی پڑتی ہے۔ اس آیت کے جو لوگ مصداق ہیں، ان میں حضرت دریدؓ کا نام بھی لیا گیا ہے۔

" وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰىٓ اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ ".

''رسول اللہ کی طرف جو کچھ نازل ہوا جب انہوں نے اسے سُنا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں''۔

(ذ)

(۲۲) حضرت ذودجنؓ

نام ونسب : علقمہ نام ہے۔ ذودجن[۱] کے نام سے مشہور ہیں۔ حبشہ سے بہتر (۷۲) آدمیوں کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تھا، اس میں آپ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے ان کا نسب دریافت کیا تو ان میں ایک نے کچھ اشعار پڑھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت ہود علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اسلام : قبولِ اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی، مگر اتنا معلوم ہے کہ اس وفد کے تمام افراد شرفِ صحبت سے سرفراز ہوئے تھے۔ اسد الغابہ میں ہے :

" وصحبوا[۲] كلهم النبى صلى الله عليه وسلّم "۔ ترجمہ : ''سب کے سب صحابی تھے''۔

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ لوگ حبشہ میں اسلام لا چکے تھے۔ اگر مدینہ میں اسلام لاتے تو جس طرح نسب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے سوال اور ان کے جواب کا ذکر ہے، اسلام لانے کا ذکر ضرور ہوتا۔ واللہ اعلم

زندگی کے دوسرے حالات اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

۱؎ اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۴۷۴ ۲؎ ایضاً۔ ص ۴۸۵ ۳؎ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۱

(۲۳) حضرت ذو مخمرؓ [۱]

نام و نسب : ذو مخمر یا ذو مخبر نام ہے۔ شاہ حبشی نجاشی کے بھتیجے تھے۔ نجاشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خود تو نہ آسکے، مگر ان کو آپ کی خدمت کے لئے بھیجا۔

خدمتِ نبوی ﷺ میں آمد :

حبشہ کے بہتر آدمیوں کے ساتھ بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔

اسلام : اس کی تصریح تو نہیں ملتی کہ وہ مدینہ پہنچ کر اسلام لائے یا حبشہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ مگر حضرت نجاشیؓ حضرت ذو مخمرؓ کے آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ چچا کے ساتھ حضرت ذو مخمرؓ نے بھی اسلام قبول کیا ہوگا اور مدینہ بحالت اسلام آئے ہوں گے۔

غزوات : غزوات میں شرکت کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ البتہ مسند کی ایک روایت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں بھی شریک رہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ تیز چل کر لوگوں سے آگے نکل جایا کرتے تھے (اور ایسا سامانِ سفر کی قلت کی وجہ سے کیا کرتے تھے کہ راستہ میں زیادہ دیر لگے گی تو زادِراہ سفر زیادہ چاہئے)۔ چنانچہ اس سفر میں بھی وہ آگے نکل گئے، تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! بہت سے لوگ پیچھے چھوٹ گئے ہیں، آپ ٹھہر گئے۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا : اگر تم لوگ چاہو تو تھوڑا سا آرام کر لو۔ پھر فرمایا کہ رات کے وقت نگرانی کون کرے گا؟ حضرت ذو مخمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا۔

آپ ﷺ نے اُونٹنی کی نکیل میرے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا کہ غلطی سے بے خبر نہ ہو جانا۔ میں آپ ﷺ کی اور اپنی اُونٹنی کی نکیل پکڑ کر وہاں سے کچھ دور لے گیا اور دونوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ میں برابر اُونٹنیوں کو دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں مجھے نیند آ گئی اور ایسی گہری نیند آئی کہ جب اُٹھا تو سورج کی کرنیں میرے اُوپر پڑ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ دونوں اُونٹنیاں چر رہی ہیں۔ میں نے دونوں کی

---

[۱] امام اوزاعی ہمیشہ آپ کا نام ذو مخمر (م) کے ساتھ لیا کرتے تھے۔ ابن سعد نے بھی اس کو اختیار کیا ہے، البتہ امام ترمذی ذو مخبر (ب) کے ساتھ ان کا ذکر کرتے تھے۔ تجرید اور البدایہ والنہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۳۴ و تہذیب التہذیب۔ جلد ۳۔ ص ۳۳۴

نکیل پکڑے ہوئے جہاں سب لوگ سور ہے تھے، آیا اور کنارے سے ایک شخص کو جگایا اور پوچھا کہ تم لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ اس نے کہا نہیں! پھر اس نے سب لوگوں کو جگایا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اُٹھے اور آپ نے اور تمام صحابہ نے وضو کیا اور باجماعت نماز فجر کی قضا کی[1]۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سفر کسی غزوے ہی کے لئے رہا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات تک آپ مدینہ میں رہے، بعد شام منتقل ہو گئے اور غالباً وہیں سکونت بھی اختیار کر لی۔ اس لئے اہلِ طبقات آپؓ کو شامیین میں شمار کرتے ہیں۔

وفات : وفات کے متعلق اہلِ طبقات نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ البتہ تہذیب التہذیب میں یہ ہے کہ

" نزل الشام ومات به " ۔　　ترجمہ : ''شام گئے اور وہیں وفات پایہ''۔

علم وفضل : آپ سے مسند میں متعدد روایتیں ہیں ۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں بھی آپ کی روایتیں موجود ہیں۔ حسبِ ذیل حضرات نے آپ سے روایتیں کی ہیں : ابوحیٰ المؤذن، جبیر ابن نفیر، عباس بن عبدالرحمٰن، عمرو بن عبدالرحمٰن الحضرمی وغیرہ۔

خدمتِ نبوی ﷺ : ذومخمرؓ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ آپ کا شمار رسول اللہ ﷺ کے خدام میں ہے۔ اس شرف میں آپ اس قدر مشہور ہوئے کہ بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کے موالی[3] کی فہرست میں آپ کو بھی شمار کیا ہے۔

(۲۴) حضرت ذومناحبؓ [4]

نام ونسب : آپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے مناحب (خ) اور بعض لوگوں نے ذومنارح (ح) اور بعض نے ذومناحب لکھا ہے۔

زیارت نبوی ﷺ : آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہوئے اور دوسرے حالات حضرت ذودجنؓ کے تذکرہ میں گزر چکے ہیں۔

---

[1] البدایہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۲۴　　[2] استیعاب۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۴

[3] موالی جن کو اُردو میں غلام کہا جاتا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں، جو جنگ میں گرفتار ہو کر آتے تھے اور ہر خادم ہر وہ شخص ہے جو کسی کی خدمت کرتا ہو۔ موالی خاص ہے اور خادم عام۔

[4] بعض لوگوں نے ذومناحب اور ذومنارح کو دو سمجھا ہے۔ مگر اسد الغابہ نے یہ تصریح کی ہے کہ ذومنارح اور ذومناحب ھما واحد' (دونوں ایک ہیں)۔ ص ۱۴۵

(۲۵) حضرت ذومہدمؓ

نام ونسب : ذومہدم نام ہے۔ آپ بھی حبشہ کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے تھے۔

خدمتِ نبوی ﷺ میں آمد : جب حبشہ کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور وآنحضرت ﷺ نے ان کا نسب دریافت کیا تو حضرت ذومہدمؓ نے ان اشعار میں جواب دیا :

علی عهد ذی القرنین کانت سیوفنا صوارم یغلقن الحدید المذاکرا

وَهُوْد[1] ابونا الناس کلهم وفی ذمن الاحقان غذًا مدخرا

فمن کان یعمی عن ابیه فاننا فجدنا ابانا العذ علی المذاکرا

اور دوسرے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔

(ر)

(۲۶) حضرت رافع القرظیؓ

نام ونسب : رافع[2] نام ہے۔ بنوقریظہ کی ایک شاخ زنباع تھی۔ آپ کا نسبی تعلق اسی قبیلہ زنباع سے تھا۔

اسلام : اس کی تصریح نہیں مل سکی کہ آپ کب اسلام لائے۔

خدمتِ نبوی ﷺ میں درخواست :

آپ کو اپنے متعلق غالباً کٹھ خطرہ تھا۔ اس لئے آپ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امان کی ایک تحریر لکھ دینے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں یہ تحریر لکھ کر دی :

"انه لا یجنی علیه احد الا یده"۔

" (اپنے کئے پر ماخوذ ہوں گے) اس کے علاوہ کوئی دارو گیر نہیں کر سکتا "۔

وفات اور دوسرے حالات کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔

---

[1] اسد الغابہ میں ان اشعار کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ **وهود ابونا** قابل غور ہے۔ اس لئے کہ اہل حبشہ ہود علیہ السلام کی اولاد سے نہیں ہیں۔ پھر خود ہی جواب دیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عرب باشندے ہوں اور حبشہ میں سکونت اختیار کر لی ہو۔ واللہ اعلم (اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۵)

[2] تجرید میں رافع ابن القرظی درج ہے۔ مگر اور کتب طبقات میں رافع القرظی ہے۔ اس لئے ہم نے اسی کو ترجیح دے ہے۔ اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۵

(۲۷) حضرت رفاعہؓ بن السموٴال

نام ونسب : رفاعہ نام ہے۔ باپ کا نام سموٴال[1] یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے آپ کا نسبی تعلق تھا[2]۔ سموٴال کی ایک لڑکی سبرۃ حیی بن اخطب حضرت صفیہ کے باپ سے منسوب تھی اور اسی رشتہ سے حضرت رفاعہؓ حضرت صفیہؓ کے ماموں ہوتے تھے[3]۔

اسلام : آپ کے اسلام لانے کے متعلق کوئی تفصیل کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔ غزوۂ بنی قریظہ کے روز ایک عورت کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو قتل سے بری کر دیا تھا۔

(البدایہ۔ جلد۴۔ ص۱۲۶)

آپ کا نکاح اور طلاق :

عائشہ یا تمیمہؓ[4] نام ایک صحابیہ سے شادی کر لی تھی، لیکن کسی وجہ سے انہیں طلاق دے دی حضرت تمیمہؓ نے ایک یہودی صحابی عبدالرحمٰنؓ سے نکاح کر لیا۔ مگر عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے بھی کسی خاص وجہ سے تعلقات خوشگوار نہیں رہے، اس لئے انہوں نے ان سے بھی علیحدگی کرالی۔ اس کے بعد

---

[1] سموٴال فیاضی اور سخاوت کے علاوہ شاعری میں بھی ممتاز تھا۔ اس کے یہودی یا نصرانی ہونے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ الاب شیخو جنہوں نے سموٴال کا دیوان شائع کیا ہے۔ اس کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ وہ نصرانی تھا اور اس کے ثبوت میں دو باتیں خاص طور سے پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ سموٴال غسان کی طرف منسوب ہے اور ظاہر ہے کہ غسان نصرانی تھے۔ دوسری یہ کہ سموٴال کے بعض اشعار میں مسیح سید اور حواری وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نصرانی تھا۔ لیکن جن اشعار سے الاب شیخو نے ان کے عیسائی ہونے پر استدلال کیا ہے، حماسہ کے شارح نے لکھا ہے کہ یہ اشعار سموٴال کے نہیں بلکہ عبداللہ الحارثی کے ہیں۔ اب رہی اسکی نسبی حیثیت تو اہل انساب میں اختلاف ضرور ہے، لیکن یہ کہیں سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ نصرانی تھا اور اگر اس کو غسانی بھی مان لیا جائے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ نصرانی بھی تھا۔ نیز یہ کہ خود اس کے بھائی شعبہ بن عریض کے متعلق سب یہ کہتے ہیں کہ وہ یہودی تھا۔ اس کے علاوہ سموٴال کے عزیزانہ تعلقات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھا۔ چنانچہ حضرت صفیہؓ کی ماں اسی سموٴال ہی کی لڑکی تھیں اور حضرت صفیہؓ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ مدینہ کے مشہور یہودی حیی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ محمد بن سلام نے بھی اپنی کتاب طبقات الشعراء میں جو شعراء کا سب سے قدیم تذکرہ ہے، لکھا ہے کہ تیماء کا یہودی تھا۔ (ص۔۱۰۹)

[2] مسعودی وغیرہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا آبائی وطن تیماء اور نسبی تعلق عادیا سے تھا۔ چونکہ ان کی بہن سبرۃ حیی بن اخطب سے منسوب تھی۔ شاید اسی ذریعہ سے یہ لوگ مدینہ چلے گئے ہوں گے۔ اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ حضرت رفاعہؓ کا باپ سموٴال ابن عادیا کے نام سے مشہور ہے اور ظہور اسلام کے وقت بنو عادیا کا خاندان تیماء پر حکمران تھا۔

(التنبیہ والاشرف۔ ص۲۵۸ بحوالہ سیاسی زندگی۔ ص۳۴۶ از ڈاکٹر حمید اللہ)　　[3] اسد الغابہ، جلد۲۔ ص۱۵۱

[4] آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ ان دو ناموں کے علاوہ سہیمہ، رمیصاء (مہمیہ)، غمیصا اسماء مذکور ہیں۔ مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آتا ہے۔ اسد الغابہ۔ جلد۵۔ ص۱۸۵

پھر دوبارہ حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا، لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا[1]۔ اس آیت

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ"۔

"جب وہ طلاق دے دے تو جب تک عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اس کے لئے حلال نہیں ہوتی"۔

کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے[2]۔

اسد الغابہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں آئیں اور حضرت رفاعہؓ سے نکاح کا خیال ظاہر کیا، مگر انہوں نے بھی روکا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے نکاح کی اجازت چاہی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد تم اس ارادہ سے باز نہ رہو گی تو تم کو رجم[3] کر دوں گا۔ چنانچہ پھر وہ اس ارادہ سے باز رہیں۔

عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی :

اس مذکور واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک حضرت رفاعہؓ زندہ رہے، لیکن اس کے بعد وہ کب تک اس دارِ فانی میں رہے اور کب داعئ اجل کو لبیک کہا، تذکروں میں اس کی تصریح نہیں ملتی۔

(۲۸) حضرت رفاعۃ القرظیؓ[4]

نام ونسب : رفاعۃ نام ہے۔ باپ کا نام قرظہ تھا۔ سبأ یہودی تھے[5]۔ جب بنی قریظہ کے لوگوں کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا تو یہ تاکید تھی کہ نابالغ بچے نہ قتل کئے جائیں۔ حضرت رفاعۃؓ اس وقت کمسن تھے، اس لئے قتل نہیں کئے گئے۔

---

[1] چونکہ یہ صورت حلالہ کی تھی اور حضرت عبدالرحمن اب تک ان سے متمتع نہیں ہو سکے تھے، اس لئے آپ ﷺ نے اس ارادہ سے باز رکھا۔ (روح المعانی۔ جلد ۲۔ ص ۱۳۲)

[2] اسد الغابہ میں یہی واقعہ رفاعہ بن ذہب کے تذکرہ میں بھی درج ہے۔ مگر آخر میں انہوں نے یہ تصریح کر دی ہے کہ یہ دونوں واقعہ ایک ہی ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی ایک ہی واقعہ تسلیم کیا ہے۔ [3] اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۵۱۹

[4] بعض لوگوں نے رفاعہ بن السموأل اور ان کو ایک تصور کیا ہے۔ مگر اصابہ میں اس کی تردید ہے۔ (اصابہ۔ جلد ۱۔ ص ۵۰۹)

[5] البدایہ والنہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۱۲۵

اسلام : قبولِ اسلام کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔ اصابہ میں اس قدر ہے کہ ''ان کو دیدارِ نبوی حاصل ہوا تھا''۔ آپ کے صاحبزادے علی کا بیان ہے : کہ

'' کان ابی من وفد الذین اسلمو من اھل الکتاب ''[1]۔

''اہلِ کتاب کے اس وفد میں جنہوں نے اسلام قبول کیا، میرے باپ بھی تھے''۔

فضل و کمال : آپ کا شمار ان اہلِ کتاب صحابہ میں ہے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :

'' وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ''۔

''ہم نے اس کلام کو وقتاً فوقتاً یکے بعد دیگرے بھیجا تاکہ وہ لوگ نصیحت پکڑیں اور جن کو ہم نے اس پہلے کتاب دی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں (اور قرآن پر بھی)''۔

حضرت رفاعہؓ خود فرماتے تھے کہ یہ آیت جن دس آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی، ان میں ایک میں بھی تھا[2]۔

دین کی راہ میں آپ کو بارہا مشق ستم بننا پڑا۔ مگر آپ کے قدم میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ آپ کے صاحبزادے علی فرماتے ہیں کہ جب یہود میرے والد کے پاس سے گزرتے تو ان کا مذاق اُڑاتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

'' اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا ''[3]۔

''یہی لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دہرا ثواب ملے گا''۔

(ز)

(۲۹) حضرت زیدؓ بن سعنہ

نام و نسب : زید نام ہے۔ باپ کا نام سعنہ تھا۔ آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا نسبی تعلق کس قبیلہ سے تھا۔

اسلام : زید بنؓ سعنہ نے اپنے اسلام لانے کے واقعہ کو خود بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ توریت میں آنحضرت ﷺ کی جتنی نشانیاں بتائی گئی تھیں وہ سب کی سب میں نے آپ کے چہرۂ نور پر دیکھ لیں۔ صرف دو چیزوں کا مجھے تجربہ کرنا تھا۔ جب ان کا بھی تجربہ ہو گیا تو اسلام قبول کر لیا۔ چنانچہ

[1] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۰۷ [2] تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۱۹۸ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۵

میں نے آپ سے ملنا جلنا شروع کردیا کہ آپ کے علم کا اندازہ کروں۔

فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے حجرے سے باہر نکلے۔ آپ کے ہمراہ حضرت علیؓ بھی تھے۔ اسی وقت ایک دیہاتی شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا کہ فلاں بستی کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ میں ہمیشہ ان سے یہ کہتا تھا کہ اسلام قبول کرلو تو رزق کی فراوانی ہوگی، لیکن اللہ کا کیا دیکھئے کہ اس سال سخت قحط پڑا ہے، بارش بالکل نہیں ہوئی ہے۔ یا رسول اللہ (ﷺ) میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ اسلام چھوڑ نہ دیں۔ اگر آپ ان کی مدد کے لئے کچھ غلّہ وغیرہ بھیجتے تو بہتر ہوتا۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کچھ فرمایا، حضرت علیؓ نے جواب دیا یا رسول اللہ (ﷺ) اس میں سے تو کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی۔

حضرت زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے قریب گیا اور کہا کہ آپ فلاں باغ کی کھجوریں، کی رعایت کے ساتھ فروخت کریں گے؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ کھجوریں فروخت تو ضرور کرنا چاہتا ہوں، مگر کسی باغ کی شرط نہیں لگا سکتا۔ میں نے کہا اچھی بات ہے۔ پھر میں نے اپنی روپیوں کی تھیلی کھولی اور اسی (۸۰) مثقال سونا ایک متعین مدت کے لئے دے دیا۔

جب مدت ختم ہونے میں دو تین روز رہ گئے تو میں آپ کے پاس آیا اور آپ کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور غصہ آلود نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہ اب تک تم نے قرض ادا نہیں کیا۔ خدا کی قسم بنو عبد المطلب ہمیشہ ایسے ہی حیلہ حوالہ کرتے رہتے تھے، مجھے کئی بار لین دین کا تجربہ ہو چکا ہے۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ یہ دیکھ کر غصہ سے بیتاب ہو گئے اور کہا کہ او دشمنِ خدا ! رسول اللہ ﷺ سے گستاخی کر رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ "اے عمرؓ! تم سے ہم کو یہ توقع تھی کہ تم اس سے کہتے نرمی سے تقاضہ کرو اور مجھ سے کہتے کہ میں وقت پر اس کا قرض ادا کردوں۔ عمرؓ! جاؤ اس کا قرض ادا کرنے کے بعد بیس صاع کھجوریں اور زیادہ دے دو"۔

حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کی یہ زیادہ کیوں دینے کو کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نے جو تم سے سخت کلامی کی ہے، یہ اس کا کفارہ ہے۔ پھر میں نے کہا کہ عمرؓ! تم نے مجھے پہچانا، انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا میں زید بن سعنہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ جو زید الحبر (عالم) مشہور ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کیا بات تھی کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایسا کیا۔ زید بن سعنہ نے کہا کہ نبوت کی اور تمام نشانیاں تو آنحضرت ﷺ کے چہرے بشرے سے ظاہر تھیں۔ صرف ان دو باتوں کا تجربہ کرنا تھا۔

"هل يستبق حلمه جهلا و لا تزيد شدة جهل الا حلمًا".

"کیا اس کا حلم اس کے غصہ سے سبقت لے جاتا ہے اور جاہلانہ حرکتیں حلم وتحمل کو اور بڑھادیتی ہیں"۔

ان باتوں کا تجربہ ہوگیا۔ اس لئے اب اسلام کا حلقہ بگوش ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس اسلام قبول کیا[1]۔

وفات : آخری مرتبہ زیدؓ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے۔ پوری شجاعت سے لڑے۔ مدینہ واپس ہوتے ہوئے راستہ میں شہادت نصیب ہوئی[2]۔

غزوات : اسلام لانے کے بعد جتنے غزوات ہوئے سب میں شریک ہوئے۔

انفاق فی سبیل اللہ : آپ کے صحیفۂ اخلاق میں انفاق فی سبیل اللہ نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔ چنانچہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اپنا نصف مال راہِ خدا میں صدقہ کردیا[3]۔

(س)

(۳۰) حضرت سعدؓ بن وہب

نام ونسب : سعد نام ہے۔ باپ کا نام وہب تھا۔ قبیلۂ بنونضیر سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام : بنونضیر جب اپنی بدعہدی کی وجہ سے مدینہ جلاوطن کئے گئے تو ان میں سے جو دو آدمی اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے، ان میں ایک حضرت سعدؓ بن وہب بھی تھے۔

بنونضیر نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدعہدی اور دشمنی کی حد کردی تھی۔ چنانچہ جب وہ جلاوطن کئے گئے تو ان کا مال اور ان کی جائداد بھی ضبط کرلی گئی۔ مگر حضرت سعدؓ چونکہ اسلام لاچکے تھے، اس لئے ان کی تمام چیزیں محفوظ رہیں[5]۔

(۳۱) حضرت سعنہؓ

نام ونسب : سعنہ نام ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے : سعنہ بن عریض بن عادیا التیماوی[6] اور عقیدۃً یہودی تھے۔

اسلام : زمانۂ قبولِ اسلام کی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ حضرت علیؓ کے معاونین میں تھے اور ان سے خاص تعلق تھا۔

---

[1] مستدرک۔ جلد۳۔ ص۶۰۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] اصابہ تجرید وغیرہ [5] البدایہ۔ جلد۴۔ ص۷۶
[6] تیماء شام اور حجاز کے درمیان ایک مقام ہے۔ اصابہ۔ جلد۲۔ ص۴۲

حضرت معاویہؓ سے آپ کی گفتگو :

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ حج کے لئے تشریف لائے تو مسجد میں حضرت سعنہؓ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ ارض تیماء کا کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ صحیح و سالم باقی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کردو۔ آپ نے نہایت صفائی سے فرمایا کہ اگر مجھے ضرورت بھی ہوتی تو میں اسے فروخت نہ کرتا۔

پھر آپ سے اور حضرت امیر معاویہؓ میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ اثنائے گفتگو میں حضرت علیؓ کا ذکر بھی آ گیا۔ حضرت سعنہؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کی شان میں کچھ سخت الفاظ استعمال کئے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ چھوڑو، بڑھا سٹھیا گیا ہے۔ حضرت سعنہؓ نے فوراً کہا، اے معاویہ! تمہیں یاد نہیں کہ ایک روز ہم سب لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت علیؓ آ گئے۔ آپ نے ان کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا :

" **قاتل الله من يقاتلك** "۔ ترجمہ : ''اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے جو تجھ سے لڑے''۔

حضرت امیر معاویہؓ اس کے بعد موضوع گفتگو بدلکر دوسری گفتگو فرمانے لگے [۱]۔

وفات : حضرت امیر معاویہؓ کے آخری عہدِ خلافت میں آپ نے وفات پائی [۲] لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وفات کہاں ہوئی۔

حُلیہ : بڑھاپے کے آثار کے باوجود اپنے ہم عمروں میں نہایت ہی خوش صورت وضع وخوش لباس تھے۔ اصابہ میں ہے : '' **كان احسن الشيوخ سمتا وانظفهم ثوبًا** " [۳]۔

(۳۲) حضرت سعیدؓ بن عامر

نام ونسب : آپ کا نام سعید ہے۔ باپ کا نام عامر تھا۔ صاحب تجرید نے آپ کو قبیلہ لخم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ یہود میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان میں حضرت سعیدؓ بھی ہیں۔ طبری نے اس آیت کی تفسیر میں آپ کا نام بھی لیا ہے [۴]۔

" **الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ** "۔

''جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کرتے ہیں''۔

---

[۱] حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ میرا خیال تھا کہ یہ مخضر ہیں، مگر میں نے ابن ابی طے کا لکھا ہوا رجال سبعہ امامیہ کا نسخہ پایا، جس میں تحریر تھا کہ یہ صحابی ہیں۔ جلد۲۔ ص۴۲ [۲] ایضاً [۳] اصابہ۔ جلد۲۔ ص۱۱۳

[۴] ۱۔۱۔ حا،۲۔ ص۵۹ طبری تفسیر آیت ہذا

(۳۳) حضرت سلامؓ

نام و نسب : سلام نام ہے۔ سلسلۂ نسب کی تصریح نہیں مل سکی۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام کے بھانجے تھے۔

اسلام : اسلام لانے کی کوئی تصریح کتب طبقات میں نہیں ملتی۔ البتہ مفسرین اس آیت کے ضمن میں حضرت عبداللہؓ بن سلام وغیرہ کے ساتھ آپ کا نام بھی لیتے ہیں۔

" یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ " ۔ (نساء)

''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس پر نازل کی گئی اور جو کتاب اس سے پہلے اللہ نے نازل کی''۔

اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔

(۳۴) حضرت سلمہؓ بن سلام

نام و نسب : سلمہ نام ہے، باپ کا نام سلام تھا۔ مشہور صحابی عبداللہؓ بن سلام کے بھائی تھے[۱]۔

اسلام : عبداللہؓ بن عباس سے روایت ہے کہ جب سلمہؓ بن سلام اور عبداللہ بن سلام وغیرہ اہل کتاب صحابہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی :

'' یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ '' ۔

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ''۔

اس میں گمان ہوتا ہے کہ آپ نے بھی ہجرت کے ابتدائی سالوں میں اسلام قبول کیا ہوگا۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۳۵) حضرت سلمان فارسیؓ

نام و نسب : نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا۔ مجوسی نام مابہ تھا اسلام کے بعد سلمان رکھا گیا اور بارگاہِ نبوت سے سلمان الخیر لقب ملا۔ ابو عبداللہ کنیت ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :

---

[۱] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ان کے بھتیجے تھے۔ صحیح یہی ہے کہ ان کے بھائی تھے۔ اسد الغابہ جلد ۲۔ ص ۳۳۶

مایہ ابن ذخشان بن مورسلان بن یہوذان بن فیروز ابن سہرک۔

قبل اسلام : سلمان کے والد اصفہان کے جی نامی قریہ کے باشندہ اور وہاں کے زمیندار و کاشتکار تھے۔ان کو حضرت سلمان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کو لڑکیوں کی طرح گھر کی چار دیواری سے نکلنے نہ دیتے تھے۔آتشکدہ کی دیکھ بھال ان ہی کے متعلق رکھی تھی۔چونکہ مذہبی جذبہ سلمان میں ابتداء سے تھا، اس لئے جب تک آتش پرست رہے اس وقت تک آتش پرستی میں سخت غلو رہا اور نہایت سخت مجاہدات کئے۔شب وروز آگ کی نگرانی میں مشغول رہتے تھے،حتی کہ ان کا شمار ان پجاریوں میں ہو گیا تھا جو کسی وقت آگ کو بجھنے نہ دیتے تھے۔

مجوسیت سے نفرت اور عیسویت کا میلان :

زمین ہی ان کے باپ کے معاش کا ذریعہ تھی۔اس لئے زراعت کی نگرانی وہ بذاتِ خود کرتا تھا۔ایک دن وہ گھر کی مرمت میں مشغولیت کی وجہ سے کھیت پر خود نہ جاسکا اور اس کی دیکھ بھال کے لئے سلمان کو بھیج دیا۔ان کو راستہ میں ایک گرجا ملا۔اس وقت اس میں عبادت ہو رہی تھی۔نماز کی آوازیں سُن کر دیکھنے کے لئے چلے گئے۔نماز کے نظارہ سے ان کے دل پر خاص اثر ہوا اور مزید حالات کی جستجو ہوئی۔عیسائیوں کا طریقہ اس قدر بھایا کہ بے ساختہ زبان سے نکل آیا کہ یہ مذہب ہمارے مذہب سے بہتر ہے۔چنانچہ کھیتوں کا خیال چھوڑ کے اسی میں محو ہو گئے۔عبادت ختم ہونے کے بعد عیسائیوں سے پوچھا کہ اس مذہب کا سرچشمہ کہاں ہے۔انہوں نے کہا کہ شام میں، پتہ پوچھ کر گھر واپس آئے۔

باپ نے پوچھا کہ اب تک کہاں رہے؟ جواب دیا کہ کچھ لوگ گرجے میں عبادت کر رہے تھے، مجھ کو ان کا طریقہ ایسا بھلا معلوم ہوا کہ غروب آفتاب تک وہیں رہا۔باپ نے کہا، وہ مذہب تمہارے مذہب کا پاسنگ بھی نہیں ہے۔جواب دیا، بخدا وہ مذہب ہمارے مذہب سے کہیں برتر ہے۔ اس جواب سے ان کے باپ کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں یہ خیال تبدیل مذہب کی صورت میں نہ ظاہر ہو۔ اس لئے بیڑیاں پہنا کر مقید کر دیا۔

مگر ان کے دل میں تلاش حق کی تڑپ تھی۔اس لئے عیسائیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جب شام کے تاجر آئیں تو مجھ کو اطلاع دینا۔چنانچہ جب وہ آئے تو ان کو خبر کر دی۔انہوں نے کہا کہ جب وہ واپس ہوں تو مجھے بتانا۔چنانچہ جب کارواں تجارت واپس لوٹنے لگا، ان کو خبر کی گئی۔یہ بیڑیوں کی قید سے نکل کر ان کے ساتھ ہو گئے۔شام پہنچ کر دریافت کیا کہ یہاں سب بڑا مذہبی شخص کون ہے۔

لوگوں نے وہاں کے پادری کا پتہ دیا۔ اس سے جا کر کہا کہ مجھ کو تمہارا مذہب بہت پسند ہے، اس لئے چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس رہ کر مذہبی تعلیم حاصل کروں اور مجھ کو اس مذہب میں داخل کرو۔

تبدیل مذہب : چنانچہ وہ مجوسیت کے آتشکدے سے نکل کر آسمانی باپ کی بادشاہت کی پناہ میں آ گئے۔ مگر پادری بہت بدکردار اور بداخلاق تھا۔ لوگوں کو صدقہ کرنے کی تلقین کرتا اور جب اس کے قبضہ میں آ جاتا تو فقراء اور مساکین کو دینے کے بجائے خود لے لیتا۔ حتیٰ کہ سونے اور چاندی کے سات مٹکے اس کے پاس جمع ہو گئے۔

حضرت سلمانؓ اس کی حرص اور آزر کو دیکھ کر پیچ و تاب کھاتے تھے، مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اتفاق سے وہ مر گیا، عیسائی شان و شوکت سے اس کی تجہیز و تکفین کرنے کو جمع ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے سارا اعمال نامہ ان لوگوں سامنے کھول کر رکھ دیا۔ انہوں نے ان کو لے جا کر اس کے اندوختہ کے پاس کھڑا کر دیا۔ تلاشی لی گئی تو واقعی سات مٹکے سونے چاندی سے بھرے ہوئے برآمد ہوئے۔ عیسائیوں نے اس کی سزا میں دفن کرنے کے بجائے نعش کو صلیب پر لٹکا کر سنگسار کیا۔

اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر ہوا۔ یہ بڑا عابد و زاہد اور تارک الدنیا تھا۔ شب و روز عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتا۔ سلمان اس سے بہت مانوس ہو گئے اور دلی محبت کرنے لگے اور آخر تک اس کی صحبت سے فیض ہوتے رہے۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس کے کہا میں آپ کے پاس عرصہ تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ رہا۔ اب آپ کا آخری وقت ہے، اس لئے آئندہ کے لئے مجھ کو کیا ہدایت ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ میرے علم میں کوئی ایسا عیسائی نہیں ہے، جو مذہب عیسوی کا سچا پیرو ہو۔ سچے لوگ مر کھپ گئے اور موجودہ عیسائیوں نے مذہب کو بہت کچھ بدل دیا ہے، بلکہ بہت سے اصول تو سرے سے چھوڑ ہی دیئے ہیں۔ ہاں موصل میں فلاں شخص ہے جو دین حق سچا پیرو ہے تم جا کر اس سے ملاقات کرنا۔

موصل کا سفر : اس پادری کی موت کے بعد حق کی جستجو میں وہ موصل پہنچے اور تلاش کر کے اس سے ملے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ فلاں پادری نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ آپ کے یہاں ابھی تک حق کا سرچشمہ اُبلتا ہے اور میں آپ سے مل کر اپنی تشنگی فرو کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے ان کو ٹھہرا لیا۔

پہلے پادری کی رائے کے مطابق یہ پادری درحقیقت بڑا متقی اور پاکباز تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کے پاس مستقل قیام کر لیا۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد اس کا وقت بھی آ گیا۔ آئندہ کے متعلق حضرت سلمانؓ نے اس سے بھی وصیت کی خواہش کی۔ اس نے نصیبین میں ایک شخص کا پتہ بتایا۔

نصیبین کا سفر: چنانچہ اس کی موت کے بعد آپ نصیبین پہنچے اور اس پادری سے مل کر دوسرے پادری کی وصیت بتلائی۔ یہ اسقف بھی پہلے دونوں کی طرح بڑا عابد اور زاہد تھا۔ سلمان یہاں مقیم ہو کر اس سے روحانی تسکین حاصل کرنے لگے۔ ابھی کچھ ہی دن اس کی صحبت سے فیض اُٹھایا تھا کہ اس کا وقت بھی آخر ہو گیا۔ حضرت سلمانؓ نے گذشتہ اسقفوں کی طرح اس سے بھی آئندہ کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ اس نے عموریہ میں گوہر مقصود کا پتہ دیا۔

عموریہ کا سفر: چنانچہ اس کی موت کے بعد انہوں نے عموریہ کا سفر کیا اور وہاں کے اسقف سے مل کر پیام سنایا اور اس کے پاس مقیم ہو گئے۔ کچھ بکریاں خرید لیں، اس سے مادی غذا حاصل کرتے تھے۔ اور صبر و شکر کے ساتھ رُوحانی غذا اسقف سے حاصل کرنے لگے۔ جب اس کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو گیا تو حضرت سلمانؓ نے اپنی سرگذشت سُنائی کہ اتنے مراتب طے کرتا ہوا آپ کے پاس پہنچا تھا۔ آپ بھی آخرت کا سفر کرنے کو آمادہ ہیں، اس لئے میرا کوئی سامان کرتے جایئے۔

اس نے کہ بیٹا میں تمہارے لئے کیا سامان کروں۔ آج دنیا میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں ہے کہ جس سے ملنے کا میں تمہیں مشورہ دوں، البتہ اب اس نبی کا ظہور کا زمانہ قریب جو ریگستانِ عرب سے اُٹھ کر دین ابراہیمؑ کو زندہ کرے گا اور کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ اس کی علامات یہ ہیں کہ وہ ہدیہ قبول کرے گا۔ لیکن صدقہ کو اپنے لئے حرام سمجھے گا۔ اس کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم اس سے مل سکو تو ضرور ملنا۔

اسقف کی بشارت اور عرب کا سفر

اس پادری کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ تک عموریہ میں رہے، کچھ دنوں بعد بنو کلب کے تاجر ادھر سے گزرے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھ کو عرب پہنچا دو تو میں اپنی گائیں اور بکریاں تمہاری نذر کر دوں گا۔ وہ لوگ تیار ہو گئے اور زبانِ حال یہ شعر ؎

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہرو کے ساتھ　　پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

پڑھتے ہوئے ساتھ ہو لئے۔

غلامی: لیکن ان عربوں نے وادی القریٰ میں پہنچ کر ان کو دھوکا دیا اور ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ کھجور کے درخت نظر آئے تو آس بندھی کی شاید یہی وہ منزلِ مقصود ہے جس کا اسقف نے پتہ دیا تھا۔ تھوڑے دن قیام کیا تو یہ اُمید بھی منقطع ہو گئی۔ آقا کا چچازاد بھائی مدینہ سے ملنے آیا، اس نے سلمانؓ کو اس کے ہاتھ بیچ دیا۔

غلامی اور مدینہ کا سفر :

وہ اپنے ساتھ ان کو مدینہ لے چلا اور سلمان غلامی در غلامی کی رسوائی سہتے ہوئے مدینہ پہنچے، مگر ہاتفِ غیب تسکین دے رہا تھا کہ یہ غلامی نہیں ہے۔

اسی سے ہوگی تیرے غمکدہ کی آبادی　　تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

درحقیقت اس غلامی پر جو مقصود دوعالم کے آستانے تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے ہزاروں آزادیاں قربان ہیں۔ جوں جوں محبوب کی منزل قریب آتی جاتی تھی کشش بڑھتی جاتی تھی اور آثار و علامات بتاتے تھے کہ شاہد مقصود کی جلوہ گاہ یہی ہے۔ اب ان کو پورا یقین ہو گیا اور دیدار جمال کی آرزو میں یہاں دن کاٹنے لگے۔

اس وقت آفتابِ رسالت مکہ پر تو افگن ہو چکا تھا، لیکن جور و ستم کے بادلوں میں چھپا تھا۔ سلمانؓ کو آقا کی خدمت سے اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ خود اس کا پتہ لگاتے۔ آخر انتظار کرتے کرتے وہ روزِ مسعود بھی آ گیا کہ مکہ کا آفتاب عالم تاب مدینہ کے اُفق پر طلوع ہوا۔ حرماں نصیب سلمان کی شبِ ہجر تمام ہوئی اور صبح اُمید کا اُجالا پھیلا، یعنی سرکارِ دوعالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے۔ سلمان کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کچھ درست کر رہے تھے اور آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے چچازاد بھائی نے آ کر کہا کہ خدا بنی قیلہ کو غارت کرے۔ سب کے سب قبا میں ایک شخص کے پاس جمع ہیں، جو مکہ سے آیا ہے۔ یہ لوگ اس کو نبی سمجھتے ہیں۔

سلمان کے کانوں تک اس خبر کا پہنچنا تھا کہ یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ صبر و شکیب کا دامن چھوٹ گیا، بدن میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی اور قریب تھا کہ کھجور کے درخت سے فرش زمین پر آ جائیں، اسی مدہوشی کے عالم میں جلد از جلد درخت سے نیچے اُترے اور بدحواسی میں بے تحاشہ پوچھنے لگے، تم کیا کہتے ہو۔ آقا نے اس سوال پر گھونسا مار کر ڈانٹا کہ تم کو اس سے کیا غرض، تم اپنا کام کرو۔

اس وقت سلمان خاموش ہو گئے۔ لیکن اب صبر کسے تھا کھانے کی کچھ چیزیں پاس تھیں، ان کو لے کر دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اور کچھ غریب الدیار اور اہل حاجت آپ کے ساتھ ہیں، میرے پاس یہ چیزیں صدقہ کے لئے رکھی تھیں، آپ لوگوں سے زیادہ ان کا مستحق کون ہو سکتا ہے۔ اس کو قبول فرمائیے۔ آنحضرت ﷺ نے دوسرے لوگوں کو کھانے کا حکم دیا، مگر خود نوش نہ فرمایا۔ اس طرح سے سلمانؓ کو نبوت کی ایک علامت کا مشاہدہ ہو گیا کہ نبی صدقہ نہیں قبول کرتا۔

دوسرے دن پھر ہدیہ لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کل آپ نے صدقہ کی چیزیں نہیں نوش فرمائی تھیں، آج یہ ہدیہ قبول فرمائیے۔ آپ نے قبول فرمایا خود بھی نوش کیا اور دوسروں کو بھی دیا۔ اس طرح سے دوسری نشانی یعنی مہر نبوت کی بھی زیارت کی اور باچشم پُرنم آپ کی طرف بوسہ دینے کو جھکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ۔ وہ سامنے آئے اور اپنی ساری سرگذشت سُنائی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے یہ دلچسپ داستان اپنے تمام اصحاب کو سنوائی۔

اسلام : حضرت سلمان جب اپنا گوہر مقصود پا چکے تو اس دولت کو اپنے دل کے خزانے میں رکھ کر آقا کے گھر واپس آئے۔ اتنے مرحلوں کے بعد وہ دین سے ہم آغوش ہوئے۔

آزادی : غلامی کی مشغولیت کے باعث فرائض مذہبی ادا نہ کرسکتے تھے۔ اسی وجہ سے غزوۂ بدر احد میں شریک نہ ہوسکے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے آقا کو معاوضہ دے کر آزادی حاصل کرلو۔ تین سو کھجور کے درخت اور چالیس اوقیہ سونے پر معاملہ طے ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے سفارش فرمائی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔

سب نے حسب حیثیت کھجور کے درخت دیئے، اس طریقے سے تین سو درخت ان کو مل گئے اور آنحضرت ﷺ کی مدد سے ان کو بٹھایا اور زمین ہموار کر کے ایک شرط پوری کردی۔ اب سونے کی ادائے گی باقی رہ گئی، اس کا سامان بھی خدا نے کردیا۔ آنحضرت ﷺ کو کسی غزوہ میں مرغی کے بیضہ کے برابر سونا مل گیا۔ آپ نے سلمان کو دے دیا۔ یہ وزن میں ٹھیک چالیس اوقیہ تھا۔ اس سے گلو خلاصی حاصل کی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے [1]۔

مواخاۃ : غلامی سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے ساتھ مستقل اقامت اختیار کی۔ اس وقت بالکل غریب الدیار تھے کوئی شناسا نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مکی مہاجرین کی طرح ان سے اور ابو درداءؓ سے مواخاۃ کرادی [2]۔

غزوات : بدر و احد کی لڑائیاں ان کی غلامی کے زمانہ میں ختم ہوچکی تھیں۔ آزادی کے بعد پہلا غزوۂ خندق پیش آیا۔ اس میں انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے دونوں لڑائیوں کی تلافی کردی۔ غزوۂ خندق میں تمام عرب ٹڈی دل مسلمانوں کے خلاف اُمنڈ آیا تھا کہ ان کا کامل استیصال کردے۔ حملہ خود مدینہ پر تھا، جس کے چاروں طرف نہ قلعہ تھا نہ فصیل تھی، اور مقابلہ بھی سخت تھا۔ ایک طرف کفار کی

---

۱ قبل اسلام سے آزادی تک کے کل حالات مسند احمد بن حنبل جلد ۵۔ ص ۴۱۔ ۴۴ سے ماخوذ ہیں۔
۲ بخاری۔ جلد ۲۔ ص ۸۹۸ مواخاۃ کے معنی بھائی چارہ کے ہیں۔

تعداد ریگستانِ عرب کے ذروں کے برابر تھی اور دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے۔ آنحضرت ﷺ نے عام مسلمانوں سے مشورہ کیا۔

سلمانؓ فارسی چونکہ ایران کی صف آرائیاں دیکھے ہوئے تھے، اس لئے جنگی اصولوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس انبوہ کا کھلے میدان میں مقابلہ کرنا اچھا نہیں ہے۔ بلکہ مدینہ کے چاروں طرف خندق کھود کر شہر کو محفوظ کر دینا چاہئے۔ یہ تدبیر مسلمانوں کو بہت پسند آئی[1] اور اسی پر عمل کیا گیا۔ خندق کی کھودائی میں آنحضرت ﷺ بھی بہ نفس نفیس شریک ہوئے تھے اور مٹی ڈھوتے ڈھوتے شکم مبارک مٹی سے اٹ گیا تھا، اور جزیہ اشعار زبانِ مبارک پر جاری تھے[2]۔ ذیقعدہ ۵ھ میں طرفین میں جنگ شروع ہوئی۔ عربوں کو اس طریقۂ جنگ سے واقفیت نہ تھی، وہ آئے تو تھے مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے، مگر یہاں آکر دیکھا کہ ان کے اور مدینہ کے بیچ میں خندق کی فصیل حائل ہے۔ وہ ۲۲ دن تک مسلسل محاصرہ کئے پڑے رہے، مگر شہر تک پہنچنا ان کو نصیب نہ ہوا اور آخر کار ناکام واپس پھر گئے۔

غزوۂ خندق کے علاوہ حضرت سلمانؓ تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کے دوش بدوش شریک رہے[3] اور غزوۂ خندق کے بعد کوئی غزوہ ایسا نہیں ہوا، جس میں شریک ہوکر دادِ شجاعت نہ دی ہو[4]۔

عہدِ صدیقی اور عراق : آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ عرصہ تک مدینہ میں رہے۔ عہد صدیقی کے آخر یا عہد فاروقی کی ابتداء میں انہوں نے عراق کی اور ان کے اسلامی بھائی ابو درداءؓ نے شام کی سکونت اختیار کر لی۔ یہاں کی اقامت کے بعد ابو درداءؓ کو خدا نے مال اور اولاد کی حیثیت سے بہت نوازا۔ انہوں نے سلمانؓ کو خط لکھا کہ تم سے جدا ہونے بعد خدا نے مجھ کو مال و دولت اور اہل وعیال سے سرفراز کیا اور ارض مقدس کی سکونت کا شرف بخشا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یاد رکھو مال و دولت اور اولاد کی کثرت کوئی خیر نہیں ہے۔ بلکہ خیر اس میں ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع پہنچائے۔ محض ارض مقدس کا قیام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، جب تک تمہارا عمل اس قابل نہ ہو اور عمل بھی اس طرح کا ہو کہ گویا خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور تم اپنے کو مُردہ سمجھو[5]۔

عہد فاروقی : ایران کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے، اور چونکہ خود ایرانی تھے اس لئے فتوحات میں بہت قیمتی امداد پہنچائی، مگر اصول اسلام کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ ایک ایرانی قصر کے

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۲۔ قسم ا۔ ص ۴۸　[2] بخاری۔ جلد ۲۔ کتاب المغازی غزوۂ خندق　[3] مسند ابن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۴۴۲
[4] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۰　[5] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۱

محاصرہ کے وقت جارحانہ حملے کے پہلے محصورین کو سمجھا دیا کہ میں بھی تمہارا ہم قوم تھا، لیکن خدا نے مجھ کو اسلام سے نوازا۔ تم لوگ عربوں کی اطاعت گزاری سے کسی طرح نہیں بچ سکتے۔ تم کو سمجھائے دیتا ہوں کہ اگر تم اسلام لا کر ہجرت کر کے ہم میں مل جاؤ تو تم کو اہل عرب کے حقوق دیئے جائیں گے اور جو قانون ان کے لئے ہے وہی تم پر جاری کیا جائے گا اور اگر اسلام نہیں قبول کرتے اور صرف جزیہ منظور کرتے ہو تو ذمیوں کے حقوق تم کو ملیں گے اور ان کا قانون تم پر نافذ کیا جائے گا۔ تین دن تک برابر تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے جب کوئی اثر نہ ہوا تو حملہ کا حکم دے دیا اور مسلمانوں نے قصر مذکور بزور شمشیر فتح کر لیا[1]۔

فتح جلولا میں بھی شریک تھے اور وہاں مشک کی ایک تھیلی ان کے ہاتھ آئی تھی[2]۔ جس کو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں کام میں لائے۔

گورنری: حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں مدائن کی حکومت پر سرفراز ہوئے۔ اس کی تفصیلات آئندہ اخلاق و عادات میں آئیں گی۔

چونکہ حضرت سلمانؓ مقربین بارگاہ نبوی میں سے تھے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ اس وقت آپ ایک گدّے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ سلمانؓ کو دیکھ کر گدّا ان کی طرف بڑھا دیا[3]۔

علالت: حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بیمار پڑے۔ سعد بنؓ ابی وقاص عیادت کو گئے تو رونے لگے۔ سعد نے کہا ابو عبداللہ رونے کا کون سا مقام ہے۔ آنحضرت ﷺ تم سے خوش خوش دنیا سے اُٹھے۔ تم ان سے حوض کوثر پر ملو گے۔ بچھڑے ہوئے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی۔ کہا خدا کی قسم میں موت سے نہیں گھبراتا اور نہ دنیا کی حرص باقی ہے۔ رونا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے عہد کیا تھا کہ ہمارا دنیاوی ساز و سامان ایک مسافر کے زاد راہ سے زیادہ نہ ہو، حالانکہ میرے گرد اسقدر سانپ (اسباب) جمع ہیں۔

سعدؓ کہتے ہیں کل سامان جس کو سانپ سے تعبیر کیا تھا ایک بڑے پیالے، ایک لگن اور ایک تسلہ سے زیادہ نہ تھا۔ اس کے بعد سعدؓ نے خواہش کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجیے فرمایا کسی کام کا قصد کرتے وقت فیصلہ کرتے وقت اور تقسیم کرتے وقت خدا کو یاد رکھا کرو[4]۔ اس بیماری کے دوران میں اور

---

[1] مسند ابن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۴۴۱ [2] ابن سعد۔ جلد ۴۔ قسم ا۔ ص ۶۶ [3] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۹۹
[4] ابن سعد۔ جلد ۴۔ قسم ۲۔ ص ۵۔ ۶

احباب نے بھی نصیحت اور وصیت کی خواہش کی، فرمایا تم میں سے جس سے ہو سکے اس کی کوشش کرے کہ وہ حج، عمرہ، جہاد یا قرآن پڑھتے ہوئے جان دے دے اور فسق و فجور اور خیانت کی حالت میں نہ مرے[1]۔

وقتِ آخر آیا تو اپنی بیوی سے وہی مشک کی تھیلی منگائی اور اپنے ہاتھ سے پانی میں گھول کر اپنے چاروں طرف چھڑکوایا اور سب کو اپنے پاس سے ہٹادیا، لوگ تنہا چھوڑ کر ہٹ گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر گئے تو دیکھا کہ مرغ روح قفس خاکی سے پرواز کر چکا تھا۔

فضل وکمال: حضرت سلمانؓ کے دن کا بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں گزرتا تھا۔ اس لئے قدرۃً آپ علوم ومعارف نبوی سے کافی بہرہ ور ہوئے۔ حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، ان کو علم اوّل اور علم آخر سب کا علم تھا اور وہ خود ایسا دریا تھے، جو پایابی سے نا آشنا رہا وہ ہمارے اہل بیت میں تھے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ وہ علم وحکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے[2]۔ علم اول سے مراد کتب سابقہ کا علم اور علم آخر سے مقصود آخری کتاب الٰہی یعنی قرآن کا علم ہے اور اہل بیت سے ہونا آنحضرت ﷺ سے قربت واختصاص کی بناپر اور اس لئے کہ عربوں میں ان کا کوئی خاندان نہ تھا۔ آپ نے ان کو یہ شرف بخشا کہ اعزازاً اپنے اہل بیت میں داخل کرلیا۔

حضرت معاذ بن جبلؓ جو خود بھی بہت بڑے عالم اور صاحب کمال صحابی تھے، ان کے کمال علم کے معترف تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ چار آدمیوں سے علم حاصل کرنا ان میں ایک سلمانؓ کا نام بھی تھا[3]۔ ایک موقع پر خود زبان نبوت نے ان کے علم وفضل کی ان الفاظ میں تصدیق کی ہے کہ سلمانؓ علم سے لبریز ہیں[4]۔

صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ سلمانؓ فضلائے صحابہ میں[5] تھے۔ آپ کی کوششوں سے حدیث کا کافی حصہ اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کے مرویات کی تعداد ۶۰ ہے ان میں سے تین حدیثیں متفق علیہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک میں مسلم اور تین میں بخاری منفرد ہیں[6]۔

حضرت ابوسعید خدریؓ، ابوالطفیلؓ، ابن عباسؓ، اوس بن مالکؓ اور ابن عجرہ وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں۔

---

۱ ابن سعد ص ۶۶　۲ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۲　۳ ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۶۱　۴ ایضاً
۵ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۳۱　۶ تہذیب الکمال۔ ص ۱۴۷

گو حضرت سلمانؓ علم اوّل اور آخر کے امین تھے۔ تاہم حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اس لئے ان کی مرویات کی تعداد ۶۰ سے زیادہ متجاوز نہ ہوئیں۔ حضرت حذیفہؓ مدائن میں لوگوں سے ایسی باتیں بیان کرتے تھے، جو آنحضرت ﷺ نے غصہ کی حالت میں کسی سے فرمائی تھیں۔ لوگ اس کی تصدیق کے لئے سلمانؓ کے پاس آئے۔ آپ نے صرف اس قدر جواب دیا کہ حذیفہؓ خود زیادہ اچھا جانتے ہیں۔ لوگوں نے حضرت حذیفہؓ سے آکر کہا کہ ہم نے آپ کے بیان کردہ حدیث سلمانؓ کو سنائی وہ نہ اس کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تردید۔

حضرت حذیفہؓ نے آکر سلمانؓ سے کہا کہ جو کچھ تم نے آنحضرت ﷺ سے سُنا، اس کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بعض اوقات آنحضرت ﷺ لوگوں کو کچھ غصہ میں کہہ دیتے تھے اور بعض اوقات آنحضرت ﷺ خوش ہو کر کچھ فرما دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اس قسم کی باتوں کو بیان کر کے کسی کو کسی کا دوست اور کسی کو دشمن بنا دو گے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند غصہ کی حالت میں اگر کسی کے متعلق کوئی بُرا کلمہ نکل جائے تو اس کو بھی اس کے حق میں خیر کر دینا۔ پھر ان سے کہا کہ تم اس قسم کی باتوں سے باز آجاؤ نہیں تو میں عمرؓ کو آگاہ کر دوں گا[1]۔

چونکہ وہ اسلام سے قبل عرصہ تک نصرانی رہ چکے تھے، اس لئے عیسائی مذہب کے متعلق بھی کافی معلومات رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے تھے کہ سلمانؓ دو کتابوں کا علم رکھتے ہیں، کلام اللہ اور انجیل کا۔

مذہب عیسوی کے مسائل محض پادریوں کی زبانی نہیں سُنے تھے، بلکہ خود انجیل کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے توراۃ میں دیکھا ہے کہ کھانے کے بعد وضو کرنے سے برکت ہوتی ہے[2]۔

عام حالات میں تقرب بارگاہِ نبوی :

حضرت سلمانؓ صحابہ کرام کے اس مخصوص زمرے میں تھے، جس کو بارگاہ نبوی میں خاص تقرب حاصل تھا۔ مخصوص صحابہ کرام کے علاوہ کم لوگ ایسے تھے جو بارگاہ موت کی پذیرائی میں حضرت سلمان کی ہمسری کر سکتے ہوں۔

---

۱ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۴۱　　۲ ایضاً

غزوۂ خندق کے موقع پر جب مہاجرین اور انصار علیحدہ علیحدہ جمع ہوئے تو مہاجرین کہتے تھے کہ سلمانؓ ہمارے زمرہ میں ہیں، انصار کہتے تھے کہ ہماری جماعت میں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں ہیں[1]۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سلمانؓ کی شب کی تنہائی کی صحبت آنحضرت ﷺ کے پاس اتنی لمبی ہوتی تھی کہ ہم لوگوں (ازواج) کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں ہماری باری کی رات بھی اس نشست میں نہ گزر جائے۔ انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے۔ علیؓ، عمارؓ اور سلمانؓ کی[2]۔

آپ کے تقرب کی آخری مثال یہ ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ صدیق اکبرؓ جیسے فدائی اسلام اور جلیل القدر صحابی سے حضرت سلمانؓ اور ان کے بعض رفقاء کے بارے میں رنجیدہ ہو گئے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیان چند آدمیوں کے ساتھ حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت سلمانؓ کے پاس سے گزرے۔ ان تینوں بزرگوں نے کہا کہ خدا کی کوئی تلوار خدا کے دشمن (ابوسفیان) کی گردن پر نہیں پڑی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تم لوگ سردارِ قریش کے متعلق زبان سے ایسا کلمہ نکالتے ہو، اور آنحضرت ﷺ سے آکر واقعہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا۔ اگر تم نے ان لوگوں کو ناراض کر دیا، گویا خدا کو ناراض کیا۔ حضرت ابوبکرؓ بہت نادم ہوئے اور آکر ان بزرگوں سے معذرت کی[3]۔

اخلاق و عادات : حضرت سلمان فارسیؓ میں مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی۔ جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست اور نصرانیت کے زمانہ میں سخت عابد و زاہد نصرانی تھے۔ اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد کامل ترین نمونہ بن گئے۔ ان کے اصل فضل و کمال کا میدان یہیں ہے۔

زہد و تقویٰ : ان کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا، جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ عمر بھر گھر نہیں بنایا۔ جہاں کہیں دیوار یا درخت کا سایہ ملتا پڑ رہتے۔ ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لئے مکان بنا دوں؟ فرمایا مجھ کو اس کی حاجت نہیں۔ وہ پیہم اصرار کرتا رہا یہ برابر انکار کرتے رہے۔ آخر میں اس نے کہا کہ آپ کی مرضی کے مطابق بناؤں گا۔ فرمایا وہ کیسا! عرض کیا کہ اتنا مختصر کہ کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیواروں سے لگیں۔ فرمایا خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ اس نے ایک جھونپڑی بنا دی[4]۔

---

[1] مستدرک حاکم۔ جلد ۳۔ ص ۵۹۸　[2] جامع ترمذی مناقب سلمانؓ　[3] مسلم جلد ۲۔ ص ۳۶۲ مصر
[4] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۶

اس زہد کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھا۔ مزخرفاتِ دنیاوی کو کبھی پاس نہ آنے دیا۔ وفات کے وقت گھر کا پورا اثاثہ بیس بائیس درہم سے زیادہ کا نہ تھا۔ بستر میں معمولی سا بچھونا تھا اور دو اینٹیں جن کا تکیہ بناتے تھے، اس پر بھی روتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہونا چاہئے، اور میرا یہ حال ہے[1]۔

یہ حالت زندگی ہر دور میں قائم رہی۔ جب امارت کے عہدے پر ممتاز تھے، اُس وقت بھی فرق نہ آیا۔ حسن بیان کرتے ہیں کہ سلمانؓ جب پانچ ہزار تنخواہ پاتے تھے اور تیس ہزار نفوس پر حکومت کرتے تھے، اس وقت بھی صرف ان کے پاس ایک عبا تھی، جس میں لکڑیاں جمع کرتے تھے۔ اس کا آدھا حصہ بچھاتے تھے اور آدھا حصہ اوڑھتے تھے[2]۔ زہد و ورع کا یہ حال تھا کہ خادم کو گوشت کی بوٹیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ مبادا اس کی طرف سے سوء ظن نہ پیدا ہو۔

رہبانیت سے اجتناب :

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے۔ مذہبی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔ ان کے اسلامی بھائی حضرت ابودرداءؓ بڑے عابد و زاہد تھے۔ رات بھر نماز پڑھتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے ان سے ملنے ان کے گھر جایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابوذرداءؓ کی بیوی کو بہت خراب حالت میں دیکھا۔ پوچھا تم نے کیا صورت بنا رکھی ہے۔ انہوں نے کہا کس کے لئے کروں بناؤ سنگار۔ تمہارے بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ حضرت ابودرداءؓ جب گھر آئے تو بڑے تپاک سے ملے اور کھانا منگوایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں۔ فرمایا جب تک تم کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا۔ پھر رات کو حضرت سلمانؓ ان کے پاس ہی لیٹے اور ان کو دیکھتے رہے۔ جب وہ عبادت کو اُٹھے تو روک کر فرمایا کہ تم پر تمہارے رب، تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی سب کا حق ہے۔ روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ سونا بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد دونوں نے یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے پس پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ابودرداءؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سلمانؓ تم سے زیادہ مذہب کے واقف کار ہیں[3]۔

سادگی : حضرت سلمانؓ کی تصویر حیات میں تکلف کے آب و رنگ کے بجائے سادگی بہت غالب تھی جو ہر زمانہ میں یکساں قائم رہی۔ مدائن کی امارت کے زمانہ میں جب کہ شان و شوکت اور

---

۱ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۵۔ ص ۴۳۸۔ ۴۳۹ ۲ ابن سعد۔ جلد ۴۔ قسم اول۔ ص ۳ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۷۲

خدم وحشم وغیرہ تمام لوازم ان کے لئے مہیا ہو سکتے تھے۔ اس وقت بھی ان کی سادگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لباس میں ایک عبا اور ایک معمولی سی جانگیا اور ایک اُونچا پائجامہ ہوتا تھا۔ چونکہ ان کے سر کے بال گھنے اور کان لمبے لمبے تھے، اس لئے اس ایرانی ہیئت کو دیکھ کر لوگ "گرگ آمد، گرگ آمد" کہتے تھے۔

ایک مرتبہ اسی امارت کے زمانہ میں اس شان وشوکت سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا۔ لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیض تھی، جو سواری پر سے کسی وجہ سے اُٹھ گئی تھی۔ جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے، ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں۔ لڑکے اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئے۔ لوگوں نے یہ طوفان بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو ہٹایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو۔

ایک دستہ فوج کی سرداری سپرد ہوئی۔ فوجی امارت کی شان وشوکت کا تو کیا ذکر، یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی۔ چنانچہ فوجی ان کو دیکھ کر ہنستے اور کہتے کہ یہی امیر ہیں۔ حضرت ابو درداءؓ کی والدہ فرماتی ہیں کہ حضرت سلمانؓ ایک مرتبہ مدائن سے شام آئے۔ اس وقت وہ وہاں کے گورنر تھے، مگر اپنی سادگی کی وجہ سے معمولی لباس اور ابتر حالت میں تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے کو اس قدر ابتر کیوں بنا رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آرام وراحت تو صرف آخرت کے لئے ہے۔

ابو قلابہ راوی ہیں کہ ایک شخص سلمانؓ کے یہاں گیا۔ دیکھا تو بیٹھے آٹا گوندھ رہے ہیں۔ پوچھا خادم کہاں ہے؟ کہا کام سے بھیجا ہے، مجھ کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دو دو کاموں کا بار اس پر ڈالوں۔

اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو ان پر اکثر مزدور کا دھوکا ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک عبسی نے جانور کے لئے چارہ خریدا۔ حضرت سلمانؓ کھڑے تھے، ان سے کہا کہ اس کو گھر تک پہنچادو، وہ اُٹھا کر لے چلے۔ راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے لائیے ہم پہنچادیں۔ یہ حال دیکھ کر عبسی نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔ وہ سُن کر بہت نادم ہوا اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا، اس میں مجھے نیت کا ثواب ملتا ہے۔ اب میں اس بوجھ کو بغیر پہنچائے ہوئے نیچے نہیں رکھ سکتا۔

فیاضی : فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی آپ کا نمایاں وصف تھا۔ جو کچھ آپ کو تنخواہ ملتی تھی وہ کل کی کل مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود چٹائی بُن کر معاش پیدا کرتے تھے اور چٹائی کی آمدنی کا بھی ایک تہائی اصل سرمایہ کے لئے رکھ لیتے تھے۔ ایک تہائی بال بچوں پر خرچ کرتے۔ اور ایک تہائی

خیرات کرتے تھے۔ ارباب علم کے بڑے قدر دان تھے۔ جب کوئی رقم ہاتھ آجاتی تو حدیث نبوی ﷺ کے شائقین کو کھلا دیتے تھے[1]۔

صدقات سے اجتناب :

صدقات سے بہت سخت پرہیز کرتے تھے۔ اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے احتراز کرتے۔ ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے۔ فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے۔ کہ میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا۔ فرمایا تم مجھ کو لوگوں کے ہاتھ کا دھوون کھلانا چاہتے ہو[2]۔ (حالانکہ اس کا مانگنا ان کے لئے صدقہ نہ رہ جاتا)۔

حُلیہ : بال گھنے، کان لمبے اور دراز قامت تھے۔

زریں اقوال : حضرت سلمانؓ کے بہت سے حکیمانہ جُملے اور زریں اقوال کتب احادیث میں منقول ہیں۔ ان میں سے چند جواہر ریزے ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

ایک مرتبہ دجلہ کے کنارے جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شاگرد بھی ساتھ تھا۔ حضرت سلمانؓ نے اس سے کہا کہ گھوڑے کو پانی پلا لاؤ۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ نے فرمایا خوب اچھی طرح پلاؤ۔ جب وہ سیراب ہو گیا تو شاگرد سے مخاطب ہو کر حضرت سلمانؓ نے فرمایا کہ کیا اس جانور کے پانی پینے سے دجلہ میں کوئی کمی واقع ہوئی؟ اس نے کہا جی نہیں! پھر آپ نے فرمایا کہ علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔ اس میں سے جتنا بھی خرچ کیا جائے گھٹتا نہیں، چاہئے کہ علم نافع طلب کرو۔

آپ نے فرمایا کہ علم بہت ہے اور عمر تھوڑی۔ تو بقدر علم دین پہلے حاصل کر لو اور ساری دنیا کے علوم کے پیچھے نہ پڑو۔

فرمایا مومن کی مثال ایک مریض کی ہے اور اس کے پاس طبیب موجود ہے جو مرض اور اس کے علاج سے بخوبی واقف ہے۔ مریض کو جب کوئی ایسی چیز کی خواہش ہوتی ہے جو اس کے لئے مضر ہوتی ہے تو وہ اس کو روکتا ہے۔ اسی طرح وہ برابر اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کی خواہشات بھی بہت ہوتی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کو بُری اور مضر خواہشات سے بچاتا رہتا ہے۔ تا آنکہ اسے موت آجاتی ہے اور وہ جنت کی تمام نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے باز نہ رکھا گیا ہوتا تو اس کو یہ نعمتیں کیسے ملتیں۔

---

[1] ابن سعد جلد ۴۔ قسم ا۔ ص ۶۴　　[2] ایضاً۔ ص ۶۴

ابودرداءؓ نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ آپ ارض مقدس (غالباً بیت المقدس) میں چلے آئیے۔ حضرت سلمانؓ نے ان کو جواب میں لکھا کہ کوئی زمین انسان کو مقدس نہیں بناتی، بلکہ اس کو خود اس کا عمل مقدس بناتا ہے۔ پھر آپ نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کسی جگہ کے قاضی بنادیئے گئے ہو تو اگر تمہارے فیصلوں سے لوگوں میں انصاف ہوتو اچھا ہے اور اگر تم مصنوعی قاضی ہو تو پھر ایسا نہ ہو کہ اپنے فیصلوں سے تمہیں دوزخ میں جانا پڑے۔

حضرت یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابودرداءؓ کا یہ حال ہوگیا کہ جب دو آدمیوں میں فیصلہ کرتے اور فریقین واپس جانے لگتے تو ان کی طرف ایک نظر ڈالتے اور ان سے کہتے کہ واقعی میں مصنوعی قاضی ہوں۔ واپس آؤ اور پھر مجھ سے اپنا مقدمہ بیان کرو، شاید فیصلہ میں غلطی ہوگئی ہو۔

فرماتے کہ مجھے تین آدمیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ ایک وہ جو دنیا کی طلب میں پڑا ہوا ہے اور موت اسے طلب کررہی ہے۔ دوسرا وہ جو موت سے غافل ہے حالانکہ موت اس سے غافل نہیں ہے۔ تیسرا وہ جو قہقہے مار کر ہنستا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے یا ناراض۔ فرمایا تین چیزیں مجھے اس قدر غمگین کرتی ہیں کہ میں روتا ہوں۔ ایک تو آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب کی جدائی۔ دوسری عذابِ قبر۔ تیسری قیامت کا خطرہ۔

آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے آپ سے نصیحت کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا، بولو نہیں۔ اس نے کہا لوگوں میں رہ کر یہ کیسے ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بولو تو صحیح اور مناسب بات کہو اس نے کہا کہ کچھ اور ارشاد ہو۔ فرمایا کہ غصہ نہ کرو۔ اس نے کہا کہ میں غصہ میں قابو سے باہر ہو جاتا ہوں۔ فرمایا کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو۔ اس نے کہا کچھ اور ارشاد فرمائیے۔ فرمایا کہ لوگوں سے ملو جلو نہیں۔ اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگوں سے ملا جلا نہ جائے۔ آپ نے فرمایا اگر ملتے جلتے ہو تو پھر بات میں سچائی کے کام لو اور امانت ادا کردیا کرو[1]۔

(۳۶) حضرت سمعانؓ بن خالد

صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ بنوقریظہ سے تھے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے ان کے لئے برکت کی دعا کی اور ان کے سر پر اپنا دستِ شفقت پھیرا[2]۔

---

[1] یہ تمام اقوال صفوۃ الصفوۃ سے لئے گئے ہیں۔ [2] اصابہ۔ جلد ۲۔ ۸۰

صاحب تجرید نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ان سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں، جو ان کی اولاد کے پاس موجود ہیں [1]۔

(۳۷) حضرت سیمونہ بلقاویؓ

نام و نسب : سیمونہ [2] یا سیما نام ہے۔ نسباً اور عقیدۃً نصرانی، بلقاء کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار عباد نصاریٰ میں تھا۔

اسلام : یہ تصریح نہیں مل سکی کہ کب اسلام لائے۔ ارباب رجال صرف اتنا لکھتے ہیں :

"کان نصرانیاً شماسا فاسلم" [3]۔

"ایک نصرانی عابد شخص تھے، پھر اسلام لائے"۔

مدینہ سے تجارتی تعلقات :

حضرت سیمونہؓ کو تجارت کے سلسلہ میں مختلف جگہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم چند آدمی بلقاء سے گیہوں لے کر مدینہ آئے اور یہاں اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت میں مدینہ سے کھجوریں بلقاء لے جانے کا خیال ہوا۔ مدینہ سے لوگوں نے کھجوریں دینے سے انکار کیا۔ یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا کہ یہ لوگ اپنا گیہوں سستا دیتے ہیں اور کھجوریں گراں خریدتے ہیں، اس پر بھی تمہیں اطمینان نہیں ہے۔ تم لوگ انہیں کھجوریں لے جانے کے لئے دو [4]۔

وفات : آپ کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے برکت دی تھی۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ سنہ وفات کی تصریح نہیں مل سکی۔

فضائل : شرف صحبت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کا شرف بھی حاصل ہے۔ فرماتے ہیں :

"رایت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم من فیہ اذنی" [5]۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور ان کے دہن مبارک سے خود میرے کانوں نے سنا"۔

منصور بن صبیح نے جو ربیع بن صبیح مشہور تابعی کے بھائی ہیں، حضرت سیمونہؓ سے روایت کی ہے [6]۔

---

[1] تجرید۔ جلد ۱۔ ذکر سمعان بن خالد
[2] تجرید۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۰
[3] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۸۳
[4] ایضاً
[5] ایضاً
[6] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴

(ش)

(۴۸) حضرت شمعونؓ

نام و نسب : شمعون نام ہے۔ ابو ریحانہ کنیت۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے : شمعون بن یزید بن خنافۃ القرظی[۱]۔ اُم المؤمنین حضرت ریحانہؓ کے والد تھے[۲]۔

اسلام : یہ تو نہیں معلوم ہو سکا کہ کب اسلام لائے، مگر حافظ ابن عبد البر نے یہ تصریح کی ہے :

"له صحبة وسماع ورواية".

''صحابی ہیں۔ سماع اور روایت کا شرف بھی حاصل ہے''۔

غزوات : نسائی اور طبرانی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں بھی شریک ہوئے تھے۔

"كان مع النبی صلّى الله عليه وسلّم الغزوة"[۳]۔

''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک تھے''۔

اگرچہ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ کس غزوہ میں شریک ہوئے تھے۔

عہد فاروقی : عہد فاروقی میں تو آپ کا ذکر کہیں نہیں آتا، مگر عہد فاروقی میں جب دمشق فتح ہوا تو آپ بھی اس شرف جہاد میں شریک رہے[۴]۔

شام کا قیام : آپ ﷺ مستقل طور سے شام میں رہتے تھے۔ لیکن کچھ دنوں کے لیے مصر میں چلے آئے تھے، مگر وہاں تھوڑے روز رہ کر پھر واپس چلے آئے[۵]۔

وفات : سنہ وفات معلوم نہیں ہے۔

فضل و کمال : آپ کا شمار عباد اور زہاد صحابہ میں تھا۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں :

---

[۱] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۰۳　[۲] ایضاً۔ ابن سعد نے حضرت ریحانہؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ نسباً بنو قریظہ سے تھیں، لیکن شادی بنو نضیر کے ایک شخص کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس بنا پر حضرت شمعونؓ کو بھی نضری سمجھنا چاہئے۔ لیکن یہ بھی متیقن کے ساتھ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں کہ حضرت ریحانہؓ بنو قریظہ کی جنگ گرفتار ہوئی تھیں۔ اس بنا پر وہ قرظی ہوئیں اور بنو نضیر کی جلاوطنی تو اس سے ایک سال پہلے ہو چکی تھی۔ ان دونوں روایتوں کی کوئی تعارض نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت شمعونؓ نضری ہوں اور حضرت ریحانہؓ کی شادی بنو قریظہ میں کردی ہو اور دوسرے تعلقات کی بنا پر وہ ان ہی کے ساتھ رہنے لگے ہوں۔　[۳] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۶　[۴] ایضاً　[۵] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴

"کان من فضلاء الاخیار الزاهدین فی الدنیا الراجین مع عند الله"۔

(استیعاب۔جلد۲۔۶۱۰)

"اغیار علماء میں تھے۔دنیا سے بالکل بے تعلق اور اللہ پر متوکل تھے"۔

اسد الغابہ میں ہے :

"کان من صالحی الصحابة وعبادهم"۔ (جلد۳۔ص۴)

"صالح،نیک اور عبادت گزار صحابہ میں شمار تھا"۔

اصابہ میں ہے :

"کان یکثر اسجود"۔

"نمازیں بہت پڑھتے تھے"۔

قرآن سے شغف : قرآن مجید سے بیحد شغف تھا۔بسا اوقات آپ قرآن پاک پڑھنے میں ایسا منہمک ہوجاتے تھے کہ آرام کرنے کا بھی خیال نہ رہتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کسی غزوہ سے واپس ہوئے کھانا کھایا اور وضو کرکے اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ شکر ادا کرنے کے لئے مسجد میں حاضر ہوئے،کوئی سورت پڑھنی شروع کی اور رات بھر اسی کو پڑھتے رہے۔صبح کی نماز پڑھ کر جب گھر تشریف لائے تو بیوی نے کہا کہ غزوہ سے تھکے ماندے واپس آئے تھے،کچھ آرام تو کر لینا چاہئے تھا۔آپ نے فرمایا،ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

"ان ذکر تک لکان علی حق"۔

"اگر تم یاد آگئی ہوتیں تو ضرور مجھ پر تمہارا حق ہوتا مگر یاد الٰہی میں دوسری یاد آتی ہی نہیں"۔

بیوی نے پوچھا آخر کس چیز نے آپ کو اس قدر مشغول کر لیا تھا ؟آپ نے فرمایا :

"التفکر فیما وصف الله فی جنة و لذاتها حتیٰ سمعت المؤذن"۔

(اصابہ۔جلد۲۔ص۱۵۶)

"اللہ تعالیٰ نے جو جنت اس کی لذات کی تعریف کی ہے،اسی میں غور وفکر کرتا رہا،یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوگئی"۔

آپ قرآن مجید یاد کرنے کی بیحد کوشش کرتے تھے،مگر وہ زیادہ یاد نہیں رہتا تھا۔آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے اور قرآن مجید کے بار بار بھول جانے اور اپنے یاد کرنے کی محنت کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا : کہ

"لا متحمل ما لا تطیق علیک بالسجود" ۔ (کتاب الاسماء والکنی للدولابی ۔ جلد ا ۔ ص ۳۰)

"اپنی یادداشت بھر یاد کرو ۔ نماز کی پابندی زیادہ رکھو، (یعنی جب نماز زیادہ پڑھو گے تو قرآن بھی باربار پڑھو گے) اس طرح وہ یاد رہے گا"۔

(ص)

(۳۹) حضرت صالح القرظیؓ

صالح نام تھا ۔ قبیلہ قریظ[۱] سے آپ کا نسبی تعلق تھا ۔ جب مقوقس شاہ مصر نے ماریہ قبطیہ کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو آپ بھی ان ہی کے ساتھ مدینہ تشریف لائے ۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہو گیا ہے کہ ان کو بھی مقوقس ہی نے بھیجا تھا، مگر صاحب اصابہ نے اس کی تردید کی ہے[۲]۔

رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان میں ٹھہرایا[۳]۔
زندگی کے اور دوسرے حالات نہیں معلوم ہو سکے ۔

(غ)

(۴۰) حضرت عامر الشامیؓ

عامر نام تھا ۔ شام یا حبشہ کے رہنے والے تھے ۔

اسلام : اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی کہ کب اسلام لائے ، مگر جب حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس آئے تو ان کے ساتھ حبشہ سے کچھ لوگ جو اسلام لا چکے تھے، خدمت نبوی میں مدینہ آئے ۔ ان ہی آنے والوں میں حضرت عامرؓ بھی تھے[۴]۔ ان آنے والوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی[۵] :

---

۱ اصابہ میں ہے والصواب قبطی، مگر اور دوسرے ارباب طبقات قرظی لکھتے ہیں ۔ (تجرید ۔ جلد ا ۔ ص ۲۸۱ ، اسد الغابہ ۔ جلد ۳ ۔ ۱۰)　۲ اصابہ ۔ جلد ۲ ۔ ۱۷۴　۳ ایضا
۴ پوری تفصیل حضرت اشرفؓ کے حالات میں گزر چکی ہے ۔　۵ طبری

چنانچہ بہت سے لوگ آپ کی کوشش کی وجہ سے ارتداد سے باز آ گئے[1]۔ وفات وغیرہ کے متعلق تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔

(۴۲) حضرت عبداللہؓ بن سلام

نام ونسب : جاہلی نام حصین تھا۔ اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبداللہ نام رکھا۔ ابو یوسف کنیت ہے۔ یہود مدینہ کے خاندان قینقاع سے تھے۔ مشہور ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب حضرت یوسف علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ مختصراً آپ کا شجرہ نسب یہ ہے : عبداللہ بن سلام بن حارث۔ قبیلہ خزرج میں ایک خاندان عوف کے نام سے مشہور ہے، اس میں ایک شاخ کا نام قوقل ہے۔ حضرت عبداللہ اسی قوقل کے حلیف تھے۔

اسلام : آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلّہ میں ناقہ سے اُترے تو عبداللہؓ کو خبر ہوئی۔ وہ اپنے بچوں کے لئے باغ میں پھل چُننے گئے تھے۔ جلدی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا جواب دیا تو فوراً بول اُٹھے **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ** اس بعد کہا کہ یہود افتراء پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں۔ آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے، لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجئے گا۔

آنحضرت ﷺ نے یہود کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور کہا عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ جواب ملا، کبھی نہیں۔ عبداللہ بن سلامؓ مکان کے گوشے میں چھپے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا :

ذرا خدا سے ڈرو ! تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور بایں ہمہ ایمان لانے پر تم لوگ آمادہ نہیں ہوتے۔ یہود کو خلاف توقع جو خفت نصیب ہوئی اس نے ان کو آتش زیر پا کر دیا اور غصہ میں کہا، تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا۔ حضرت عبداللہ نے کہا، یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ نے دیکھا، مجھ کو اسی کا خوف تھا[2]۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۸۸ [2] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ ص ۵۵۶۔ ۵۶۱

" اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْا اٰمَنَّا بِهٖ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَا اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ "۔

''جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب ان کے سامنے قرآن کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، ہم اس کے نزول کے پہلے سے مسلمان ہیں''۔

(۴۱) حضرت عبدالحارثؓ بن السنّی

نام ونسب: عبدالحارث یا عبدالرحمٰن نام ہے۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عبدالحارث بن السنّی ابن الدیان الحارثی[1]۔ آپ کا شمار نجران کے ممتاز لوگوں میں تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر نجران پہنچی اور وہاں فتنۂ ارتداد اٹھا تو آپ نے روک تھام کی پوری کوشش کی۔ آپ نے اہل نجران کے سامنے ایک بہت بلیغ خطبہ دیا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

" يا اهل نجران من امركم با لثبات على هٰذا الدين لقد نصحكم و من امركم ان تزيغوا فقد غشكم الىٰ ان قال و انما كان بنى الله عاريةً بين اظهركم فاتى عليه اجله وبقى الكتاب الذى جاء به فامره ونهيه نهى الىٰ يوم القيامة "۔

''اے اہل نجران! جس نے تم کو اس دین اسلام پر جم جانے کے لئے کہا، وہ تمہارا خیر خواہ ہے اور جس نے کج روی کی تلقین کی وہ تمہارا بد خواہ اور تم دھوکہ دے رہے ہو۔ یہ اللہ کے نبی محمد ﷺ تھوڑے سے زمانے کے لئے تمہارے پاس آئے تھے۔ اب ان کی وفات ہو چکی ہے، مگر جو کتاب وہ لے کر آئے تھے۔ وہ اب بھی باقی ہے۔ اس کا حکم حکم ہے۔ اس کی نہیں نہیں ہے۔ اس کے اوامر اور منہیات قیامت تک باقی رہیں گے''۔

اور پھر یہ اشعار پڑھے:

نحن بحمد الله هامة مذجع　　بنو الحرث الخير الذين هم مدد

ونحن علىٰ دين النبى مزى الذى　　نهانا حرامامنه و الامر مالامر

---

[1] تجرید میں آپ کا نام عبدالرحمٰن درج ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالحارث سے آپ کا نام تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھ دیا ہو۔ اصابہ جلد ۲۔ ص ۳۸۸

غزوات : غزوۂ بدر و احد کی شہرت کے متعلق اختلاف ہے۔ صاحب طبقات کے نزدیک خندق ان کا پہلا غزوہ تھا۔ اس لئے انہوں نے صحابہؓ کے تیسرے طبقہ یعنی خندق میں ان کا تذکرہ لکھا ہے کہ خندق کے بعد جو معرکے پیش آئے وہ ان میں شامل ہوئے۔ امام سرخسی نے لکھا ہے کہ بنونضیر کے محاصرہ کے وقت ضرورتوں کی بنا پر جب ان کے نخلستان صاف کئے جانے لگے تو اس کام پر جو لوگ متعین تھے، ان میں عبداللہؓ بن سلام بھی تھے[1]۔

عہد فاروقی : عہد نبوت کے بعد خلافت فاروقی میں جب حضرت عمرؓ صلح بیت المقدس کے لئے مدینہ سے شام روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہؓ بھی ساتھ تھے۔

عہد عثمانی : حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جب باغیوں نے آستانۂ خلافت کا محاصرہ کر کے آپ کے قتل کی تیاریاں کیں تو عبداللہؓ بن سلام حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں۔ فرمایا تمہارا مکان کے اندر رہنا ٹھیک نہیں، باہر جا کر مجمع کو منتشر کرو۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر کی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے :

"لوگو ! میرا نام جاہلیت میں فلاں تھا (حصین)۔ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ رکھا۔ میرے متعلق قرآن مجید میں کئی آیتیں نازل ہوئیں : شھد شاھد من بنی اسرائیل اور قل کفی باللہ شھیدًا بینی و من عندہ علم الکتاب میری ہی شان میں اُتری ہیں۔ خدا کی تلوار اب تک نیام میں ہے اور فرشتوں نے تمہارے شہر کو جو رسول للہ ﷺ کا دارالہجرت ہے، اپنا نشیمن بنالیا ہے۔ پس ڈرو، خدا سے ڈرو! اور ان کو (حضرت عثمان) قتل نہ کرو۔ خدا کی قسم اگر تم قتل پر کمر بستہ ہوئے تمہارے ہمسایہ فرشتے مدینہ چھوڑ دیں گے اور خدا کی وہ تلوار نکل پڑے گی جو اس وقت نیام میں بند ہے اور پھر قیامت تک نیام میں واپس نہ جائے گی"۔

لیکن سنگدلوں پر اس پُر زور تقریر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کے خلاف شقاوت اور زیادہ ترقی کر گئی۔ بولے کہ اس یہودی اور عثمانؓ دونوں کو قتل کر ڈالو[2]۔

عہد مرتضوی : حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ سے کوفہ دارالخلافہ تبدیل کرنا چاہا تو انہوں نے آپ کو کہلایا، رسول اللہ ﷺ کا منبر نہ چھوڑیئے ورنہ پھر اس کی زیارت نہ کرسکیں گے۔ لوگوں نے حضرت علیؓ کو خبر کی تو فرمایا، وہ بچارے نہایت نیک آدمی ہیں[3]۔

---

[1] شرح السیر الکبیر۔ جلد ا۔ ص ۴۲ [2] صحیح ترمذی۔ ص ۶۲۸ [3] اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۸۱

وفات : ۴۳ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا۔ یہ امیر معاویہؓ زمانہ خلافت تھا۔

اولاد : دو (۲) بیٹے یادگار چھوڑے۔ یوسف اور محمد۔ دونوں آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔ یوسف بڑے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنی گود میں بٹھایا۔ سر پر ہاتھ پھیرا اور یوسف نام رکھا[1]۔

علم وفضل : توراۃ اور انجیل کے عالم تھے۔ اسلام لانے کے بعد قرآن وحدیث کی طرف توجہ کی اور آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوا، جن کی طرف مسائل میں فتویٰ لیا جاتا تھا۔ حضرت معاذؓ بن جبل سے لوگوں نے مرض الموت میں وصیت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا میں نہ رہوں گا، مگر علم اپنی جگہ پر باقی رہے گا اور جو اس کی جستجو کرے گا خصوصیت سے چار آدمیوں کے پاس پائے گا۔ پھر آپ نے ابودرداءؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق یہ فرمایا :

"کان یھودیا فاسلم فانی سمعت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یقول انہ عاشر عشر الجنۃ"

"یہ یہودی تھے۔ مسلمان ہوئے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا ہے کہ وہ دسویں جنّتی ہیں"۔

حضرت ابوہریرہؓ باوجودیکہ خود بہت بلند پایہ کے تھے، مگر بعض مسائل آپ سے پوچھا کرتے تھے۔ جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی ہے، جس میں نمازی کی دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے عبداللہؓ بن سلام سے دریافت کیا کہ وہ کونسی گھڑی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ یہ ذکر تو حالتِ نماز کا ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام نے فرمایا کہ کیا وہ حدیث پیشِ نظر نہیں، جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بندہ جب تک نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز میں ہوتا ہے تو حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔

روایت حدیث : آپ سے صرف ۲۵ روایتیں منقول ہیں۔ راویوں میں بعض صحابہ کرام بھی ہیں، جن کے نام یہ ہیں : آپ کے دونوں صاحبزادے یوسف ومحمد، ازارہ بن اوفی، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن معقل، عبدالرحمٰن بن حنظلہ، تابعین میں سے حسبِ ذیل لوگوں نے آپ سے روایتیں کی ہیں : خرشہ بن الحر، قیس بن عبادہ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، حمزہ بن یوسف۔ آپ کے پوتے، عمر بن محمد (پوتے)، عوف بن مالک، ابو بردہ بن موسیٰ، ابوسعید المقبری، عبادۃ الزرقی، عطاء بن یسار، عبیداللہ بن حبیش غفاری[2]۔

---

[1] مسند۔ ص ۳۵　[2] مسند جلد ۵۔ ص ۴۸۶

اتباع سنت: عطاء بن یسار فرماتے ہیں : آپ ان صحابہ میں تھے جو رفتار، گفتار، نشست و برخاست ہر چیز میں رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے ان کے سامنے سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ (الآیۃ) تلاوت فرمائی، تو حضرت عبداللہؓ بن سلام کا دستور تھا کہ وہ بھی لوگوں کے سامنے یہ آیت تلاوت کیا کرتے تھے اور یہ طریقہ امام اوزاعی تک برابر جاری رہا[1]۔

تواضع و خاکساری: زندگی ہی میں جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ علم و فضل اور تقویٰ و دیانت میں بھی آپ اپنی نظیر آپ تھے۔ لیکن اس فضل و کمال کے باوجود مزاج میں انتہائی تواضع و خاکساری تھی۔ حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی میں آئے۔ آپ کے چہرے سے خشوع خضوع کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا کی اس اثنا میں لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا یہ شخص جنتی ہے۔ جب وہ نماز ادا کر چکے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا گھر پہنچ کر کچھ باتیں کیں جب ذرا آپ مجھ سے مانوس ہو گئے تو میں نے کہا کہ مسجد میں لوگ آپ کے متعلق ایسا کہہ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو جو بات معلوم نہ ہو وہ بات نہیں کہنی چاہئے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر رسول اللہ ﷺ نے یہ بتائی کہ تمھارا خاتمہ اسلام پر ہوگا۔

یہ بات آپ نے انکساری کی وجہ سے فرمائی، ورنہ اُوپر گذر چکا ہے کہ معاذ بن جبل فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ۔

"انہ عاشر عشرۃ الجنۃ"

اسی طرح کی ایک روایت سعد بنؓ عبادہ سے بخاری میں ہے :

"ما سمعت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم یقول لاحد یمشی علی الارض انہ من اھل الجنۃ الا لعبد اللہ ابن سلام"[2]۔

"موجودہ لوگوں میں میں نے عبداللہؓ بن سلام کے علاوہ کسی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے نہیں سنا ہے کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں"۔

---

[1] مسند۔ جلد ۵۔ ص ۴۸۶ [2] اس روایت میں اشکال یہ ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی بعض لوگ ہیں جن کو زندگی ہی میں بشارت دے دی گئی تھی اور اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ صرف عبداللہؓ بن سلام ہی اس فضل کے مستحق ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس اشکال کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سب سے صحیح بات یہ ہے کہ سعد بنؓ عبادہ نے دوسرے حضرات کی وفات کے بعد یہ کہا تھا۔ سعد بن عبادہ خود انہی مبشرین میں ہیں، لیکن انہوں نے انکساری سے اپنا نام نہیں لیا۔

ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا اُٹھا کر لا رہے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ کو خدا نے اس سے مستغنی کیا ہے۔ فرمایا۔ یہ ٹھیک ہے، لیکن میں اس سے کبر وغرور کا قلع قمع کرنا چاہتا ہوں [۱]۔

اس خاکساری وتواضع کے ساتھ حق وصداقت کا جوش بھی بے انداز ہ تھا۔ فرماتے تھے کہ تم کو ایک بار قریش سے لڑائی پیش آئے گی، اس وقت اگر مجھ کو قوت نہ ہو تو تخت پر بٹھا کر مجھ کو فریقین کی صفوں کے درمیان رکھ دینا [۲]۔

(۴۳) حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زبیر

نام ونسب : عبدالرحمٰن نام ہے۔ باختلاف روایت [۳] پورا سلسلۂ نسب یہ ہے : عبدالرحمٰن بن زبیر ابن باطیاء القرظی۔ یہود کے قبیلہ بنو قریظہ سے تھے۔

اسلام : یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کب اسلام لائے۔

کتب حدیث میں یہ واقعہ درج ہے :

حضرت رفاعہؓ نے اپنی بیوی کی طلاق دیدی تھی۔ جن سے عبدالرحمٰنؓ بن زبیر نے شادی کر لی۔ مگر حضرت عبدالرحمٰن ؓ کی کچھ طبعی قوت کی کمزوری کی وجہ سے نباہ نہ ہو سکا۔ تمیمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور علیحٰدگی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے کچھ باتیں دریافت کی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کی حلالہ کی شرط جب تک پوری نہ ہو جائے گی، اس وقت تک تم کو علیحٰدگی کا اختیار نہیں ہے۔ اس کے کچھ روز بعد پھر وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں، مگر آپ ﷺ نے پھر بھی علیحٰدگی کی اجازت نہیں دی۔ پورا واقعہ حضرت رفاعہؓ کے تذکرہ میں آچکا ہے۔

وفات : آپ کی وفات کی اگرچہ کوئی تصریح نہیں ملتی، مگر حضرت رفاعہؓ کے حالات میں گزر چکا ہے کہ تمیمہ حضرت عمر فاروق ؓ کے زمانہ تک چاہتی رہیں کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے علیحٰدگی ہو جائے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ غالباً حضرت عبدالرحمٰنؓ عہد فاروقی تک زندہ رہے۔ واللہ علم

اس آیت کا شانِ نزول آپ ہی کے نکاح کا واقعہ ہے :

---

۱ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ا۔ ص ۲۳　　۲ استیعاب۔ جلد ا۔ ص ۳۹۶

۳ ابن مندہ نے آپ کا سلسلۂ نسب یہ لکھا ہے : عبدالرحمٰن بن زبیر بن یزید بن اُمیہ بن زید بن مالک بن عوف بن عمرو بن مالک بن اوس۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوسی تھے۔ مگر حافظ ابن حجر نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ زبیر بن باطیاء تو بنو قریظہ کے مشہور ومعروف لوگوں میں ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ قبیلہ اوس کے وہ متبنی ہوں اور اس حیثیت سے اوسی بھی مشہور ہو گئے ہوں۔ (اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۸ واسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۸۶)

" فَلاَ تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ "۔

''پس جب تک دوسرا شوہر نکاح نہ کرے دوسرا نکاح جائز نہیں ہے''۔

(۴۴) حضرت عداسؓ

عداس نام ہے۔ شیبہ بن ربیعہ کے غلام تھے۔ نینوا کے مشہور مقام موصل کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے[۱]۔ مذہباً عیسائی تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ اہلِ طائف کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے طائف تشریف لے گئے اور ان لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی اور وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں شیبہ اور عتبہ نے جو آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، عداسؓ کو انگور کے کچھ خوشے دے کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔ جب عداسؓ آپ ﷺ کے پاس انگور لائے تو آپ ﷺ نے بسم اللہ فرمایا اور لے لیا۔

حضرت عداسؓ نے تعجب سے کہا کہ یہ تو ایک نیا طرز کلام سُن رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ عداسؓ نے بتایا کی نینوا کا رہنے والا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جہاں کے حضرت یونسؑ رہنے والے تھے۔ عداسؓ نے کہا کہ آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہوا کہ یونسؑ کون ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں[۲]۔

اسلام : عداسؓ نے نبوت کے یہ آثار وصفات دیکھ کر آپ ﷺ کے دست مبارک اور پیروں کا بوسہ لیا اور کہہ اُٹھے :

" اشهد انک عبد الله ورسوله "[۳]۔

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

شیبہ وعتبہ دور سے حضرت عداسؓ کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ جب وہ واپس ہوئے تو انہوں نے کہا کہ تم نے دست بوسی کیوں کی۔ حضرت عداسؓ نے کہا کہ یہ دنیا کے بہترین شخص ہیں۔ یہ سُن کر دونوں نے کہا کہ کہیں وہ تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ نہ کردیں۔ تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔ (البدایہ۔ جلد۳)

۱؎ اصابہ۔ جلد۲۔ ص۴۶۶　۲؎ اسد الغابہ۔ جلد۳۔ ص۳۹۰ ایک روایت میں ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فرمایا۔ زرقانی۔ ص۲۵۶　۳؎ اصابہ۔ جلد۲ص۴۶۶

بدر کے روز جب دونوں طرف سے تیاریاں ہو رہی تھیں تو حضرت عداسؓ ایک ٹیلہ پر بیٹھ گئے۔ جب شیبہ اور ربیعہ ادہر سے گزرے تو آپ نے ان دونوں کا پیر تھام لیا اور فرمایا کہ خدا کی قسم تم لوگ نبی سے لڑنے کے لئے جا رہے ہو۔ تم لوگوں کا بچ کر واپس آنا بہت مشکل ہے۔ حضرت عداسؓ کو ان دونوں سے ایک گونہ تعلق تھا۔ اس لئے بہت کچھ سمجھایا، مگر وہ نہ مانے تو آپ الگ غمگین ہو کر بیٹھ گئے[1]۔

زندگی کے دوسرے واقعات کا ذکر رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

(۴۵) حضرت عدیؓ بن حاتم

نام ونسب : عدی نام ہے۔ ابوطریف کنیت۔ نسب نامہ یہ ہے : عدی بن حاتم عبداللہ بن سعد بن مشرج بن امراء القیس ابن عدی بن ربیعہ بن جزول بن ثعل بن عمرو بن یغوث بن طے بن اود بن زید بن کہلان۔ عدی مشہور حاتم طائی کے جن کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں، بیٹے ہیں۔ عقیدہ کے اعتبار سے عیسائیوں کے رکوی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

عدی کا خاندان مدت سے قبیلہ طے پر حکمران چلا آتا تھا اور ظہور اسلام کے وقت وہ خود تخت فرمانروائی پر تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کو مسلسل فتوحات ہوئیں اور اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کا اثر اقتدار اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عدیؓ کو نظر آیا کی کچھ دنوں میں ان کو بھی آنحضرت ﷺ کے سامنے سرِ اطاعت خم کئے بغیر چارہ کار نہیں رہ جائے گا، تو دوسرے فرمانرواؤں کی طرح ان کی نخوت کو بھی ایک معمولی قریشی کی ماتحتی اور حکومت گوارا نہ ہوئی، لیکن ایک طرف اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا روکنا ان کے بس سے باہر تھا اور دوسری طرف حکمرانی کا غرور اسلام کے سامنے سر جھکانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ترک وطن کا فیصلہ کر لیا اور سامانِ سفر درست کر کے اسلامی فوجوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے کہ ادہر وہ ان کی حدود کی طرف بڑھیں اُدہر یہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل جائیں۔ جب اسلامی شہ سوار قبیلہ طے میں پہنچے تو عدی اپنے اہل وعیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے[1]۔

اتفاق سے عدی کی ایک عزیزہ چھوٹ گئی تھیں۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اور عام قیدیوں کے ساتھ ایک مقام پر منتقل کر دی گئیں۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۸

آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گزر ہوا، تو ان خاتون نے عرض کیا، یارسول اللہ (ﷺ) باپ مر چکے ہیں۔ چھڑانے والا اس وقت موجود نہیں۔ مجھ پر احسان کیجئے۔ خدا آپ پر احسان کرے گا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا، چھڑانے والا کون ہے؟ عرض کیا عدی بن حاتم۔ فرمایا وہی عدی جس نے خدا اور رسول ﷺ سے فرار اختیار کی۔ یہ کہہ کر چلے گئے۔

دوسرے دن پھر گزرے، اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ اس نے حضرت علیؓ کے مشورے سے درخواست کی۔ اس مرتبہ قبول ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے رہا فرمادیا، لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لئے ان کے رُتبہ اور اعزاز کا لحاظ کر کے ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو۔ جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو۔ چند دنوں بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ مل گئے۔ طائی خاتون نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔

آپ نے شایانِ شان سواری، لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کر کے بحفاظت تمام روانہ کیا۔ یہاں سے یہ خاتون براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کی نہایت بُری طرح خبر لی کہ تم سے قاطع رحم کون ہوگا۔ اپنے اہل وعیال کو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ چند دنوں کے بعد عدیؓ نے ان سے پوچھا۔

تم ہوشیار اور عاقلہ ہو تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی؟ انہوں نے کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلدی ہو سکے تم ان سے ملو اور اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف وسعادت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا[1]۔

یہ معقول بات عدیؓ کی سمجھ میں آ گئی۔ چنانچہ وہ شام سے مدینہ آئے اور مسجد نبوی میں آ کر آنحضرت ﷺ سے ملے۔ آپ ﷺ نے ان کا نام پوچھا اور ان کو لے کر شانۂ اقدس کی طرف چلے۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت ملی۔ اس نے آپ ﷺ کو روک لیا۔ آپ ﷺ دیر تک اس سے باتیں کرتے رہے۔ اس کا عدیؓ کے دل پر خاص اثر ہوا اور انہوں نے کہا کہ یہ طرز دنیاوی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔ گھر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے باصرار عدی کو ایک گدے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھے۔ اس اخلاق کا عدی کے دل پر اور اثر ہوا، اور انہیں یقین ہوگیا کہ آنحضرت ﷺ کسی طرح دنیاوی بادشاہ نہیں ہو سکتے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۹۔ ۳۷۰

امیر العسکر مثنیٰ کے ساتھ حیرہ کے معرکہ میں شریک ہوئے۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور ایرانیوں نے شکست کھائی۔ اس کے بعد نہر مثنیٰ پر صف آرائی، اس میں بھی عدیؓ شریک تھے اور ایرانی ناکام رہے[1]۔ اس کے بعد جسر کے معرکہ میں شرکت کی۔ اس میں مثنیٰ کی غلطی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی[2]۔ اس سلسلہ کی سب سے بڑی جنگ قادسیہ میں بھی عدیؓ نے دادِ شجاعت دی[3]۔

سب سے آخر میں کوثی اور مدائن پر فوج کشی ہوئی۔ عدیؓ اس میں بھی شریک ہوئے اور مدائن کے فاتحین میں تھے۔ ان کے سامنے کسریٰ کا خزانہ[1] مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کی پیشن گوئی پوری ہوتی ہوئی دیکھ لی[4]۔ ان لڑائیوں کے علاوہ تستر اور نہاوند کے معرکوں میں بھی شریک تھے[5]۔ شام کی بعض جنگوں میں بھی وہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہمراہ تھے۔ غرض اس عہد کی اکثر لڑائیوں میں انہوں نے شرکت کی سعادت اور فتوحات حاصل کیں[6]۔

عہدِ مرتضوی : حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے طرزِ عمل سے عدیؓ کو اختلاف تھا۔ اس لئے ان کے زمانہ میں بالکل خاموش رہے۔ اُن کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ اور دوسرے اکابر صحابہ میں اختلاف ہوا تو عدیؓ نے حضرت علیؓ کی نہایت پُر جوش حمایت کی۔ چنانچہ جنگِ جمل میں وہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔

بصرہ کے قریب جب حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو مرتب کیا تو قبیلہ طے کا علم عدیؓ کو عنایت کیا۔ وہ جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی حمایت میں نہایت جانبازی کے ساتھ لڑے۔ جس میں ان کی ایک آنکھ کام آگئی[7]۔ جنگ جمل کے بعد صفین میں بھی وہ اسی جوش و خروش کے ساتھ حضرت علیؓ کی حمایت میں نکلے۔ اس جنگ میں بنو قضاء کی کمان حضرت عدیؓ کے ہاتھوں میں تھی[8]۔ صفین کا معرکہ مدتوں جاری رہا۔ شروع میں فریقین کے بہادر ایک ایک دستے لے کر میدان میں اُترتے تھے۔ ایک دن حضرت خالدؓ کے صاحبزادے شامیوں کی جانب میدان میں اُترے۔ حضرت علیؓ کی جانب سے جناب عدیؓ ان کے مقابلہ کو نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ کرتے رہے[9]۔

ایک دن جبکہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور اور عراقی فوجیں پراگندہ ہو رہی تھیں۔ حضرت علیؓ علیحدہ ایک دستہ کو لئے صف آراء تھے۔ عدی کو حضرت علیؓ نظر نہ آئے تو آپ کی تلاش

---

۱ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۱ ۔ ۲ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۱۲۹۳ ۔ ۳ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳
۴ مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۲۵۷ ۔ ۵ ابن اثیر۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۱ ۔ ۶ اخبار الطوال۔ ص ۱۵۵ ۔ ۷ ایضاً
۷ ایضاً۔ ص ۱۵۳ ۔ ۸ ایضاً۔ ص ۱۹۸ ۔ ۹ ایضاً

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عدیؓ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں تو ایک مذہب کا پیرو ہوں۔ آپ نے فرمایا، میں تمہارے مذہب سے تم سے زیادہ واقف ہوں۔ عدی نے متعجبانہ پوچھا۔ آپ میرے مذہب سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں؟ فرمایا، بیشک۔ کیا تم رکوسی نہیں ہو[1]۔ اور مال غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے ہو۔ عدیؓ نے اقرار کیا۔ ان کے اقرار کے بعد آنحضرت ﷺ نے اعتراضاً فرمایا کہ یہ تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے۔ یہ حقیقت سُن کر عدی کمزور پڑ گئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا، میں سمجھتا ہوں کہ کیا چیز تمہارے اسلام قبول کرنے میں مانع ہوتی ہے؟

اسلام کے متعلق تمہارا خیال ہوگا کہ اس کے پیرو کمزور اور ناتواں لوگ ہیں جن کے پاس نہ کوئی طاقت ہے اور نہ کوئی پُرسانِ حال۔ پھر پوچھا تم حیرہ کو جانتے ہو۔ عدی نے کہا دیکھا تو نہیں ہے، لیکن نام سُنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ ایک دن خدا اسلام کو تکمیل کے درجہ تک پہنچائے گا اور (اس کی برکت سے) ایک تنہا عورت بلا کسی حفاظت کے حیرہ سے آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور کسریٰ بن ہرمز کا خزانہ فتح ہوگا۔ عدی نے استعجاباً پوچھا کسریٰ بن ہرمز! فرمایا، ہاں! کسریٰ بن ہرمز، اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ لوگوں کو دیا جائے گا اور وہ لینے سے انکار کریں گے۔ اس گفتگو کے بعد عدیؓ آنحضرت ﷺ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہو گئے[2]۔

امارت: آنحضرت ﷺ ہر نئے مسلمان سے اس کے رُتبہ کے مطابق کام لیتے تھے اور اسلام سے پہلے جن کا جو رُتبہ تھا، اس کو اسلام کے بعد برقرار رکھتے تھے۔ عدیؓ قبیلۂ طے کے حکمران تھے۔ اس لئے اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کو طے کی امارت پر ممتاز فرمایا[3]۔

عہدِ صدیقی: حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں جب ارتداد کا فتنہ اُٹھا تو بہت سے عرب قبائل نے زکوٰۃ دینی بند کردی۔ اس موقع پر عدیؓ کی کوششوں سے ان کا قبیلہ اس فتنہ سے محفوظ رہا۔ اور عدیؓ برابر زکوٰۃ وصول کر کے دربارِ خلافت میں پہنچاتے رہے[4]۔

عہدِ فاروق: ۱۳ھ میں جب حضرت عمر فاروقؓ نے عراق کی فتوحات کی تکمیل کے لئے تمام ممالک محروسہ سے فوجیں طلب کیں تو عدیؓ بھی اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے کر شرکتِ جہاد کے لئے پہنچے اور

---

[1] رکوسی عیسائی مذہب کا ایک فرقہ ہے۔ [2] مسند احمد بن حنبل۔ جلد ۴۔ ص ۲۵۷ مسند میں یہ حالات جستہ جستہ ہیں۔ ہم نے انہیں جمع کر کے ایک سلسلہ میں لکھ دیا ہے۔ [3] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۸۷
[4] استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶

ضرورت نہیں پڑی[1]۔ ہر وقت نماز میں دل لگا رہتا تھا اور نہایت اشتیاق سے نماز کا انتظار کرتے تھے[2]۔

روزہ کے شرائط کی اسی سختی سے پابندی کرتے تھے کہ جب یہ آیت :

"حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدْ" ۔

"یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے"۔

نازل ہوئی تو سوتے وقت سفید و سیاہ عقالی تکیہ سر کے نیچے رکھ لیتے تھے اور اس سے سحری کے وقت کا اختتام کا اندازہ لگاتے تھے، لیکن سیاہی اور سفیدی میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے، تمہارا تکیہ بہت لمبا چوڑا ہے۔ اسود و ابیض سے مراد رات دن ہیں[3]۔

فیاضی : سخاوت و فیاضی روایۃً ملی تھی۔ ان کا دروازہ ہر وقت ہر شخص کے لئے کھلا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ اشعث بن قیس نے دیگیں مانگ بھیجیں، حضرت عدیؓ نے انہیں بھروا کر بھیجا۔ اشعث کے کہلا بھیجا کہ میں نے تو خالی مانگی تھیں۔ جواب میں کہلا بھیجا کہ میں عاریۃً بھی خالی دیگ نہیں دیتا[4]۔

ایک مرتبہ ایک شاعر سالم بن عارہ نے آ کر کہا، میں نے آپ کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ حضرت عدیؓ نے کہا رک جاؤ، میں ذرا اپنے مال و اسباب کی تفصیل تو تمہیں بتلا دوں، اس کے بعد سنانا۔ میرے پاس ایک ہزار بچے والے مویشی، دو ہزار درہم ۳ غلام اور ایک گھوڑا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے مدحیہ قصیدہ سنایا[5]۔

جو شخص ان کے رتبہ سے کم سوال کرتا اسے نہ دیتے تھے۔ صحیح مسلم میں بروایت صحیح مروی ہے کہ ایک شخص نے سو درہم کا سوال کیا۔ اتنی کم رقم کا سن کر بولے میں حاتم کا بیٹا ہوں اور تم مجھ سے صرف سو درہم مانگتے ہو۔ خدا کی قسم ہرگز نہ دوں گا[6]۔

ان کی فیاضی سے انسان تو انسان حیوان تک مستفید ہوتے تھے۔ چیونٹیوں کی غذا مقرر تھی۔ ان کے لئے روٹیاں توڑ کر ڈالتے تھے، کہتے تھے کہ یہ بھی حقدار ہیں[7]۔

بارگاہِ نبوت میں عزت :

حضرت عدیؓ اپنے ذاتی اور خاندانی فضائل کی وجہ سے بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تو آپ ان کے لئے جگہ خالی کر دیتے[8]۔ خلفا کے

---

۱ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۲۸　۲ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶　۳ ابوداؤد کتاب الصوم باب وقت السحور
۴ اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳　۵ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶　۶ مسلم۔ جلد ۲۔ ص ۲۲ مصر مطبوعہ مصر
۷ اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۳۹۳　۸ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۷

میں نکلے اور ڈھونڈ کر عرض کیا کہ اگر آپ صحیح وسالم ہیں تو معرکہ سر کر لینا کچھ دشوار نہیں ہے۔ میں آپ کی تلاش میں لاشوں کو روندتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔ اس دن سب سے زیادہ ثابت قدمی عدیؓ نے دکھائی تھی۔ ان کا ماتحت دستہ ربیعہ اس بہادری سے لڑا کہ حضرت علیؓ کو کہنا پڑا کہ ربیعہ میری زرہ اور تلوار ہیں[۱]۔

صفین کے بعد نہروان کا معرکہ گرم ہوا۔ اس میں بھی عدیؓ حضرت علیؓ کے دست راست تھے۔ غرض شروع سے آخر تک وہ برابر حضرت علیؓ کے جانثارانہ شریک رہے[۲]۔

وفات: مختار ثقفی کے خروج تک عدیؓ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتبار سے وہ جنگ صفین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے، مگر اس تیس سالہ زندگی کے واقعات پردۂ اخفا میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھے، اور آپ کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ میں عزلت کی زندگی بسر کرتے تھے اور یہیں ۶۷ھ میں وفات پائی[۳]۔

فضل و کمال: عدیؓ گو آخری زمانہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ تاہم چونکہ وہ آنحضرت ﷺ اور شیخینؓ کے پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے۔ خصوصاً حضرت علیؓ سے انکے تعلقات بہت زیادہ تھے۔ اس لئے وہ مذہبی علوم سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ ان کی ۶۶ روایتیں حدیث کی کتابوں موجود ہیں۔

ان میں سے چھ (۶) متفق علیہ ہیں اور تین (۳) امام بخاریؒ اور دو (۲) میں امام مسلم منفرد ہیں[۴]۔ ان کے تلامذہ میں عمرو بن حریث، عبداللہ بن معقل، تمیم بن طرفہ، خیثمہ بن عبدالرحمن، محل بن خلیفہ طائی، عامر الشعبی، عبداللہ بن عمرو، ہلال بن منذر، سعید بن جبیر، قاسم بن عبدالرحمن، عبادہ بن حبیش وغیرہ قابلِ ذکر ہیں[۵]۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے ان کمالات کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے:

"كان سيدًا شريفًا في قومه خطيبًا حاضر الجواب فاضلا كريمًا"[۶]۔

''وہ اپنی قوم کے معززین میں تھے خطیب، حاضر جواب، فاضل اور کریم تھے''۔

مذہبی زندگی: یوں تو عدیؓ کی پوری زندگی خالص مذہبی زندگی تھی، لیکن نماز اور روزوں کے ساتھ شغف تھا۔ نماز کے لئے یہ اہتمام تھا کہ ہر وقت باوضو رہتے تھے۔ کبھی اقامت کے وقت وضو کی

۱۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۹۸　　۲۔ استیعاب۔ جلد ۳۔ ص ۵۱۷　　۳۔ اخبار الطوال۔ ص ۱۹۸
۴۔ تہذیب الکمال۔ ص ۲۶۳　　۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۷۔ ص ۱۶۷　　۶۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۶

یہاں بھی یہی وقعت قائم تھی۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں مدینہ آئے اور ان سے مل کر پوچھا، آپ نے مجھے پہچانا۔ فرمایا، پہچانتا کیوں نہیں، تم اس وقت ایمان لائے، جب لوگ کفر میں مبتلا تھے۔ تم نے اس وقت حق کا جانا جب لوگ حق کے منکر تھے اور تم نے اس وقت وفا کی کی جب لوگ دھوکہ دے رہے تھے اور تم اس وقت آئے جب لوگ پیٹھ پھیر رہے تھے۔ سب سے پہلا صدقہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے چہروں کو بشاش کیا وہ تمہارے قبیلہ کا تھا[1]۔

(۴۶) حضرت عطیہ القرظیؓ

نام ونسب : نام عطیہ ہے۔ باپ کے نام کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی۔ قبیلہ بنو قریظہ کے یہود تھے[2]۔

اسلام : بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے، ان میں حضرت عطیہؓ بھی تھے[3]۔

زندگی کے عام حالات اور وفات کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی۔

علم و فضل : کتبِ احادیث میں آپ کی ایک روایت مجاہد عبدالملک بن عمیرہ وغیرہ کے واسطے سے مروی ہے[4]۔

(۴۷) حضرت علیؓ بن رفاعہؓ

نام ونسب : علی نام ہے۔ رفاعہؓ صحابی کے صاحبزادے اور نسباً یہودی تھے[5]۔

اسلام اور شرف صحبت :

غالباً اپنے والد حضرت رفاعہؓ کے ساتھ اسلام لائے ہوں گے۔ اپنے والد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اہلِ کتاب میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے، اُن میں میرے والد بھی تھے۔ اسی روایت کی بنا پر صاحب تجرید اور ابو موسیٰ وغیرہ کا خیال ہے کہ ان کو شرف صحبت حاصل نہیں ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابو حاتمؒ نے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحابی ہیں۔ وہ روایت یہ ہے :

---

[1] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۹ خفیف تغیر کے ساتھ یہ روایت بخاری کتاب المغازی میں بھی ہے۔
[2] استیعاب۔ ص ۵۱۸ [3] اسد الغابہ۔ جلد ۳۔ ص ۴۱۳ [4] ایضاً [5] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۵

عمرو کہتے ہیں کہ مجھے طاؤس نے لکھا کہ مخابرہ[1] کے متعلق انصار سے دریافت کرو۔ میں نے علی بن رفاعہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا : کہ

"هو كرأ الارض بالثلث اوالربع" ۔

"مخابرہ نام ہے زمین کو تہائی یا چوتھائی پیداوار اُٹھانے کا"۔

علم وفضل : مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دینی مسائل اور احکام میں کافی درک تھا اور لوگ ان سے مسائل پوچھتے تھے۔

(۴۸) حضرت عمروؓ بن سعدی

نام ونسب : عمرو نام ہے۔ باپ کا نام سعدی تھا۔ قبیلہ قریظہ سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام : بنوقریظہ جس روز جلاوطن کئے گئے، آپ یہود کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ اے یہود تم لوگوں نے محمد ﷺ سے نقض عہد کیا ہے، ان سے غداری کی، ان سے تم نے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے دشمنوں کی مدد نہ کرو گے۔ مگر تم نے اس کی خلاف ورزی کی۔ میں نے اس وقت بھی گریز کیا تھا اور اب بھی تم سے بالکل علیحٰدہ ہوں[2]۔

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا : کہ

"ياقوم رايتم مار ايتم فاتبعوني وتعالوا انتبع محمدا والله انكم تعلمون انه نبي قد بشرنا به وباءمرہ ابن الهيبان وعمير . ابن الحراش هوا علم يهود" [3]۔

"اے قوم جو کچھ پیش آیا، وہ تم دیکھ چکے۔ اب آؤ محمد ﷺ کا اتباع کریں۔ خدا کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ ابن الہیبان اور ابن الحراش جو ہم سب سے بڑے عالم تھے ان کی آمد اور اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے"۔

اس کے بعد وہ مسجد میں آئے اور رات وہیں بسر کی اور اسلام قبول کیا اور پھر دوسرے دن مدینہ سے باہر کہیں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

---

[1] مزارعہ اور مخابرہ میں فرق ہے۔ مزارعہ میں بیج مالک کا ہوتا ہے اور مخابرہ میں عامل کا۔ دوسرا فرق صاحب مجمع بحار الانوار نے یہ بیان کیا ہے : مزارعہ اکثرا اکترا العامل ہے۔ بعض یخرج والمخابرہ اکترا العامل الارض بعض یخرج۔ جلد ا۔ لفظ "خبر" یہ لفظ خبار یا خبیر سے مشتق ہے۔　[2] اصبہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۳۸　[3] البدایہ۔ جلد ۴۔ ص ۸۰

" ذالک رجل نجاه الله بصدقه "[1]

''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو اس کی سچائی کی وجہ سے نجات دی''۔

(۴۹) حضرت عمیرؓ بن اُمیہ

نام ونسب : عمیر نام ہے۔ باپ کا نام اُمیہ تھا۔ پورا سلسلۂ نسب معلوم نہیں۔ ذیل کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یہودی تھے۔

ان کی ایک بہن تھی جو رسول اللہ ﷺ کو مختلف طریقہ سے تکلیف دیتی تھی اور سخت وست کہا کرتی تھی۔ حضرت عمیرؓ کو ایک روز بہت غصہ آیا اور چپکے سے اسے قتل کر دیا۔ جب اس کے لڑکوں کو خبر ہوئی تو بہت برہم ہوئے اور آپ کے بجائے ایک دوسرے شخص کو قاتل سمجھ کر اس سے بدلہ لینا چاہا۔ حضرت عمیرؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے قتل کیا ہے۔ فرمایا، اپنی بہن کو قتل کر ڈالا؟ کہا ہاں یا رسول اللہ (ﷺ)! وہ آپ کو بہت تکلیف دیا کرتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لڑکوں کو بلوایا اور واقعہ پوچھا۔ انہوں نے ایک اور شخص کا نام لیا۔ لیکن آپ نے انہیں عمیرؓ کا نام بتلا دیا اور ان کو سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کر دیا۔

جس عورت کو انہوں نے قتل کیا تھا، اس کے متعلق تصریح ہے کہ وہ یہودیہ تھی[2]۔ اور چونکہ وہ آپ کی بہن تھی، اس لئے آپ بھی یہودی رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم

(ک)

(۵۰) حضرت کثیرؓ بن السائب[3]

نام ونسب : کثیر نام ہے۔ باپ کا نام سائب تھا، جو خاندان قریظہ سے تھے۔ غزوۂ قریظہ میں جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے تھے۔ ان میں حضرت کثیرؓ بھی تھے۔ نسائی نے ان سے صرف ایک روایت کی ہے۔ لیکن ابونعیم اور ابن مندہ وغیرہ نے متعدد روایتوں کی تصریح کی ہے[4]۔

زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

---

[1] اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۵۳۸ [2] اسد الغابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۰ [3] بعض لوگوں نے ان کو زمرۂ تابعین میں شمار کیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابونعیم ابن شاہین اور ابن مندہ وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جن سے آپ کا صحابی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اللہ اعلم بالصواب [4] اصابہ ذکر کثیر بن السائب۔

(۵۱) حضرت کرزؓ بن علقمہ

نام ونسب : کرز یا کوز نام ہے[1]۔ باپ کا نام علقمہ تھا۔ آپ کا نسبی تعلق بکر بن وائل سے تھا۔ آپ نے اپنے بھائی ابو حارثہ کے ساتھ نصرانیت قبول کر لی تھی اور نجران میں مقیم ہو گئے تھے۔ اس لئے نجرانی مشہور ہیں[2]۔

اسلام : جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تو اس میں آپ کا بھائی ابو حارثہ بن علقمہ بھی تھا۔ دونوں بھائی ایک ہی سواری پر سوار تھے۔ راستہ میں جب کہیں سواری کو ٹھوکر لگتی تو کرز کہتے کہ **نفس الا بعد** (دور رہنے والے محمد (ﷺ) کا بُرا ہو)۔ ابو حارثہ نے کہ سُنا تو کہا کہ تمہارا بُرا ہو۔ کرز نے بھائی سے کہا ایسا کیوں کہتے ہیں بھائی نے جواب دیا : کہ

"**قدو الله النبی الذی کنا تنظرهٗ**۔

"خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جس کا ہم لوگ انتظار کر رہے تھے"۔

پھر کرزؓ نے کہا، تو تم ان کا اتباع کیوں نہیں کرتے ہو؟ ابو حارثہ نے کہا کہ یہ مال و دولت اور عزت وعظمت جو کچھ حاصل ہے سب چھن جائے گی۔ ابو حارثہ کا یہ جملہ حضرت کرزؓ کے دل میں نور یقین پیدا کر دینے کا سبب ہو گیا۔ اس وقت تو وہ خاموش رہے مگر کچھ روز کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا[3]۔

متاخر الاسلام تھے۔ اس لئے زندگی کے زیادہ تر واقعات پردۂ اخفا میں ہیں۔

(۵۲) حضرت کعبؓ بن سلیم

نام ونسب : کعب نام ہے۔ باپ کا نام سلیم تھا۔ یہود مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تھے۔ چونکہ قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ اس لئے کعب قرظی اور اوسی دونوں مشہور ہیں۔

اسلام : بنو قریظہ کے روز جو لوگ نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیئے گئے تھے، ان میں حضرت کعبؓ بھی تھے اور اپنے دوسرے احباب کی طرح بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

وفات : وفات کا سنہ معلوم نہیں۔

---

[1] نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کرز اور بعض لوگوں نے کوز لکھا ہے۔

[2] البدایہ والنہایہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۶　　[3] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۲

اولاد : دینی ومذہبی فضل وکمال کے علاوہ آپ کا اضافی فضل یہ ہے کہ محمد بن کعب القرظی مشہور تابعی آپ ہی کے صاحبزادے ہیں[1]۔

(۴)

(۵۳) حضرت محربؓ

نام ونسب : محرب نام ہے۔ الرباب الشنی مشہور عیسائی کاہن کے لڑکے تھے۔

صاحبِ اصابہ نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے[2]۔

رسول اللہ ﷺ نے آپ کو عمان کے والی ابن الجلندی کے پاس بطور سفیر بھیجا تھا[3]۔

آپ کے ایک صاحبزادے ثنی بڑے صاحب فضل وکمال ہوئے ہیں[4]۔

(۵۴) حضرت محمدؓ بن عبداللہ بن سلام

نام ونسب : محمد نام ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام کے صاحبزادے تھے۔

اسلام : آپ کے اسلام لانے کی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے۔ غالباً حضرت عبداللہؓ بن سلام کے ساتھ اسلام لائے ہوں۔ آپ کو شرف صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں۔

کتب رجال میں ہے : کہ

"له رویة وروایة محفوظة"[5]۔

''ان کو صحبت اور روایت دونوں حاصل ہیں''۔

مسند میں آپ سے دو روایتیں مروی ہیں۔ ان میں ایک روایت بہت مشہور ہے۔ وہ یہ ہے :

"عن محمد بن عبد الله بن سلام لما قدم رسول الله صلّى الله عليه وسلّم علينا يعني قبا[6] قال ان الله عزوجل قد اثنى عليكم في الطهور"۔

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کتب رجال مذکور نہیں ہیں۔

---

[1] استیعاب۔ جلد ا۔ ص ۲۶۶ [2] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۶۷ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] اصابہ

[6] اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا خانوادہ مدینہ میں قبا میں رہتا تھا۔

(۵۵) حضرت مخریق رضی اللہ عنہ

نام ونسب : مخریق نام ہے۔ قبیلہ نضیر[۱] سے نسبی تعلق تھا۔ آپ کا شمار علمائے یہود میں تھا۔

اسلام : اسلام قبول کرنے کے متعلق کتب رجال وسیر میں صرف اتنا مذکور ہے :

" کان خیرًا عالما فامن بالنبی صلی اللہ علیہ وسلّم "[۲]۔

"نہایت صالح اور عالم تھے۔ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے"۔

غزوۂ احد میں شرکت اور شہادت :

غزوۂ احد پیش آیا تو حضرت مخریقؓ یہود مدینہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو محمد (ﷺ) کی ہر طرح مدد کرنی چاہئے۔ جبکہ تمہیں یہ علم ہے کہ ان کی مدد تم پر ضروری ہے۔ یہود نے کہا آج یوم سبت (سنیچر) ہے۔ ہم کیسے تلوار اُٹھا سکتے ہیں فرمایا، سبت وغیرہ کیا چیز ہے؟ فوراً تلوار ہاتھ میں لی اور سر بکف خدمت نبی میں حاضر ہوئے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوکر پامردی سے لڑے اور شہادت پائی[۳]۔

فضل وکمال : آپ نے جب شہادت پائی تو آنحضرت نے فرمایا : کہ

" مخرج سالق یهود "[۴]۔

"مخریق یہود میں سب سے آگے جانے والے ہیں"۔

مدینہ میں آپ کے کئی باغات تھے۔ جب غزوۂ احد میں آپ زخمی ہوئے تو اپنی ساری جائداد اور مال واسباب آنحضرت ﷺ کو وصیت کر گئے۔ آپ نے جو باغات آنحضرت ﷺ کو دیئے، ان کے نام یہ ہیں :

المیث، الصائفہ، الدلال، حسن، اجرفہ، الاعواف، مشربہ ام براہیم[۵]۔

حضور ﷺ مخریق کی اسی جائداد سے عام مسلمانوں کی مدد اور صدقات وغیرہ کیا کرتے تھے[۶]۔

۱۔ تجرید۔ جلد ۲۔ ص ۷۰ اصابہ میں ہے کہ انه کان بقایا بنی قینقاع مگر حافظ ابن حجر کا رجحان آپ کے نضری ہونے کی طرف ہے۔ کیونکہ انہوں نے " مخریق النضری " سرخی قائم کی ہے۔ ۲۔ تجریدی۔ جلد ۲۔ ۷۰

۳۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳ ۴۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ۳۹۳ ۵۔ ایک روایت میں المیت کے بجائے المبشر ہے اور الاعواف کی جگہ المعوال ہے۔ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۳۹۳ ۶۔ ایضاً

(۵۶) حضرت میمونؓ بن یامین

نام ونسب : میمون نام ہے۔ باپ کا نام یامین تھا۔ یہود کے مشہور قبیلہ قریظہ سے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں بہت ممتاز تھے اور آپ کا شمار احبار یہود میں تھا[1]۔

اسلام : رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو میمون خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ لیکن دل میں یہ تڑپ تھی کہ ان کی قوم سے دوسرے لوگ بھی اس دولتِ سرمدی و سعادت ابدی سے بہرہ ور ہوتے تو اچھا تھا۔

آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ یہود کو بلوائیں اور ان سے فرمائیں کہ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کوئی حکم مقرر کر لیں۔ جس کے فیصلہ پر دونوں فریق گردن جھکا دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو بلوا بھیجا اور میمون سے کہا تم مکان کے اندر چلے جاؤ۔

یہود آئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے اور میرے درمیان ایک حکم مقرر کر لو۔ جس کی تصدیق وعدم تصدیق کے فیصلہ پر ہم دونوں سر جھکا دیں۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم میمون بن یامین کو اپنا حکم مقرر کرتے ہیں۔ اگر انہوں نے آپ کی تصدیق کر لی تو ہم بھی تصدیق کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے میمون کو آواز دی۔ وہ مکان سے باہر نکلے اور فرمایا :

" **اشهد ان محمدًا رسول الله** "۔

" آپ بے شک اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں"۔

لیکن یہود نے قبول حق کے بجائے حضرت میمونؓ پر طعن وتشنیع شروع کر دی اور واپس چلے گئے۔

آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی :

" **قُلْ اَرَأَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ**[2]**، وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ بَنِىٓ اِسْرَائِيْلَ** "۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۴۔ ص ۲۲۷ [2] لیکن یہ واقعہ ارباب رجال حضرت عبداللہؓ بن سلام کے بارے میں بھی نقل کرتے ہیں اور آیت کا شانِ نزول ان ہی کو بتلاتے ہیں۔ مگر اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو اور دونوں منشائے نزول ہوں۔ جیسا کہ فتح الباری میں دونوں آدمیوں کے قبول اسلام کا واقعہ اس آیت کے تحت درج ہے۔ (اصابہ۔ جلد ۲۔ ص ۱۷۴، اسد الغابہ جلد ۴ ص ۲۲۷)

''آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ کو بتلاؤ کہ اگر یہ قرآن من جانب اللہ ہو اور تم اس کے منکر ہو اور بنی اسرائیل سے کوئی گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان لے آوے''۔

زندگی کے بقیہ حالات کے متعلق ارباب رجال خاموش ہیں۔

(۵۷) حضرت مابورؓ

نام و نسب: مابور نام ہے۔ اور خصی عرف تھا۔ حضرت ماریہؓ کے چچازاد یا ماموں زاد بھائی تھے اور ان ہی کے ساتھ مقوقس شاہ مصر نے انہیں بھی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا[۱]۔

اسلام: حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو شروع ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن مابورؓ نے کچھ دنوں کے بعد اسلام قبول کیا[۲]۔ حضرت ماریہؓ سے بہت زیادہ مانوس تھے اور ان کی کافی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان کو لکڑی اور پانی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اکثر یہی مہیا کیا کرتے تھے[۳]۔

(ن)

(۵۸) حضرت نافعؓ

نام و نسب: نافع نام ہے۔ حبشہ کے رہنے والے اور علمائے نصاریٰ میں تھے۔

اسلام: غالباً اپنے دوسرے احباب کے ساتھ حبشہ میں اسلام لائے۔

خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضری:

جب مہاجرین حبشہ سے مدینہ واپس آنے لگے تو آپ بھی مدینہ آئے، اور زیارت نبوی سے مشرف ہوئے۔

زندگی کے دوسرے سوانح و حالات نہیں مل سکے۔ لیکن آپ کا شمار بھی ان صحابہ میں ہے، جن کے بارے میں سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں[۱]۔

''وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ''۔ (مائدہ)

۱؎ اصابہ۔ جلد۳۔ ص۴۴۴　۲؎ ایضاً۔ جلد۴۔ ذکر ماریہ　۳؎ ایضاً

۴؎ آپ کے ساتھ اور کئی آدمی حبشہ سے آئے تھے۔ جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ ان ہی کے تذکرہ میں آپ کے فضائل اور حالات بھی آ چکے ہیں۔

"دوستی رکھنے کے قریب تر آپ ان لوگوں کو پائیں گے، جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم ہیں اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں، اور اس سبب سے ہے کہ لوگ متکبر نہیں ہیں"۔

(ی)

(۵۹) حضرت یامینؓ بن عمیر

نام ونسب: یامین نام ہے[1]۔ باپ کے نام میں تھوڑا سا اختلاف ہے اور بعضوں نے باپ کا نام بھی یامین ہی لکھا ہے، مگر عام ارباب رجال کا رجحان عمیر ہی کی طرف ہے[2]۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے: یامین بن عمیر بن کعب بن عمرو بن حجاش، بنو نضیر سے نسبی تعلق تھا۔

اسلام: یہود مدینہ کی مسلسل سازشوں، شرارتوں، کباد یوں اور منافقوں کے باوجود آنحضرت ﷺ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے۔ مگر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا ان کے یکے بعد دیگرے سرزنش شروع کردی گئی۔ بنی قینقاع کے بعد جب بنو نضیر نے بد عہدی کی اور رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش شروع کردی تو ان کو مدینہ چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا۔

امید تھی کہ اس سزا کے بعد وہ اپنے گذشتہ اعمال سے تائب ہو کر غلامانِ نبی میں شامل ہو جائیں گے، مگر ان کج فطرتوں نے جس طرح پہلے روز قبول حق سے گریز کیا تھا، اسی طرح آخر وقت تک گریز کرتے رہے۔ لیکن ان ہی کج فطرتوں میں کچھ نیک فطرت بھی تھے، جن کے دل میں قبولِ حق کی کسی قدر صلاحیت باقی تھی۔

انہوں نے جب دیکھا کہ اسلام کی صداقت کے لئے مزید ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی تو فوراً اسلام قبول کر لیا اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ دیدۂ دانستہ راست سے بھاگ رہے تھے[3]۔ ان ہی مسلمان ہونے والوں میں حضرت یامینؓ بھی تھے[4]۔

---

[1] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۹ [2] (ایضاً استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۶۳۶) حافظ ابن حجر نے یامین بن یامین اور یامین بن عمیر کو دو شمار کیا ہے اور دونوں کا ترجمہ الگ الگ لکھا ہے۔ مگر صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے دونوں کو ایک شمار کر کے ایک ترجمہ لکھا ہے۔ [3] ابن الہیبان نے یہود مدینہ کو وصیت کے طور پر لکھا تھا کہ عنقریب ایک نبی مدینہ میں ہجرت کر کے آئے گا۔ اگر تم نے اس کا اتباع نہ کیا تو بہت سے مصائب پیش آئیں گے، جس میں ایک جلاوطنی ہے۔
[4] اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۹۹

نبی ﷺ کے دشمن سے بدلہ :

عمرو بن حجاش، یامینؓ کا چچازاد بھائی تھا۔ اس نے سازش کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے ایک مکان کے نیچے بلایا جائے اور اُدھر سے کوئی وزنی چیز گرا کر کام تمام کر دیا جائے (معاذ اللہ)، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

حضرت یامینؓ مسلمان ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے یامینؓ سے فرمایا "اپنے چچازاد بھائی کی حرکت دیکھتے ہو، وہ دھوکے سے مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کے ذریعہ مجھے اس کے ارادہ سے آگاہ کر دیا"۔ یامینؓ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس دشمنِ رسول کی فکر میں لگ گئے اور ایک روز موقع پا کر اس کو واصل جہنم کر دیا[1]۔

غزوۂ تبوک میں مدد :

غزوۂ تبوک پیش آیا تو چند صحابہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سواریوں کی درخواست کی۔ مگر اتفاق سے اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں۔ اس لئے معذوری ظاہر کی۔ وہ لوگ بچشم پُرنم مایوس واپس گئے۔ قرآن نے ان کی مایوسی اور رنج وملال کا نقشہ کھینچا ہے :

"اِذَا مَا اَتَوْکَ تَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُکُمْ عَلَیْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ"۔ (توبہ)

"جس وقت وہ آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیں اور آپ ان سے کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں، جس پر میں تم کو سوار کر دوں، تو وہ ناکام واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں، اس غم میں کہ افسوس ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں"۔

ان ہی میں حضرت ابو لیلیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ بھی تھے۔ جنہیں لڑائی میں شریک نہ ہو سکنے کا بے حد افسوس تھا۔ یہ رو رہے تھے کہ یامینؓ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ انہوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے سارا قصہ کہہ سُنایا۔ حضرت یامینؓ نے فوراً دو سواریاں اور

---

[1] اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۴۹

کچھ سامانِ سفر پیش کیا اور وہ دونوں غزوہ میں شریک ہوئے [1]۔

وفات اور زندگی کے دوسرے واقعات اور حالات کے بارے میں اربابِ سیر خاموش ہیں۔

فضائل : حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں [2] :

"وھو من کبار الصحابة" ۔ ترجمہ : "آپ کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے"۔

جن لوگوں کے بارے میں یہ آیت :

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ۔

"اے اہلِ ایمان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ"۔

نازل ہوئی ان میں ایک حضرت یامینؓ بھی تھے۔

(۶۰) حضرت یوسفؓ بن عبداللہ بن سلام

نام و نسب : یوسف نام ہے۔ ابو یعقوب کنیت۔ حضرت عبداللہؓ بن سلام کے صاحبزادے تھے [3]۔ جن کا اُوپر ذکر آچکا ہے۔

تعلیم و تربیت : آپ جب پیدا ہوئے تو گھر کے اندر اور باہر ہر طرف اسلام کی آواز گونج رہی تھی۔ آپ نے اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور تعلیم و تربیت پائی۔ صحابہ کا معمول تھا کہ ان کے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دعا و برکت کے لئے لاتے۔ یہ پیدا ہوئے تو اُن کو بھی بارگاہِ نبوت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے ان کو گود میں بٹھایا اور سر پر دستِ شفقت پھیرا اور ان کا نام یوسف تجویز فرمایا۔ خود یوسف بن عبداللہ فرماتے ہیں : کہ

"اجلسنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرہ ومسح علیٰ راسی وسمالی یوسف" ۔

---

[1] بالکل یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے ذکوان بن یامین کے تذکرے میں بھی لکھا ہے۔ لیکن دونوں واقعے ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ دوسرے تمام اربابِ رجال وسیر نے اس واقعہ کو حضرت یامینؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ چونکہ حضرت یامینؓ کے نام اور ان کے باپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ اس لئے یہ واقعہ کئی ناموں کی طرف منسوب ہوگیا ہے۔ چنانچہ تجرید نے آپ کا نام یاسر بن یامین لکھا ہے اور سلسلۂ نسب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکوان حضرت یامینؓ کے بیٹے تھے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ واقعہ کے وقت وہ بھی موجود رہے ہوں اور راوی نے ان کی طرف بھی اسی واقعہ کو منسوب کردیا ہو۔

[2] (استیعاب۔ جلد۲۔ ص ۶۳۶) حافظ نے اصابہ کی اس آیت کا منشائے نزول یامین بن یامین کو لکھا ہے۔ مگر جیسا کہ اُوپر اسد الغابہ کے حوالہ سے لکھا جاچکا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

[3] مسند۔ جلد۴۔ ص ۳۵

"رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور میرا نام یوسف رکھا"۔

شرفِ صحبت : فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ ایک کھجور کو روٹی کے ایک ٹکڑے کے اُوپر رکھا اور فرمایا کہ یہ کھجور اس روٹی کا سالن ہے[1]۔

وفات : حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی[2]۔

آنحضرت ﷺ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی روایتیں کی ہیں۔

علم وفضل : ترمذی، ابوداؤد و مسند احمد میں ان کی متعدد روایتیں موجود ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کا شماران صحابہ میں کیا ہے، جنھوں نے اپنی کوئی تحریری یادگار چھوڑی ہے[3]۔

(۶۱) حضرت ابوسعیدؓ بن وہب

نام ونسب : ابوسعید نام یا کنیت ہے۔ باپ کا نام وہب تھا۔ تھے تو قبیلہ بنونضیر سے مگر غلطی سے بنو قریظہ کی طرف منسوب ہو کر قرظی مشہور ہیں[4]۔

اسلام : بنونضیر کی جلاوطنی کے روز[5] حضرت یامینؓ کے ساتھ انہوں نے بھی یہودیت سے اپنا رشتہ توڑ کر ہمیشہ کے لئے اسلام سے جوڑ لیا[6]۔

مسلمانوں کی آپ کے مال و جائداد سے دست برداری :

بنونضیر کے متروکہ مال و جائداد پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا۔ مگر یامینؓ اور حضرت ابوسعیدؓ چونکہ اسلام لا چکے تھے، اس لئے کسی نے ان کے مال و جائداد کو ہاتھ نہیں لگایا[7]۔

وفات : سنہ وفات معلوم نہیں ہوسکا۔

علم وفضل : آپ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے اور آپ سے آپ کے صاحبزادے روایت کرتے ہیں[8]۔

---

۱ بعض لوگوں نے آپ کی صحابیت سے انکار کیا ہے۔ اس روایت سے اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ (اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۷۱)
۲ ایضاً ۳ اصابہ۔ جلد ۳۔ ص ۶۷۱ ۴ حافظ ابن عبدالبر نے ان کے قرظی ہونے کی تردید کی ہے۔ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۳ ۵ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ غزوۂ قریظہ کے روز اسلام لائے۔ مگر حافظ نے اس کی تردید کی ہے۔ اصابہ۔ جلد ۔ ۸۷ ۶ استیعاب۔ جلد ۲۔ ص ۷۱۳ ۷ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۸۷
۸ اسد الغابہ۔ جلد ۵۔ ص ۵۱۰

(۶۲) حضرت ابو مالکؓ

نام ونسب : عبداللہ نام ہے۔ ابو مالک کنیت۔ اسلام سے پہلے آپ علمائے یہود میں تھے۔ اصل وطن یمن تھا، لیکن کسی وجہ سے ترک وطن کر کے یثرب چلے آئے تھے اور یہیں قبیلہ قریظہ میں کسی عورت سے شادی کر لی تھی۔ اس وجہ سے بجائے یمنی کے قرظی مشہور ہیں[1]۔

وفات : وفات کی تصریح نہ مل سکی۔

رسول اللہ ﷺ کی جو صفات توراۃ میں مذکور ہیں، ان کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا :

" صفته فی کتاب بنی هارون الذی لم یبدل ولم یغیر احمد من ولد اسمٰعیل یاتی بدین الحنیفیه دین ابراهیم یازر علی وسطه ویغسل اطرافه وهو اخر الانبیاء "[2]۔

" آنحضرت ﷺ کی صفت ہارونؑ کی کتاب میں موجود ہے، جس میں اب تک کوئی تبدیلی اور تحریف نہیں ہوئی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ احمد نام کے ایک نبی دین حنیف کو جو حضرت ابراہیمؑ کا دین ہے لے کر آئیں گے۔ تہ بند ناف سے اُوپر باندھتے ہوں گے۔ اپنے اعضا کو پاک صاف رکھتے ہوں گے اور یہ آخری نبی ہوں گے"۔

آپ سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔

(۶۳) آنحضرت ﷺ کے ایک یہودی خادم

نام ونسب تو معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ایک یہودی خادم بھی تھے، جو اپنی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہو گئے تھے۔ پوری روایت یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی غلام آپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ وہ بیمار پڑا تو آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ عیادت کے بعد آپ نے قبول اسلام کی دعوت دی۔ اس کے باپ وہاں موجود تھے، اس نے باپ کی طرف نگاہ

---

[1] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۱۷۲　[2] ایضاً

اُٹھا کر دیکھا۔ باپ نے کہا جو کچھ نبی اُمی فرمارہے ہیں اس کی تعمیل کرو۔ اس نے فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

غالباً اسی مرض میں ان کی وفات ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔

اس روایت سے دو خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہودی خادم رسول کا مشرف باسلام اور صحابی ہونا اور دوسرے آنحضرت ﷺ کی وسعتِ قلب اور وسعت اخلاق کہ جن یہودیوں نے اسلام کی بیخ کنی اور آپ کے دشمنی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا، ان ہی کے ایک فرد کے ساتھ آپ کا یہ سلوک تھا کہ اس نے پوری زندگی آپ کے ساتھ گزار دی۔ مگر آپ نے ایک روز بھی اس کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا۔ حالانکہ اس وقت بڑی آسانی سے اسلام کا قلادۂ اطاعت اس کی گردن میں ڈالا جاسکتا تھا۔ لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے[1]۔



[1] اس روایت کو ذہبی نے تلخیص میں دوسری مسند سے ذکر کیا ہے۔ اور حاکم کی روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے۔

تابعینؒ

ادیم التغلبیؒ

اُدیم ہذیم[1] یا ہریم نام ہے۔ باپ کا نام عبداللہ تھا۔ خاندان تغلب کے نصرانیوں[2] سے نسبی تعلق تھا۔ زمانۂ قبول اسلام کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

یہ صحابی یا تابعی اس کے بارے میں اربابِ رجال کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور صاحب اصابہ نے اپنی کتاب کی تیسری قسم یعنی مخضر مین میں داخل کیا ہے۔ جو لوگ ان کو صحابہ کی فہرست میں داخل کرتے ہیں غالباً ان کے پیش نظر ابوداؤد کی وہ روایات ہے جس میں ایک تابعی صبی بن معید نے ان سے حج میں قرآن کے متعلق دریافت کیا تھا۔ تو انہوں نے صبی کو ان کی اجازت دے دی تھی۔

حدیث کی کتابوں میں یہی ایک روایات ان سے مروی ہے لیکن ابوموسیٰ نے لکھا ہے کہ کسی نے اس روایت کی سند رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچائی ہے اور یہی سبب ہے کہ صاحبِ اصابہ نے ان کو صحابی شمار نہیں کیا ہے۔ خود صاحب اسد الغابہ نے بھی ابوموسیٰ کا یہ قول نقل کر کے ان کی روایت کا

---

1. نام میں اختلاف ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں نے ایک کے بجائے دو آدمیوں کو شمار کیا ہے۔ چنانچہ جب بذل المجہود نے عین المعبود کے مولف پر یہ استدراک کیا ہے کہ وہ ان دونوں آدمیوں کو ایک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایک نہیں دو ہیں۔ ہریم تابعی ہیں۔ اور ہذیم صحابیؓ۔ لیکن یہ استدراک میرے خیال میں صحیح نہیں ہے۔ ارباب رجال نے ان کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ اسد الغابہ میں ہے کہ ادیم اور ہذیم ایک ہی ہیں۔ صاحب اصابہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ رہا ہریم تو ہریم ابن عبداللہ انصاری کا نام کتب رجال میں ملتا ہے۔ لیکن ان سے بھی ابن سعید کی روایت ثابت نہیں ہے۔ اور اس نام کا کوئی دوسرا شخص جس سے صبیؒ کی روایت بھی ثابت ہو۔ کتب رجال میں نہیں ملتا۔

یہ روایت نسائی اور سنن بیہقی میں بھی ہے، لیکن اس میں اُدیم، ہذیم یا ہریم کے واسطے سے روایت نہیں ہے۔ ابوداؤد میں ہزیم کا نام آیا ہے۔ لیکن نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے ان کے نام میں بھی کافی اختلاف ہے اس لئے ہم نے بھی ارباب رجال کے اتباع میں ان کو ایک ہی شمار کیا ہے۔

2. ان کی نصرانیت کی کوئی تصریح نہیں ملتی، لیکن دو قابل ترجیح قرینے موجود ہیں، جن کے پیش نظر ہم نے ان کو اس فہرست میں لے لیا ہے۔ ایک یہ کہ اسد الغابہ میں ہے کہ ان بنی تغلب کانو انصاری (بنو تغلب نصاریٰ تھے) اور اس لئے ان کا تغلبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ صبیؒ ابن معید نے اپنی روایت میں یہ تصریح کی ہے کہ اُدیم ان کے خاندان اور قوم کے آدمی تھے اور صبیؒ ابن معید کے متعلق معلوم ہے کہ وہ نصرانی اور تغلبی تھے۔

سلسلہ سند آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچتا۔ ان کے صحابی ہونے میں شک ظاہر کیا ہے۔

بہر حال اس اختلاف رائے کے باعث ان کی صحابیت کی تعیین نہیں ہو سکی اور اسی بناء پر ہم نے ان کو بجائے صحابہ کے زمرہ میں شمار کرنے کے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔ زندگی کے دوسرے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔

(۱) ارمیؓ بن النجاشی

ارمی، ارہی یا اریحا نام ہے۔ نجاشی شاہ حبشہ کے صاحبزادے تھے۔

خدمت نبوی ﷺ میں آمد سے پہلے وفات :

آنحضرت ﷺ نے جب تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو شاہ نجاشی کے پاس عمرو بن اُمیہ کو پیغام دے کر بھیجا۔ شاہ نجاشی نے اس پیغام کا خیر مقدم کیا اور ساٹھ آدمیوں کے ساتھ اپنے صاحبزادے ارمی کو خدمتِ نبوی ﷺ میں روانہ کیا۔ لیکن یہ قافلہ راستہ ہی میں، جبکہ وہ ایک دریا کو عبور کر رہا تھا۔ اس کی ہلاکت خیز موجوں کی نظر ہو گیا[۱] اور منزل مقصود کو نہ پہنچ سکا۔ اکسٹھ (۶۱) آدمیوں کے اس قافلہ میں صرف ارمی بن النجاشی کا پتہ چل سکا۔ ع

"خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را"

بقیہ قافلہ تو ان کے وجود کے ساتھ ان کے نام و نشان بھی ہمیشہ کے لئے مٹ گئے۔

(۲) اصبغؓ بن عمرو

نام و نسب : اصبغ نام ہے۔ باپ کا نام عمرو تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے : اصبغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حصین ابن ضمضم بن عدی بن خباب،۔ قضاعہ کی ایک شاخ بنو کلب سے تھے۔ یہ قبیلہ دومۃ الجندل کے قریب رہتا تھا۔ اصبغ مذہباً عیسائی اور اپنے قبیلہ کے سردار اور حکمران تھے۔

اسلام : رسول اللہ ﷺ نے دعوت اسلام کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو دومۃ الجندل بھیجا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے وہاں پہنچ کر اہل دومہ کو اسلام کا پیغام سنایا۔ پہلے روز ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، دوسرے روز بھی انہوں نے دعوت دی، لیکن ان لوگوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ تیسرے روز پھر حسب دستور انہوں نے ان کے سامنے اسلام کا پیغام پیش کیا تو اصبغ پر ان کی دعوت کا اثر ہوا اور انہوں نے

۱۔ اصابہ۔ جلد ا۔

نصرانیت کا قلادہ گردن سے اُتارا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اصبغؓ کی صاحبزادی سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نکاح:

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے آنحضرت ﷺ کو اصبغ کے اسلام کی اطلاع دی اور اس قبیلہ سے تعلقات قائم رکھنے کے متعلق بھی دریافت کیا، تو آپؐ نے ان کو تعلقات کی استواری کے خیال سے اس قبیلہ میں شادی کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ نے تعمیل ارشاد میں اصبغؓ کی صاحبزادی تماضر سے نکاح کر لیا[1]۔ مزید تفصیل تماضر کے حالات میں آئے گی۔

اس سے پہلے قریش اور بنو کلب وغیرہ میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہیں تھے؛ اس لئے کہ قریش اپنی شرافت نسب کے سامنے ان قبائل کو بہت ادنی اور فروتر سمجھتے تھے۔ لیکن اسلام نے ان معمولی رشتوں اور اضافی اوصاف سے بلند ہو کر دینی اخوت اور اخلاق و کردار کو شرافت اور رشتہ کا معیار قرار دیا۔ یہ شادی اس اسلامی مساوات کی پہلی مثال تھی[2]۔ اصبغؓ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہوئے۔ اسی لئے ان کا شمار تابعین میں کیا جاتا ہے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات نہیں معلوم ہو سکے۔

(۴) اصحمہ نجاشیؒ شاہ حبشہ

نام و نسب: اصحمہ نام ہے۔ باپ کا نام ابجر نجاشی تھا۔ شاہی لقب حبشہ (ابی سینا) کے بادشاہ تھے۔ عرب میں عطیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں[3]۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت گاہ:

قریش کے ظلم و ستم کا بادل جب　　برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم ﷺ نے مسلمانوں کو حبش ہجرت کر جانے کا حکم دیا چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد مکہ سے حبشہ ہجرت کر گئی حبشہ میں اس وقت یہی اصحمہ .. النجاشی بادشاہ تھے جن کے سائۂ عاطفت میں پہنچ کر جان نثارانِ اسلام نے اطمینان کا سانس لیا نجاشی نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا قریش کو اسی احسان و سلوک کا حال معلوم ہوا تو بڑا پیچ و تاب کھایا آخر میں طے کیا کہ شاہ نجاشی کے پاس ایک وفد جائے اور یہ عرض داشت پیش کرے کہ ہمارے مجرموں (مسلمانوں) کو ہمارے حوالے کر دے اس مہم کے لیے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ منتخب ہوئے یہ لوگ حبشہ پہنچے تو پہلے تمام پادریوں سے ملے اور تحفے و تحائف پیش کئے

---

[1] اصابہ۔ جلد ۱۔　[2] اصابہ۔ جلد ۴۔ ذکر تماضر۔　[3] اصابہ۔ جلد ۱۔ ذکر اصحمہ۔

اور مقصد کی تکمیل کے لیے ان کو ہموار کر لیا پھر شاہ نجاشی اصحمہ کے دربار میں باریابی حاصل کی اور نذرانہ پیش کیا نجاشی نے آمد کی وجہ دریافت کی انہوں نے اپنا مطالبہ ظاہر کیا نجاشی نے پادریوں سے دریافت کیا انہوں نے بھی ایک زبان ہو کر ان کے مطالبہ کی تائید کی لیکن شاہ نجاشی نے کہا میں ان لوگوں سے خود بالمشافہ گفتگو کروں گا اگر وہ لوگ جیسا کہ تم کہتے ہو مجرم ثابت ہوئے تو ان کو واپس کر دوں گا ورنہ جو میری پناہ میں آ گیا ہے اس پر ظلم روا نہیں رکھا جا سکتا۔

مسلمان دربار میں بلائے گئے تو اصحمہ نے پوچھا کہ تم نے کونسا دین اختیار کیا ہے جو نہ نصرانیت ہے نہ بت پرستی اور نہ کسی دوسری قوم کا دین ہے؟ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفرؓ نے وکالت کی اور برسر دربار ایک بہت ہی مؤثر اور دلنشین تقریر کی، جس میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف اور اسلام کی اخلاقی خوبیاں کیں۔ اس کے بعد شاہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے کی فرمائش کی انہوں نے سورہ مریم کی چند ابتدائی آیتیں تلاوت کیں نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ان فدائیان اسلام کو قریش کے حوالے کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مسلمان زبان حال سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دربار سے نکل آئے۔

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے　　دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا

جب قریش کے وفد کو پہلے روز ناکامیابی ہوئی تو انہوں نے دوسرے روز پھر کسی طرح دربار میں رسائی حاصل کی اور شاہ نجاشی کے سامنے یہ عرض داشت پیش کی کہ ان مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دریافت فرمایا جائے مسلمان پھر بلائے گئے ان کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا اگر سچ کہتے ہیں تو شاہ نجاشی ناخوش ہوتا ہے اور اس کے خلاف کہتے ہیں تو دین کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے آخر کار انہوں نے یہ طے کیا کہ چاہے جو کچھ بھی ہو انہیں سچ ہی بولنا چاہیے اس روز بھی حضرت جعفرؓ ہی گفتگو کے لیے منتخب ہوئے انہوں نے فرمایا ہمارے نبی نے ہمیں بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بندے اس کے کلمہ اور اس کی روح ہیں نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا خدا کی قسم حضرت عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں دربار کے بطریق اور پادری اس پر بہت ناراض ہوئے لیکن ناراضگی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا قریش نے جو تحفے تحائف نجاشی کے حضور میں پیش کیے تھے نجاشی نے سب واپس کر دیے اور وفد وہاں سے نامراد مکہ واپس چلا آیا۔

اسلام : یہ واقعہ بجائے خود نجاشی کے اسلام پر شاہد ہے لیکن اس کے علاوہ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے کہ

"قال النجاشی اشهد انه رسول الله وانه الذی بشر به عیسیٰ ابن مریم".

"نجاشی نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ بے شک اللہ کے رسول ہیں اور وہی نبی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ نے دی ہے"۔

بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر بیعت اسلام بھی کی تھی۔

خدمت نبوی کی تڑپ : جب رسول اللہ ﷺ نے تمام ملوک وسلاطین کو دعوت اسلام بھیجی تو شاہ نجاشی کے پاس بھی اپنا قاصد بھیجا شاہ نجاشی نے آپ کے قاصد کا پرتپاک خیر مقدم کیا آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا اور اپنے لڑکے ارمی کو آپ کی خدمت کے لیے بھیجا اور لکھا کہ اگر سلطنت کی ذمہ داری کا بوجھ میرے اُوپر نہ ہوتا تو میں خود بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضور ﷺ کی کفش برداری کی سعادت حاصل کرتا[1]۔

وفات : مسلمانوں کے اس غمخوار اور محسن نے ۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعے اسی روز ان کی موت کی اطلاع مل گئی[2] اور آپ نے بڑے رنج وغم کے ساتھ مدینہ میں ان کی موت کا اعلان کیا فرمایا مسلمانوں تمھارے برادر صالح اصحمہ نے انتقال کیا ان کے لیے دعا واستغفار کرو پھر صحابہؓ کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی[3]۔

فضائل : تفسیر کی روایتوں میں ہے کہ قرآن کی ان آیات۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ.

"بعض اہل کتاب ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور جو تمھاری طرف نازل ہوا ہے اور جو ان کی

---

[1] ابوداؤد۔　[2] بخاری اور تمام کتب حدیث میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسی روز ان کی موت کی خبر مل گئی تھی۔ اسی روز غزوہ موتہ میں بھی آپ کو سپہ سالاران اسلام کی شہادت اور حضرت خالدؓ کے ہاتھوں اس میں فتح کی خبر بھی کسی مادی ذریعۂ اطلاع کے بغیر پہنچ چکی تھی۔ اور آپ نے ان کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا۔ بعد میں حرف بحرف اس کی تصدیق ہوئی۔

[3] غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں فقہاء کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے بعض لوگ اس کو عام حکم سمجھتے ہیں۔ اور اب بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کو جائز کہتے ہیں اور بعض اسے آپ کی خصوصیت بتلاتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ایسی ہی کسی اجنبی جگہ میں کسی مسلمان کا انتقال ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ نجاشی نہیں ہیں جن کی آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی لیکن حافظ ابن قیم نے اسے راوی کا وہم بتایا ہے۔

طرف اللہ سے ڈرتے ہوئے جب وہ سنتے ہیں جو کچھ رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل ہوا تو تم دیکھو گے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ہیں یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے"۔

میں دوسرے اہل کتاب کے ساتھ شاہ نجاشی بھی مراد لئے گئے ہیں۔

اخلاق : شاہانہ اوصاف عدل وانصاف رحم وکرم اور رعایا پروری عام انسانی اخلاق واوصاف سے بھی متصف تھے اپنے ملک میں مظلوم وستم رسیدہ مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے جو حسن سلوک کیا اس احسان سے اُمت محمدیہ ہمیشہ گراں بار رہے گی۔

(۵) بکّاءالراہب

نام ونسب : بکا، نام شام اصلی وطن تھا ایک گوشہ نشین اور تارک الدنیا بزرگ تھے مشہور ہے کہ چالیس برس تک عبادت گاہ سے باہر قدم نہیں رکھا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھے لیکن شرف زیارت سے مشرف نہ ہو سکے ذیل کی روایت سے اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

حضرت سعد بنؓ العاص صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا کہ میرے چچا ابان بن سعید رسول اللہ ﷺ کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے تھے ایک مرتبہ وہ بغرض تجارت شام گئے وہاں بکا الراہب سے جو چالیس برس کے بعد عبادت گاہ سے نکلے تھے ملاقات ہوئی انہوں نے جا کر ان سے کہا کہ میری قوم کے ایک فرد نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے بکاء نے نام دریافت کیا کہا محمد (ﷺ) پھر پوچھا کتنے زمانہ سے وہ اپنے آپ کو نبی کہتے ہیں؟ جواب دیا کہ بیس برس سے اس کے بعد بکاء نے کہا کہ کہو تو میں ان کے صفات بیان کردوں ابان کہتے ہیں کہ انہوں نے ان کی تمام صفات بیان کیں اور ذرا غلطی نہیں کی اس کے بعد کہا کہ خدا کی قسم وہ نبی برحق ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ضرور غالب کرے گا میرا اسلام ان کو پہنچا دینا یہ کہہ کر وہ پھر گرجا میں چلے گئے۔

اس ملاقات کا یہ اثر ہوا کہ ابان جب مکہ واپس آئے تو سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کے حالات دریافت کیے اور بکاء سے ملاقات کا سارا واقعہ بیان کیا اس کے بعد ابان نے آنحضرت ﷺ کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیا اور پھر کچھ روز کے بعد مسلمان ہو گئے۔

(۶) تمامؒ بن یہودا

صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ احبار یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے ان میں تمام بن یہودا بھی تھے اور اس بنا پر ان کو اپنی کتاب کی قسم اول (صحابہ میں داخل کیا ہے) جس کی کسی

دوسرے ماخذ سے تائید نہیں ہوتی اور خود انھوں نے بھی یعنی صاحب اصابہ نے آنحضرت ﷺ سے ان کی ملاقات و روایت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اس بنا پر ہم نے ان کو صحابہ کے بجائے تابعین کی فہرست میں داخل کیا ہے۔

(۷) صبیؒ بن معبد

نام و نسب: صبی نام باپ کا نام معبد تھا نسباً تغلبی اور مذہباً عیسائی تھے۔

اسلام: نصرانیت ترک کر کے اسلام قبول کیا اور پھر اسی پر خاتمہ ہوا حدیث کی کتابوں میں ان سے قرآن کے بارے میں ایک مشہور حدیث مروی ہے وہ یہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ میں ابھی جدید الاسلام تھا اور مجھے جہاد کا بڑا شوق تھا لیکن مجھ پر حج اور عمرے کی ادائیگی بھی فرض تھی اس لیے میں نے چاہا کہ اسے ادا کرلوں (پھر جہاد میں شرکت کروں) میں اپنی قوم کے ایک بزرگ [۱] ہذیم بن عبداللہ نامی کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ قرآن کے متعلق دریافت کیا انھوں نے مجھ کو اس کی اجازت [۲] دی حج کے ارکان ادا کر چکا تو مقام عذیب میں سلمان بن ربیعہ اور زید بن صوحان [۳] سے ملاقات ہوئی ان میں سے ایک نے دوسرے سے میرے بارے میں کہا کہ یہ شخص تمھارے اُونٹ سے بھی زیادہ فقیہ ہے (یہ طنزیہ جملہ تھا کہ مناسک حج سے ناواقف ہے) میں وہاں سے سیدھا حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور ان سے یہ سارا واقعہ بیان کیا انھوں نے فرمایا تم نے سنت نبوی کے بالکل مطابق حج کیا ہے [۴]۔

اسی روایت کو ان کی سوانح حیات کا سرمایہ سمجھنا چاہیے اس سے زیادہ ان کی زندگی کے حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی۔

روایت: حسب ذیل حضرت نے ان سے روایت کی ہے۔

ابو وائل، مسروق، ابو اسحاق السبیعی، زر بن حبیش، امام شعبی، ابراہیم النخعی، مجاہد، ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے حسم بن حاتم بھی فرماتے ہیں۔

"تابعی، ثقة" [۵] یعنی "ثقہ تابعین تھے"۔

---

۱ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ ۲ حج عمرہ ساتھ کرنے کی اجازت دے دی۔ ۳ یہ دونوں آدمی بھی ان ہی کے ہم قوم تھے۔ ۴ اسد الغابہ۔ ۵ تہذیب التہذیب۔

(۸) ضغاطر الاسقف الشہید

نام ونسب : ضغاطر نام روم اصلی وطن تھا مذہباً عیسائی تھے ہرقل کے خاص معتمد اور مشیر اور قوم کے بڑے پادری تھے۔

اسلام : ہرقل شہنشاہ روم کو آنحضرت ﷺ نے وحیۃ الکلبی کے ذریعہ نامۂ اسلام بھیجا تو ہرقل نے کہا کہ محمد (ﷺ) یقیناً نبی ہیں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اسلام قبول کیا تو اہل ملک مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے پھر اس نے حضرت وحیہؓ کو ضغاطر الاسقف کے پاس بھیجا کہ وہ کیا رائے دیتے ہیں حضرت وحیہؓ ان کے پاس آئے تو انھوں نے آپ کی رسالت کی تصدیق کی اور فرمایا **لعرفه باسمه وو صفه** (ہم ان کے نام اور ان کے صفات سے واقف ہیں) پھر وہ اندر گئے اپنا مخصوص لباس اُتارا اور سفید لباس پہن کر باہر واپس آئے اور اسی وقت اہل روم کے پاس گئے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت اور اسلام کی سچائی کا اعلان کیا یہ اعلان کرنا تھا کہ چاروں طرف سے ان کی قوم نے ان پر ترغہ کیا اور ان کو شہید کر ڈالا۔

''خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را''

بعض روایتوں میں ہے کہ ہرقل سے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہی نبی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا اس پر ہرقل نے آپ کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے کہا کہ کچھ بھی ہو میں تو اتباع حق سے بھاگ نہیں سکتا (اصابہ ذکر ضغاطر)

(۹) عمیر بن حسین

نام ونسب : عمیر نام نجران اصلی وطن تھا مذہباً عیسائی تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اسلام قبول کر چکے تھے لیکن شرف زیارت سے سرفراز نہیں ہو سکے۔

اسلام پر استقامت : آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب نجران میں ارتداد کا فتنہ شروع ہوا تو عمیر نے بڑی استقامت دکھلائی خود اسلام پر آخری وقت تک جمے رہے اور اہل نجران کو ارتداد سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی انھوں نے ان کے سامنے یہ پُراثر تقریر فرمائی کہ

اے اہل نجران اس وقت اسلام پر زیادہ جمنے کی ضرورت تھی اور تم اس میں کوتاہی کر رہے ہو یقین کے بعد شک اور کل کے دین کے بعد آج (یعنی نصرانیت کے بعد اسلام) کے دین میں زیادہ

سوچنے کی ضرورت تھی، تم کو چاہئے تھا کہ اسلام پر جمے رہتے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسی کی روشنی تمہیں نصیب ہوتی۔ پھر اس کے بعد یہ اشعار پڑھے [1]۔

یا اھل نجران امسکوا بھدی الله کو نوا ایداً علی الکفار
لاتکونوا بعد الیقین الی الشک وبعد الرضا الی الکفار
واستقیموا علی الطریقة فیه وکونوا کھئیة الانصار [2]

(۱۰) کعب احبار

نام و نسب : کعب نام، ابو اسحٰق کنیت نسباً یمن کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آل ذی رعین سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے کعب بن مانع بن ہنیوع بن قیس بن معن بن جشم ابن وائل بن عوف بن جہر بن عوف بن زہیر بن ایمن بن حمیر بن سبا بن حمیری۔

اسلام اور ورود مدینہ : کعب مشہور تابعی ہیں۔ قبول اسلام سے پہلے یہود کے جید علماء میں شمار کئے جاتے تھے۔ عہد رسالت میں موجود تھے۔ لیکن صحیح روایت کے مطابق اس عہد بابرکت میں وہ اسلام کی سعادت حاصل نہ کر سکے۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسی زمانہ میں مشرف باسلام ہو گئے تھے۔ کعب کا بیان ہے کہ علیؓ جب یمن آئے تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف پوچھے تو انہوں نے بتائے تو میں مسکرایا علیؓ نے مسکرانے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا ہمارے یہاں (نبی آخر الزمان کے) جو علامات بتائے گئے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ پر صادق آتے ہیں۔ اسی لئے مجھے ہنسی آ گئی۔ اس سوال و جواب کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ لیکن قیام یمن ہی میں رہا۔ عمرؓ کے عہد میں ہجرت کر کے مدینہ گیا۔ کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی [3]۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے [4]۔

لیکن یہ دونوں روایتیں کمزور ہیں۔ اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو طبقات ابن سعد میں کعب کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے۔ جس سے خود کعب کی زبان سے حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے

۱۔ اصابہ۔ جلد ۲۔ ۲۔ یہاں غالباً انصار سے حواری مراد لیا ہے۔ مدینہ کے مسلمانوں کا مخصوص گروہ مراد نہیں ہے۔
۳۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۲۲ کعب کے حالات "تابعین" سے نقل کئے گئے ہیں۔ آخر میں اور کہیں کہیں درمیان میں کچھ اضافہ ہے۔ ۴۔ الفاً

کعبؓ کے اسلام لانے کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں قبولِ اسلام میں کیا چیز مانع تھی کہ عمرؓ کے زمانے میں اسلام لائے جواب دیا کہ میرے والد نے مجھ کو توراۃ سے ایک تحریر نقل کر کے دی تھی۔ اور ہدایت کی تھی کہ اس پر عمل کرنا، دوسرے اپنی تمام مذہبی کتابوں پر مہر لگا کر مجھ سے حق ابوت کا واسطہ دلا کر وعدہ کیا تھا کہ اس کو نہ توڑنا تو میں نے اس کو نہیں توڑا اور والد جو تحریر دے گئے تھے، اس کے مطابق میں عمل کرتا رہا۔

جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا اور کسی کا خوف باقی نہیں رہ گیا تو اسی وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ والد نے مجھ سے کچھ علم چھپایا ہے، مجھے ان کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہئے چنانچہ میں نے مُہر توڑ کر کتابیں پڑھیں تو مجھ کو نظر آیا کہ ان میں محمد (ﷺ) اور ان کی امت کے اوصاف لکھے ہیں۔ اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی اور آ کر مسلمان ہو گیا[1]۔ قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کے حلیف بن گئے تھے۔

فضل وکمال : کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں ہے۔ یہودی مذہب سے متعلق ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے علمائے کبار میں تھے[2]۔ امام نووی لکھتے ہیں کے وفور علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے وہ اپنی وسعت علم کی وجہ سے کعب احبار اور کعب الحبر کہے جاتے تھے ان کے مناقب بکثرت ہیں اور ان کے اقوال وحکم بہت مشہور ہیں[3] اکابر صحابہ ان کی وسعت نظر کے معترف تھے ابودرداءؓ انصاری کا حمص میں بڑا ساتھ رہا تھا فرماتے تھے کہ ابن حمیریہ کے پاس بڑا علم ہے[4]۔ امیر معاویہؓ کہتے تھے کہ ابودردا حکماء میں ہیں اور کعب علما میں ان کے پاس سمندر جیسا تھاہ علم تھا[5]۔ چونکہ ایک مذہب کے وہ ایک بڑے عالم تھے اس لیے اسلامی علوم کے ساتھ بھی انہیں خاص مناسبت ہو گئی تھی مدینہ میں صحابہ سے انھوں نے کتاب وسنت کی تعلیم حاصل کی تھی اور صحابہ نے ان سے اہل کتاب کے علوم سیکھے تھے[6]۔

کتاب وسنت میں انھوں نے حضرت عمرؓ صہیبؓ اور حضرت عائشہؓ سے استفادہ کیا تھا اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابوہریرہؓ معاویہؓ ابن عباسؓ اور تابعین میں مالک بن ابی عامر اصبحی عطاء بن ابی رباح عبداللہ بن رباح انصاری عبداللہ بن حمزہ سلولی ابورافع صائغ عبدالرحمن بن شعیب اور ایک کثیر جماعت ان سے فیض یاب ہوئی تھی[7]۔

۱۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ص ۱۵۶۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ص ۴۵۔ ۳۔ تہذیب الاسماء۔ جلد ۱ ص ۶۹۔
۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۶۔ ۵۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۲۳۔ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۴۵۔
۷۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۵۔ ص ۴۲۸۔

علم اور علماء اور زوال علم : ایک مرتبہ عبداللہ بن سلامؓ نے ان سے پوچھا کہ کعب علماء کون لوگ ہیں جواب دیا جو علم جانتے ہیں ابن سلام نے پوچھا کون سی شے علما کے دلوں سے علم کو زائل کر دے گی فرمایا طمع حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا عبداللہ ابن سلامؓ نے کہا تم نے سچ کہا[1]۔

شام کا قیام : کعبؒ کا آبائی مذہب یہودیت تھا اس لئے پہلے سے ان کو ارض شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس و محترم ہے اس لیے چند دن مدینہ میں قیام کرنے کے بعد کعبؒ شام چلے گئے اور حمص میں جا کر سکونت اختیار کر لی[2]۔

مواعظ : شام کے زمانہ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے ایک مرتبہ عوف بن مالک نے دوران وعظ ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ امیر مامور اور مکلّف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ و قصص نہ بیان کرنے چاہئیں یہ سن کر کعبؒ نے وعظ گوئی چھوڑ دی لیکن پھر امیر کے حکم سے دوبارہ وہ سلسلہ جاری کر دیا[3]۔

اسلامی روایات میں اسرائیلیات کا شمول :

کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے لیکن چونکہ خود یہودیوں کا سرمایہ علم زیادہ تر قصص و حکایات تھیں اس لیے کعب کا سرمایہ معلومات بھی تمام تر یہی تھا اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سروپا اسرائیلی روایات ان کے ذریعے اسلامی لٹریچر میں داخل ہو گئیں اسی بنا پر بعض ائمہ حدیث کعبؒ کو روایت میں ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔

وفات : حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت ۳۲ھ میں شام میں وفات پائی[4]۔

(۱۱) محمد بن کعب القرظیؒ

نام و نسب : محمد نام ابوحمزہ کنیت نسب نامہ یہ ہے محمد بن کعب بن حبان بن سلیم بن اسد قرظی ان کے والد کعب بنی قریظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے غزوۂ قریظہ میں گرفتار ہوئے لیکن بہت کمسن تھے اس لیے چھوڑ دیے گئے۔

فضل و کمال : محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تھے ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم و فقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علماء میں تھے[5]۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے علماء اور ائمہ تابعین میں تھے[6]۔

۱۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۲۴۴۔ ۲۔ ابن سعد جلد ۷۔ ق۔ ۲۔ ص ۱۵۶۔ ۳۔ اصابہ۔ جلد ۵۔ ص ۳۲۳۔

۴۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۵۶۔ ان کے حالات تابعین سے نقل کئے گئے ہیں۔

۵۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۲۱۔ ۶۔ تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ق ۱۔ ص ۹۰۔

قرآن : ان کو قرآن و حدیث دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا عجلی ان کو ثقہ رجل صالحؒ اور عالم قرآن لکھتے ہیں[۱]۔ عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے تاویل قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا[۲]۔ حافظ ذہبی ان کو مفسر قرآن لکھتے ہیں[۳]۔

قرآن میں تدبر و تفکر : قرآن کے معنی میں تدبر و تفکر بھی آپ کی خصوصیت تھی ایک مرتبہ رات میں سورۂ زلزال اور سورۃ القارعہ پڑھنا شروع کیں اور پوری رات ان کی سورتوں کے معانی و مطالب میں تدبر و تفکر کرتے رہے یہاں تک کہ سفیدہ نمودار ہوگیا[۴]۔

فرماتے تھے قرآن کے معنی کا مجھ پر اس قدر ورود اور ہجوم ہوتا ہے کہ رات کی رات کٹ جاتی ہے پھر بھی معانی کا ہجوم اور آمد ختم نہیں ہوتی[۵]۔

تفسیر کی کتابوں میں صدہا آیتوں کی تفسیر میں ان کے اقوال ملیں گے ان میں سے بیشتر میں کوئی نہ کوئی لفظی یا معنوی ندرت ضرور ہوگی۔

حدیث : حدیث کے بھی وہ ممتاز حافظ تھے علامہ ابن سعد ان کو ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[۶]۔ حدیث میں انھوں نے معاویہ کعب بن عجرہ ابو ہریرہؓ زید بن ارقم عبداللہ ابن عباسؓ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ عبداللہ بن یزید خطمی عبداللہؓ بن جعفر بن ابی طالب براء بن عازبؓ جابرؓ اور انسؓ بن مالک سے استفادہ کیا تھا۔

ان سے فیض اُٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان، حکم بن عتبہ، یزید بن ابی زیاد، ابن عجلان، موسیٰ بن عبیدہ، ابو معشر، ابو جعفر خطمی، یزید بن الہاد، ولید بن کثیر محمد بن المنکدر، عاصم بن کلیب، ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموالی، ابن المقدام اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائق ذکر ہیں[۷]۔

فقہ : فقہ میں مدینہ کے ممتاز فقہا میں شمار تھا۔

کان من افاضل اهل المدینة علماً و فقها[۸]۔

علم و فقہ کے اعتبار سے مدینہ کے فضلا میں تھے۔

زہد و ورع : زہد و ورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے ابن سعد ان کو علماء متورعین[۹] میں شمار کرتے ہیں اور حافظ ذہبی[۱۰] زاہد ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ کعب علم صلاح اور ورع سے متصف تھے[۱۱]۔

۱۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۴۲۱۔　۲۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹ ص ۴۲۱۔　۳۔ ایضاً۔　۴۔ ایضاً۔

۵۔ دول الاسلام ذہبی۔ جلد ۱۔ ص ۵۶۔　۶۔ تہذیب التہذیب۔ جلد ۹ ص ۴۲۱۔　۷۔ ایضاً۔　۸۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً۔　۱۰۔ ایضاً۔　۱۱۔ دول الاسلام۔ جلد ۱ ص ۵۶۔

ان کی پاکبازی کی شہادت ان کی والدہ کی زبانی :

زندگی کے ہر زمانہ میں نہایت پاک نفس رہے بااین ہمہ دعائے مغفرت وتوبہ واستغفار میں ہروقت مشغول رہتے تھے یہ دیکھ کر ان کی والدہ فرماتی تھیں "محمد اگر تمھاری پاکبازانہ زندگی میرے سامنے نہ ہوتی تو تمھاری دن رات کی گریہ زاری اور توبہ واستغفار سے میں سمجھتی کہ تم نے کوئی بہت بڑا گناہ کیا ہے لیکن میں نے تمھیں بچپن میں بھی پاک باز اور پاک نفس پایا اور بڑے ہونے پر بھی ویسا ہی پا رہی ہوں"۔

حضرت محمد بن کعب نے فرمایا :"اماں جان آپ جو سمجھتی ہیں وہ ٹھیک ہے لیکن میں اپنے کو گناہوں سے مامون نہیں پاتا ہوسکتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی لغزش ہوگئی ہو جو خدائے تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی کا باعث ہو اسی وجہ سے میں ہروقت استغفار کیا کرتا ہوں"۔

زریں اقوال : فرماتے تھے اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو بھلائی کی توفیق دیتا ہے تو اس میں تین خصلتیں پیدا کر دیتا ہے دین میں سمجھ دنیا سے بے رغبتی اور عیب پوشی۔

فرمایا جو قرآن پڑھے گا وہ عقل کی دولت سے ضرور بہرہ ور ہوگا چاہے اس کا سن سو برس کا کیوں نہ ہو گیا۔

فرمایا کہ کچھ لوگوں کے اُوپر اور کچھ لوگوں کے واسطے زمین روتی ہے، پھر فرمایا جو لوگ بھلائی کرتے ہیں ان کے واسطے زمین روتی ہے اور دعا کرتی ہے اور جو لوگ برائی کرتے ہیں ان کے اُوپر زمین روتی ہے اور بددعا کرتی ہے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَمَا بَکَتْ عَلَیْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ۔

زمین وآسمان ان پر نہیں روئے۔

رونے سے مراد ہمدردی وشہادت ہے۔اسی لئے کہ قیامت میں ہمارے اعمال کے بارے میں ہر چیز سے شہادت لی جائے گی۔

آپ سے پوچھا گیا کہ خذلان اور حرمان کی علامت کیا ہے؟ فرمایا کہ اچھے کو برا اور برے کو اچھا کہنا۔

ذکرِ الٰہی : فرماتے تھے کہ اگر ترکِ ذکر کی رخصت دی جاسکتی تو سب سے پہلے حضرت زکریاؑ کو رخصت ملتی۔ (کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تین دن تک بولنے سے منع کر دیا تھا۔مگر اسی کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ ذکر الٰہی کثرت سے کرو)۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔

" اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْرًا "۔

''تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تین روز تک کسی شخص سے بجز اشارے کے بات نہ کرو۔
اور اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرو''۔

پھر فرمایا کہ دوسرے مجاہدین فی سبیل اللہ کو اس کی رخصت　　　مل سکتی تھی۔ لیکن ان کے متعلق فرمایا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی[1]۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا۔

اے ایمان والو! جب تم سے دشمن کی کسی جماعت سے منڈ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور ذکر الٰہی زیادہ کرو۔

وفات : ۱۰۸ھ میں وفات پائی[2]۔

(۱۲) نعیم الحبرؒ

نعیم نام تھا، شام کے رہنے والے اور مذہباً عیسائی تھے۔ کعب احبار کی طرح ان کا شمار بھی علمائے اہل کتاب میں تھا۔ چنانچہ حبر (عالم) ان کے نام کا جز ہو گیا تھا۔ مزدوری کر کے گزر اوقات کرتے تھے[3]۔

حضرت مطرف بن مالک تابعی بیان کرتے ہیں کہ عہد فاروقی میں جب تستر فتح ہوا تو مال غنیمت میں ایک برتن ہاتھ آیا۔ جس میں ایک کتاب تھی۔ ہمارے ساتھ ایک نصرانی مزدور تھا۔ جس کا نام نعیم تھا۔ اس نے ہم لوگوں سے کہا کہ یہ برتن مع کتاب میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ ابو موسیٰ اشعریؓ اور دوسرے صحابہ کتاب فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ہم لوگوں نے برتن کو اس کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور کتاب ہدیۃً دے دی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی حضرت عمرؓ نے لکھا کہ یہ کسی نبی کی کتاب ہے اس کو دفن کر دینا چاہیے بعض روایتوں میں ہے کہ نعیم خود اس برتن کو فروخت کرنے کے لیے مسلمانوں کے پاس آئے انہوں نے برتن خرید لیا اور کتاب ان کو ہدیہ کر دی[4]۔

قبول اسلام : مطرف بن مالک ہی راوی ہیں کہ مجھے بیت المقدس جانے کا اتفاق ہوا وہاں نعیم سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے پوچھا کہ تمہاری نصرانیت کا کیا حال ہے نعیم نے کہا کہ میں تو اب دین حنیف (یعنی اسلام) میں داخل ہو گیا ہوں۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء۔ جلد ۳۔ ص ۲۱۲۔　شذرات الذہب۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۶۔　[3] اصابہ ذکر نعیم۔　[4] ایضاً۔

بیت المقدس میں نعیم اور کعب کی۔ دعوت اسلام اور علمائے اہلِ کتاب کا قبولِ اسلام :

حضرت مطرف بیان کرتے ہیں کہ اس سفر میں نعیم کے ساتھ کعب احبار بھی تھے جب ان کی آمد کی اطلاع یہود کو ملی تو وہ ان کے گرد جمع ہو گئے کعب احبار کو جو کتاب تستر میں ملی تھی انھوں نے اس کو یہود کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ یہ ایک قدیم کتاب ہے جو تمھاری کتاب (غالباً عبرانی) میں ہے اس کو پڑھو ایک شخص نے پڑھنا شروع کیا جب وہ ایک خاص جگہ پر پہنچا تو اس نے کتاب زمین پر پٹک دی نعیم اس کی حرکت سے بہت ناخوش ہوئے اور کتاب کو انھوں نے اپنی گود میں اٹھالیا اور ان سے کہا اب میں ہرگز اس کتاب کو تمھیں نہیں دوں گا لیکن انھوں نے جب بہت منت سماجت کی تو نعیم نے کہا کہ اچھا میں اسے اپنے زانوں پر رکھ کر بیٹھتا ہوں تم میں سے کوئی شخص پڑھے چنانچہ کتاب ان کے ہاتھ میں تھی اور ایک شخص اسے پڑھ رہا تھا جب وہ پڑھتے پڑھتے اس آیت۔

ومن یبتغ غیرالا سلام دینا فلن یقبل منہ۔

جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین چاہے گا اس سے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

پر پہنچا تو تقریباً بیالیس علمائے یہود اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے[1]۔ افسوس ہے کہ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

(۱۳) وہب بن منبہ

وہب بن منبہ کی عام کتب سماوی خصوصاً تورات اور انجیل سے واقفیت اور ان سے متعلق ان کے معلومات کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے تھے لیکن چونکہ ارباب رجال میں سے کسی نے ان کے اہل کتاب ہونے کی تصریح نہیں کی ہے اس لیے مجھے ان کو اس فہرست میں داخل کرنے سے تامل تھا لیکن ابن ندیم کی یہ تصریح مل جانے کے بعد کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں وہب بن منبہ بھی تھے[2]۔ زمرہ اہل کتاب تابعین میں داخل کرلیا گیا۔

---

[1] اس سے پہلے والے شخص نے غالباً اسی آیت پر پہنچ کر غصہ میں کتاب پھینک دی تھی۔ یہ آیت قرآن کی ہے لیکن اسی واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتب قدیم میں اس آیت کی پیشین گوئی موجود تھی، نعیم نے دوسرے سے اسی لیے پڑھوایا کہ ان کے پڑھنے سے یہود کو شبہ ہوتا۔

[2] فہرست ابن ندیم۔ ص ۳۲۔

مگر اس کے بعد ایک دوسرا سوال کہ وہ عیسائی تھے یا یہودی باقی رہ جاتا ہے ان میں سے کسی ایک کی تصریح نظر سے کہیں نہیں گذری لیکن کتب تفسیر میں عام طور پر اور ابونعیم نے **حلیۃ الاولیاء** میں خاص طور پر ان کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عیسائی لٹریچر کے مقابلہ میں یہودی لٹریچر سے زیادہ واقف تھے نیز سیف بن ذی یزن یمنی یہودی سے ان کا عزیزانہ تعلق بھی تھا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ یہودی رہے ہوں گے۔

اب اس مختصر تمہید کے بعد ان کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

نام ونسب : وہب[1] نام، ابوعبداللہ کنیت نسب نامہ یہ ہے وہب بن منبہ بن کامل بن سیح ابن ذی کناز یمنی صنعانی ایک روایت یہ ہے کہ وہب عجمی النسل تھے ان کے والد منبہ کسریٰ کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزن حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی یمن آئے تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے اور عہد نبوی میں مشرف باسلام ہو گئے۔

پیدائش : ۳۴ھ میں پیدا ہوئے[2]۔

فضل وکمال : اسلامی علوم میں وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا بلکہ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ بمقابلہ اس کے وہ دوسرے مذاہب کی کتابوں اور صحیفوں کے عالم تھے تاہم وہ اسلامی علوم سے بیگانہ نہ تھے تابعین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے[3]۔

حدیث : حدیث میں متعدد صحابہ سے فیضیاب ہوئے تھے حضرت ابو ہریرہؓ جابر بن عبداللہؓ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ابوسعید خدریؓ انس بن مالک اور نعمان ابن بشیر سے ان کی روایت ملتی ہیں[4]۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ و عبدالرحمٰن اور بھتیجے عبدالصمد اور عقیل اور عام لوگوں میں عمرو بن دینار سماک بن فضل اسرائیل وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا[5]۔

فقہ : ان کے تفقہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں صنعا کے عہدۂ قضاء پر مامور تھے[6]۔

غیر مذاہب کے صحیفوں کا علم : وہبؒ دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے بڑے نامور عالم تھے بلکہ اس بارے میں ان کی جماعت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ گذشتہ کتابوں

---

[1] یہ حالات زیادہ تر ''تابعین'' سے ماخوذ ہیں۔ [2] تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۸۔ [3] تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۴۹۔ [3] تہذیب التہذیب۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۶۷۔ [4] ایضاً۔ [5] تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۸۵۔ [6] تہذیب الاسماء۔ جلد اول۔ ص ۱۴۹۔

کے علم ومعرفت میں مشہور ہیں[1]۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے اور اپنے زمانہ میں کعب احبار کے نظیر مانے جاتے تھے[2]۔ استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بانوے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا جن میں سے بعض ایسی تھیں جن کے متعلق لوگوں کو کم واقفیت ہے[3] داؤد بن قیس صنعانی کا بیان ہے کہ میں نے وہب سے ساوہ کہتے تھے کہ میں نے بانوے آسمانی کتابیں پڑھیں جن میں سے ۷۲ بہتر کنیسوں میں اور لوگوں کے پاس موجود ہیں اور بائیس ۲۲ کتابوں کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔

ان تمام کتابوں میں یہ مضمون مشترک ہے کہ جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر ہے بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس کتابیں ایسی پڑھی تھیں جو تیس نبیوں پر اُتری تھیں ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ دونوں صحیح ہیں تیس کتابیں ایسی رہی ہوں گی جن کی حیثیت مستقل مصاحف کی ہوگی اور بقیہ مستقل کتابیں نہ رہی ہوں گی اس قدر مسلم ہے کہ وہ کتب ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور قدیم صحیفوں کے مشہور اور نامور علماء کعب احبار اور عبداللہ بن سلام دونوں کا مجموعی علم ان کی تنہا ذات میں جمع تھا۔

تصنیفات : عہدِ اسلام میں فن تاریخ پر سب سے پہلی کتاب حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں اخبار الماضیین لکھی گئی اس کے بعد وہب بن منبہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ انھوں نے اس فن میں ایک مفید کتاب ذکر الملوک لکھی یہ اس وقت ناپید ہے لیکن ساتویں صدی تک موجود تھی علامہ ابن خلکان نے اس کتاب کو دیکھا تھا انھوں نے لکھا ہے کہ اس میں یمن کے متعلق بہت مفید معلومات ہیں اور اس میں ملوک حمیر کے اخبار وانساب اور ان کے مقابر واشعار کا تذکرہ تفصیل سے موجود ہے۔ (ابن خلکان ص ۱۸۰ ج ۲)

اس کتاب کے علاوہ صاحب کشف الظنون نے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ کیا ہے کشف الظنون کی عبارت یہ ہے۔

" اول من صنف فی المغازی عروۃ بن الزبیر وجمعھا ایضا وھب بن منبه "۔

''مغازی میں سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے تصنیف کی اس کے بعد اس فن کو وہب ابن منبہ نے جمع کیا''۔

اس کتاب کا ایک نسخہ ہیڈن برگ (جرمنی) میں موجود ہے اس نسخہ پر سنہ کتابت ۲۲۸ھ درج ہے اور راوی کا نام محمد بن بکر عن ابی طلحہ عن عبدالمنعم عن ابیہ عن ابی الیاس عن وہب درج ہے۔

---

[1] تہذیب الاسماء۔ جلد اول ص ۱۴۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ۔ جلد اول۔ ص ۱۸۹۔ [3] ابن سعد۔ جلد ۵۔ ص ۲۹۶۔

وہبؒ نے اپنی عادت کے مطابق اس میں بھی اسناد کا استعمال نہیں کیا ہے اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انھوں نے کہیں اسرائیلیات کو داخل نہیں کیا ہے (ضحی الاسلام ج ۲ص ۳۲۲)

فضائلِ اخلاق: وہب فطرۃً نہایت صالح تھے دینی کتابوں کے مطالعہ نے ان کو اور زیادہ حلیم اور عبادت گزار بنا دیا تھا وہ عابد شب زندہ دار تھے ساری ساری رات عبادت کرتے تھے کامل بیس سال تک انھوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی طبیعت میں نرمی اس قدر تھی کی کسی ذی روح کے لیے ان کی زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا۔

غیر معتبر روایات: لیکن کعب احبارؒ کی طرح ان کی ذات بھی مسلمانوں میں غیر معتبر اسرائیلیت کی اشاعت کا باعث ہوئی ۔

حکیمانہ مقولے: حلیۃ الاولیاء میں وہب بن منبہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال درج ہیں ان میں سے چند یہاں نقل کیے جاتے ہیں فرمایا کہ بے عمل اور آوارہ آدمی حکماء میں نہیں ہوسکتا (ج ۴ صـ ۲۷) فرمایا کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے نور چشم اہل ذکر اور اہل غفلت کی مثال نور اور ظلمت کی ہے یعنی اہل ذکر میں خدا کا نور ہوتا ہے اور اہل غفلت میں ظلمت ہوتی ہے۔

ایک بار نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ترازو کے پلڑوں کی طرح ہر چیز کے دو کنارے ہوتے ہیں اگر ایک کو پکڑ و گئے تو دوسرا جھک جائے گا اس لیے چاہیے کہ وسط کو پکڑ و تا کہ دونوں میں سے کوئی نہ جھکنے پائے یعنی ہر کام میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (ج ۴ص ۳۵)

فرمایا ہر چیز ابتداء میں چھوٹی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہے لیکن مصیبت کا حال اس کے بالکل برعکس ہے وہ ابتداء میں بڑی ہوتی ہے پھر آہستہ آہستہ چھوٹی ہو جاتی ہے یعنی اس کا اثر گھٹ جاتا ہے۔ (ج ۴ص ۶۳)

فرمایا جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا اس کی مثال اس طبیب کی سی ہے جس کے پاس دوا اور شفا کا سامان موجود ہے لیکن وہ انھیں استعمال نہیں کرتا۔ (ج ۴ص ۷۱)

کسی نے ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص نماز میں قیام کرتا ہے اور دوسرا سجدہ میں دونوں میں کون افضل ہے فرمایا جو اللہ تعالی سے زیادہ تعلق اور محبت رکھتا ہو۔ (۱۔ص ۳۲)

فرمایا منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ تعریف کو پسند کرتا ہے اور تنقید کو ناپسند۔ (۲۔ص ۴۱)

فرمایا اگر کسی بچہ میں دو وصف موجود ہیں تو اس سے رشد و صلاح کی توقع ہے ایک حیا۔ دوسرے خوف۔ (ص ۳۶)

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت اور شناخت ہوتی ہے دین کی علامت تین چیزیں ہیں ایمان علم اور عمل پھر ایمان کی بھی تین علامتیں ہیں اللہ پر ملائکہ پر اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان عمل کی بھی تین شناخت ہے نماز روزہ زکوۃ علم کی تین علامتیں یہ ہیں اللہ کا اور اس کی رضا اور عدم رضا کا علم تصنع اور تکلف کرنے والوں کی تین پہچان ہے جو اس سے اونچے ہوتے ہیں ان کا ہر چیز میں وہ مقابلہ کرتا ہے اور جو چیز اسے معلوم نہیں ہوتی اس کے بارے میں وہ اپنی معلومات کا اظہار کرتا ہے اور جو چیز اللہ نے اسے فطرۃً دی نہیں یا وہ پا نہیں سکتا اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔

منافق کی شناخت کی تین صورتیں ہیں جب وہ تنہا ہوتا ہے تو کسل مند ہوتا ہے اور جب اس کے یہاں کوئی جاتا ہے تو نشاط اور چستی کا اظہار کرتا ہے اور ہر کام میں تعریف کا خواہاں ہوتا ہے حاسد کے پہچاننے کی تین صورتیں ہیں جن سے وہ حسد کرتا ہے جب وہ غائب ہوتا ہے تو اس کی غیبت کرتا ہے اور جب وہ سامنے موجود ہوتا ہے تو اس کی خوشامد کرتا ہے اور مصیبت کے وقت گالی گفتہ کرتا ہے مسرف کی تین عادتیں ہوتی ہیں وہ اس چیز کو خریدتا ہے جو اس کے لائق اور اس کے لیے مفید نہیں ہے کھانا وہ کھاتا ہے جو اس کے لیئے نہیں کپڑے وہ پہنتا ہے جو اس کے لیئے نہیں ہیں یعنی ہر کام میں اپنا معیار بلند کرتا ہے۔ (ا، ص ۴۷)

ان اقوال میں انھوں نے مختصر طور سے اخلاق و عمل کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈال دی ہے اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

وفات : ہشام بن عبدالمالک کے عہد میں ۱۱۰ھ میں صنعا میں وفات پائی۔

اولاد : کتب رجال میں اولاد کی کوئی تصریح نہیں ملتی لیکن ابن ندیم نے ان کے پرنواسے عبدالمنعم کا ذکر کیا ہے جنھوں نے تاریخ کی ایک کتاب ''کتاب المبتدا'' کے نام سے تصنیف کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادی تھیں۔ (ص ۱۳۸)



"صحابیات"

(۱) حضرت تمیمہؓ

نام ونسب : تمیمہ نام ہے۔ باپ کا نام وہب تھا۔ بنوقریظہ سے نسبی تعلق تھا[۱]۔
اسلام : اسلام لانے کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔
شادی اور طلاق کا قصہ :

شادی حضرت رفاعہؓ (جن کا تذکرہ اُوپر آچکا ہے) سے ہوئی تھی، مگر نباہ نہ ہوسکا۔ اسی لئے حضرت رفاعہؓ نے طلاق دے دیا اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بنؓ زبیر سے شادی ہوئی لیکن بعض وجوہ کی بناپر عبدالرحمٰن بنؓ زبیر سے بھی علیحدگی اختیار کرنا چاہی مگر حلالہ کے لیے مباشرت ضروری تھی اور وہ غالباً ممکن نہ تھی اس لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کی کہ علیحدگی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے مگر اجازت نہیں ملی اور آنحضرت ﷺ کے عہد سعادت تک عبدالرحمٰنؓ بن زبیر کے ساتھ رہیں حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت ہی میں انھوں نے پھر حضرت ابوبکر سے علیحدگی کی اجازت چاہی لیکن آپ نے بھی اجازت نہیں دی حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے بھی اجازت چاہی حضرت عمرؓ نے بڑی سختی سے فرمایا کی اگر اب آؤ گی تو رجم کردوں گا[۲]۔

آپ کی زندگی کا یہی واقعہ تمام ارباب رجال لکھتے ہیں، اس کے علاوہ اور حالات نہیں مل سکے۔
وفات : وفات کی تصریح نہیں ملی، لیکن اوپر کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عہد فاروقی تک زندہ رہیں۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (بقرہ۔۲۹)
پھر اگر مرد طلاق دے دے عورت کو تو پھر اس کے لئے حلال نہ رہے گی اس کے بعد یہاں تک کہ وہ اس کے سوا ایک اور خاوند کے ساتھ نکاح کرے۔

اس آیت کے اسباب نزول میں ایک سبب حضرت تمیمہؓ کا یہ واقعہ نکاح بھی تھا۔

۱؎ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے اس کے علاوہ آپ کے حسب ذیل نام ہیں، سہیمہ، رمیصا، امیمہ، عمیصا، مگر زیادہ تر روایتوں میں عائشہ یا تمیمہ آیا ہے۔ اسد الغابہ۔ جلد۲۔ ص۱۸۱۔ ۲؎ اسد الغابہ ایضاً۔

(۲) حضرت خالدہؓ

نام ونسب : خالدہ یا خلدہ نام، باپ کا نام حارث، حضرت عبداللہ بن سلام کی چچی ہوتی تھیں۔

اسلام : حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی آمد کے منتظر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی آمد کا مژدہ سنایا۔ میں بے تابی سے اٹھا۔ میری چچی خالدہ میرے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ میری بے تابی دیکھ کر انہوں نے کہا کہ موسیٰ بن عمران کا اگر ظہور ہوتا تو کیا تمہیں اس سے زیادہ مسرت نہ ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، خدا کی قسم یہ تو نبوت میں موسیٰ کے ساتھی ہیں۔ دونوں کی بعثت کا مقصد ایک ہے۔ اس پر ان کی چچی نے تعجب سے کہا کہ کیا یہ وہی نبی تو نہیں ہیں جن کی بعثت کے ہم سب منتظر تھے، حضرت عبداللہ بن سلام نے انھیں اثبات میں جواب دیا، اور وہاں سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آنے اور اسلام کی دولت سے بہر اندوز ہوئے اور پھر گھر آکر گھر کے سارے افراد کو جن میں حضرت خالدہؓ بھی شامل تھیں اس سے بہرہ اندوز کیا۔

زندگی کے دوسرے کارنامے اور وفات وغیرہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

(۳) حضرت ریحانہؓ

نام ونسب : ریحانہ نام، باپ کا نام شمعون یا زید تھا[1]۔ باختلاف روایت سلسلہ نسب یہ ہے ریحانہ بنت شمعون بنت زید، بعض روایتوں میں ریحانہ بنت زید بن عمر بن جنافہ بن شمعون ابن زید ہے۔ قبیلہ بنو قریظہ سے تھیں[2]۔

نکاح : پہلے بنو قریظہ کے ایک شخص حکم سے نکاح ہوا تھا غزوہ بنو قریظہ کے دن دوسرے یہودیوں کے ساتھ حکم بھی قتل کر دیا گیا۔ اس روز جو عورتیں اور بچے اسیر ہو کر آتے تھے، ان ہی میں حضرت ریحانہؓ بھی تھیں۔

---

[1] میرے خیال میں ریحانہ بنت شمعون ہی آپ کا صحیح سلسلۂ نسب ہے اس لئے کہ ان کے والد شمار صحابہ میں ہے حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں آپ کا سلسلہ نسب شمعون بن زید لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حضرت ریحانہؓ کے والد تھے اسی لئے جس سلسلہ میں شمعون کا نام کئی ناموں کے بعد ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

[2] بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ بنو نضیر سے تھیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ حضرت شمعونؓ کے حالات میں تفصیل آچکی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے شمعون کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ قرظی تھے اور انصار خزرج کے حلیف تھے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ اسی طرح بنو نضیر سے بھی ان کے عزیزانہ تعلقات رہے ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے انھیں بڑی احتیاط کے ساتھ ام المنذر بنت قیس کے گھر میں ٹھہرایا[1]۔

اسلام : ان سے فرمایا تمہیں اختیار ہے چاہے اسلام قبول کرلو یا اپنے مذہب (یہودیت) پر قائم رہو۔ انہوں ں نے اپنے قدیم دین پر رہنا پسند کیا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کو ان کے اسلام نہ لانے کا بڑا رنج ہوا، اور دوبارہ فرمایا، اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمہیں اپنے پاس رکھوں گا، لیکن انہوں نے پھر انکار کیا۔ یہ مزاج اقدس پر اور زیادہ گراں گذرا اور خاموشی اختیار فرمالی گئی۔ ایک دن آپ مجلس میں تشریف فرما تھے کہ یکا یک ایک شخص کے پیر کی چاپ سنائی دی، آپ نے فرطِ مسرت سے تمام حاضرین سے فرمایا کہ یہ ثعلبہ بن سعید ہیں، جو ریحانہ کے اسلام لانے کی خوشخبری لے کر آرہے ہیں[2]۔

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم اللہ اور رسول (اسلام) کو اختیار کرتی ہو تو میں تمہیں اپنے لئے خاص کرلوں گا، اس پر حضرت ریحانہؓ نے کہا ہاں میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں[3]۔

ہوسکتا ہے کہ ابتداء میں انہوں نے اسلام قبول کرنا اپنی قدیم دینی اور قومی حمیت کے خلاف سمجھا ہو، اور بعد میں جب اس کی خوبیوں سے واقف ہوگئیں تو قبول کرلیا ہو۔

قبول اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے انھیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپ نے انھیں آزاد کر کے اپنے حبالۂ عقد میں لے لیا اور وہ ازواجِ مطہرات میں داخل ہوئیں[4]۔

ابن سعد اور حافظ ابن حجر نے انھیں ازواج مطہرات میں اور اکثر اہل سیر اور اہل رجال نے انہیں سراری میں شمار کیا ہے لیکن ابن اسحاق کی ایک روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ان سے نکاح نہیں کیا تھا بلکہ انہیں یہ اختیار بخشا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو آپ ان سے نکاح فرمالیں اور انھیں ازواج مطہرات میں شامل کرلیں۔ لیکن انھوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! گر آپ اپنی ملک ہی میں رکھیں تو میرے اور آپ دونوں کے لئے آسانی ہو چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنی ملک ہی میں رکھا۔ (اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۹)

وفات : آنحضرت ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے چند مہینے پہلے ہی اس دار فانی کو چھوڑ کر دار بقاء میں پہنچ گئیں[5]۔

---

۱ ابن سعد۔ ۲ ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۹۳۔ ان کے اسلام کے سلسلہ میں پہلی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ثعلبہ بن سعید کے ذکر میں تمام اہل رجال نے اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ ۳ ابن سعد ایضاً۔

۴ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات سے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی (اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۹)۔

۵ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی وفات کے چھ مہینے پہلے آپ کا انتقال ہوا۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد آپ کی وفات ہوئی۔ اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۹

تدفین : جنۃ البقیع میں سپرد خاک کی گئیں[1]۔

حلیہ : خدائے تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے نوازا تھا[2]۔

قیام گاہ : ابتداء میں ام المنذر کے مکان میں ٹھرائی گئیں۔ اس کے بعد غالباً دار قیس بن فہد مستقل قیام گاہ رہی[3]۔ اور وہیں وفات پائی۔

فضائل : آنحضرت ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی، جب وہ کوئی فرمائش کرتی تھیں تو آپ ضرور پوری کرتے تھے، ابن سعد میں ہے کہ ازواج مطہرات کی طرح ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا[4] اور باپردہ رہتی تھیں۔

(۴) حضرت سفانہؓ

نام ونسب : سفانہ نام، حضرت عدیؓ بن حاتم مشہور صحابی کی بہن تھیں اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب اسلامی لشکر قبیلہ طے میں پہنچا تو اس وقت حضرت عدیؓ قبیلہ کے سردار تھے وہ اپنے اہل وعیال کو لے کر اپنی عیسائی برادری کے پاس شام چلے گئے[5]۔ لیکن اتفاق سے سفانہ چھوٹ گئیں اور وہ مسلمانوں کے ہاتھ آگئیں، عام قیدیوں کے ساتھ وہ مدینہ لائی گئیں، اور ایک خاص مقام پر رکھیں گئیں، آنحضرت ﷺ کا ادھر سے گذر ہوا تو سفانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ جو چھڑانے والے ہے وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ مجھ پر احسان کیجئے، خدا آپ پر احسان کرے گا، حضور ﷺ نے پوچھا چھڑانے والا کون۔ عرض کیا عدی بن حاتم، فرمایا وہی تو نہیں جس نے خدا اور رسول ﷺ سے فرار اختیار کرلیا۔ دوسرے دن پھر آپ کا گذر ہوا، اسیر خاتون نے پھر وہی درخواست کی اور پھر وہی جواب ملا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے درخواست کی۔ اس مرتبہ قبول ہوگئی اور رہا کردی گئیں۔

لیکن چونکہ بڑے گھر کی عورت تھیں اس لئے ان کے رتبہ اور اعزاز کے پیش نظر ارشاد ہوا کہ ابھی جانے میں جلدی نہ کرو جب تمہارے قبیلہ کا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے خبر کرو، چند دنوں کے بعد قبیلہ بلی اور قضاعہ کے کچھ لوگ ملے۔ سفانہ نے آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ نے ان سے شایان شان سواری لباس اور اخراجات سفر کا انتظام کرکے بحفاظت تمام ان کو روانہ کردیا۔ یہاں

---

[1] اصابہ ایضاً۔ [2] ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۹۳۔ [3] اصابہ۔ جلد ۴۔ ص ۳۰۹۔ [4] ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۹۳۔
[5] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۶۸

سے یہ براہ راست عدی کے پاس شام پہنچیں اور ان کو بہت ملامت کی کہ تم سے زیادہ قاطع رحم کون ہوگا اپنے اہل وعیال کو تو لے آئے اور مجھ کو تنہا چھوڑ دیا۔ عدی نے ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا، اور چند دنوں کے بعد عدی نے ان سے پوچھا کہ تم ہوشیار اور عاقلہ ہو، تم نے اس شخص (آنحضرت ﷺ) کے متعلق کیا رائے قائم کی۔ انہوں نے کہا کہ میری یہ رائے ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ان سے ملو، اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف وسعادت ہے اور اگر بادشاہ ہے تو بھی یمن کا ایک باعزت فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا[1]۔

اسلام: اس کے بارے میں صاحب اصابہ لکھتے ہیں۔

"وكانت اسلمت واحنت اسلامها"۔

''وہ اسلام لائیں اور حسن وخوبی سے اسے نباہا''۔

وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

(۵) حضرت سیرینؓ

حضرت سیرینؓ اور ماریہ قبطیہ بہنیں نہیں تھیں۔ ان کو مقوقس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں ہدیۃً بھیجا تھا، حضرت ماریہؓ تو حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور حضرت سیرینؓ حضرت حسانؓ مشہور صحابی وشاعر کے حبالہ عقد میں آئیں جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن بن حسانؓ پیدا ہوئے۔ حضرت سیرینؓ بڑی صابر اور شاکر تھیں۔ جب آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جو حضرت ماریہؓ کے بطن سے تھے۔ انتقال ہوا تو حضرت ماریہ لخت جگر کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ حضرت سیرینؓ کو اگر چہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم کم نہ تھا۔ لیکن انھوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور حضرت ماریہؓ کو سمجھاتی رہیں[2]۔

حضرت ماریہؓ اور حضرت سیرینؓ کے متعلق اگر چہ رجال اور سیر کی کتابوں میں اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں لیکن بعض قرائن کی بنا پر انھیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔

پہلا قرینہ یہ ہے وہ قبطی تھیں، اور معلوم ہے کہ مصر کے قبطی عموماً عیسائی تھے۔ چنانچہ زرقانی نے حضرت ماریہؓ کے حالات میں قبطی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"نسبة الى القبط اى نصارىٰ مصر" (قبطی مصر کے عیسائی تھے)

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۳۶۹، ۳۷۰۔　[2] ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۵۔

دوسرا یہ کہ ان کے ساتھ ایک بھائی مابور بھی آئے تھے ارباب سیر و رجال لکھتے ہیں کہ بہنوں نے تو اسلام قبول کر لیا۔ لیکن یہ اس وقت اپنے قدیم دین پر قائم رہے اور کچھ دن کے توقف کے بعد مسلمان ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ دین سے نصرانیت ہی کی طرف اشارہ ہوگا۔

مابور کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

(۵) حضرت صفیہؓ [۱]

نام و نسب : اصلی نام زینب تھا۔ لیکن چونکہ وہ جنگ خیبر میں خاص آنحضرت ﷺ کے حصہ میں آئی تھیں۔ اور عرب میں مالِ غنیمت کے ایسے حصے کو جو امام یا بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ صفیہ کہتے تھے۔ اس لئے وہ بھی صفیہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ یہ زرقانی کی روایت ہے۔

حضرت صفیہؓ کو باپ اور ماں دونوں کی جانب سے سیادت حاصل تھی باپ کا نام حیی بن اخطب تھا جو قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا اور ہارون علیہ السلام کی نسل میں شمار ہوتا تھا ماں جس کا نام ضرد تھا سموال رئیس قریظہ کی بیٹی تھی اور یہ دونوں خاندان (قریظہ اور نضیر) بنو اسرائیل کے اُن تمام قبائل سے ممتاز سمجھے جاتے تھے جنھوں نے زمانۂ دراز سے عرب کے شمالی حصوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

نکاح : حضرت صفیہ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی سلام نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں جو ابو رافع تاجر حجاز اور رئیس خیبر کا بھتیجا تھا کنانہ جنگ خیبر میں قتل ہوا۔ حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے انتخاب کرنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے حضرت سفیہؓ کو منتخب کیا۔ لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ آپ نے رئیسہ بنونضیر و قریظہ کو دحیہ کو دے دیا۔ وہ تو صرف آپ کے لئے سزاوار ہے مقصود یہ تھا کہ رئیسہ عرب کے ساتھ عام عورتوں کا سا برتاؤ ٹھیک نہیں۔ چنانچہ حضرت دحیہؓ کو آپ نے دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہؓ کو آزاد کر کے خود نکاح کر لیا[۲]۔ خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا میں رسم عروسی ادا کی[۳]۔ اور جو کچھ سامان لوگوں کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت

۱۔ ان کے حالات کسی قدر اضافے کے ساتھ حرف بحرف سیر الصحابیات اڈیشن اول مؤلفہ مولانا سعید انصاری سابق رفیق دارالمصنفین سے منقول ہیں۔　۲۔ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب مایذکر فی الفخذ صحیح مسلم۔ جلد ۱۔ ص ۵۴۶۔

۳۔ اصابہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۲۶۔

ولیمہ فرمائی۔ وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کر لیا۔ اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ مدینہ پہنچ کر آپ نے حضرت صفیہؓ کو حارث بن نعمان کے مکان پر اتارا۔ جب ازواج مطہرات کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو حضرت عائشہؓ حضرت زینب، حضرت حفصہ وغیرہ انصار کی چند عورتوں کے ساتھ ان کو دیکھنے آئیں۔ حضرت عائشہؓ جب دیکھ کر واپس ہوئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا "کیف رائیتھا یا عائشہ" عائشہ تم نے ان کو کیسا پایا۔ حضرت عائشہؓ بولیں "یہودیہ ہے"۔ فرمایا، یہ نہ کہو، وہ تو مسلمان ہو گئی ہیں اور ان کا اسلام بہتر ہے[1]۔

عام حالات: حضرت صفیہؓ کے مشہور واقعات میں حج کا سفر ہے جو انہوں نے ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کے ایام محاصرہ میں جو ۳۵ھ میں ہوا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے ان کی بے حد مدد کی تھی۔ جب حضرت عثمانؓ پر ضروریات زندگی مسدود کر دی گئی اور ان کے مکان پر پہرہ بٹھا دیا گیا تو وہ خود خچر پر سوار ہو کر ان کے مکان کی طرف چلیں۔ غلام ساتھ تھا۔ اشتر کی نظر پڑی تو انہوں نے آکر خچر کو مارنا شروع کیا۔ حضرت صفیہؓ نے کہا کہ مجھ کو ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں واپس جاتی ہوں۔ تم خچر کو چھوڑ دو گھر واپس آئیں تو حضرت امام حسن علیہ السلام کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ ان کے مکان سے حضرت عثمانؓ کے پاس کھانا اور پانی لے جاتے تھے[2]۔

وفات: حضرت صفیہؓ نے رمضان ۵۰ھ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں اس وقت ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ ایک لاکھ ترکہ چھوڑا اور ایک ثلث کی اپنے ایک یہودی بھانجے کے لئے وصیت کر گئیں[3]۔

حلیہ: کوتاہ قامت اور حسین تھیں[4]۔

فضل وکمال: حضرت صفیہؓ سے چند حدیثیں مروی ہیں جن کو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اسحاق بن عبداللہ بن عارث، مسلم، صفوان، کنانہ اور یزید بن معتب، صہیرہ بنت جیفر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

دیگر ازواج کی طرح حضرت صفیہؓ بھی اپنے زمانہ میں علم کا مرکز تھیں۔ چنانچہ جب صہیر بنت جیفر حج کر کے حضرت صفیہؓ کے پاس مدینہ آئیں تو کوفہ کی بہت سی عورتیں مسائل دریافت

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۹۰　[2] اصابہ۔ جلد ا۔ ص ۱۲۷ بحوالہ ابن سعد　[3] زرقانی۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۶
[4] صحیح مسلم۔ جلد ا ص ۵۴۸

کرنے کی غرض سے بیٹھی ہوئی تھیں۔صہیرہ کا بھی یہی مقصد تھا۔اس لئے انہوں نے کوفہ کی عورتوں سے سوال کرائے ایک فتویٰ نیند کے متعلق تھا۔حضرت صفیہؓ نے سنا تو بولیں۔اہل عراق اس مسئلہ کو اکثر پوچھتے ہیں[1]۔

اخلاق : حضرت صفیہؓ میں بہت سے محاسنِ اخلاق جمع تھے اسد الغابہ میں ہے[2]۔

"کانت عاقله من عقلاء النساء"۔　یعنی "وہ نہایت عاقلہ تھیں"۔

زرقانی میں ہے[3]:

"کانت صفية عاقلة حليمة فاضلة"۔　یعنی "صفیہ عاقل، فاضل اور حلیم تھیں"۔

حلم وتحمل ان کے بابِ فضائل کا نہایت جلی عنوان ہے۔غزوہ خیبر میں جس وہ اپنی بہن کے ساتھ گرفتار ہو کر آرہی تھیں۔تو ان کی بہن یہودیوں کی لاشوں کو دیکھ کر چیخ اٹھتی تھی، حضرت صفیہؓ نے اپنے محبوب شوہر کی لاش سے قریب ہو کر گذریں لیکن اب بھی اس طرح پیکر متانت تھیں۔اور ان کی جبین تحمل پر کسی قسم کی شکن نہیں آئی۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودیہ کہا ان کو معلوم ہوا تو رونے لگیں۔

حضرت صفیہؓ کے پاس ایک کنیز تھی، جو حضرت عمرؓ کے پاس جا کر ان کی شکایت کیا کرتی تھیں۔چنانچہ ایک دن کہا کہ ان میں یہودیت کا اثر آج تک باقی ہے۔تصدیق کے لئے ایک شخص کو بھیجا۔حضرت صفیہؓ نے جواب دیا کہ یوم السبت کو اچھا سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔اس کے بدلے میں خدا نے ہم کو جمعہ کا دن عنایت فرمایا ہے۔البتہ میں یہود کے ساتھ صلۂ رحمی کرتی ہوں۔وہ میرے خویش اور اقارب ہیں۔اس کے بعد لونڈی کو بلا کر پوچھا کہ تو نے میری شکایت کی تھی؟ بولی "ہاں مجھ کو شیطان نے بہکا دیا تھا۔" حضرت صفیہؓ خاموش ہو گئیں اور اس کو آزاد کر دیا[4]۔

حضرت صفیہؓ کو آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت تھی۔چنانچہ جب آپ علیل ہوئے تو نہایت حسرت سے بولیں "کاش، آپ کی بیماری مجھ کو ہو جاتی"۔ازواج نے ان کی طرف دیکھنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔"یہ سچ کہہ رہی ہے"[5]۔یعنی اس میں تصنع کا شائبہ نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ کسی بات پر کبیدہ خاطر ہو گئے یہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ میں آپ کو آج کی اپنی باری جو میرے نزدیک سب سے محبوب چیز ہے، دیتی ہوں۔

---

[1] مسند۔جلد ۶۔ص ۳۳۷　[2] اسد الغابہ۔جلد ۵۔ص ۴۹۰　[3] زرقانی۔جلد ۳۔ص ۲۹۶

[4] اصابہ۔جلد ۸۔ص ۱۲۷ و زرقانی۔جلد ۳۔ص ۲۹۶ بحوالہ ابن سعد　[5] زرقانی۔جلد ۳۔ص ۲۹۶

آپ ﷺ کو راضی کر دیں۔ حضرت عائشہؓ جب آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تمہاری باری کا دن نہیں ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا "یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے"۔ اس کے بعد واقعہ بیان کیا۔ آنحضرت ﷺ یہ سن کر حضرت صفیہؓ سے راضی ہو گئے [1]۔

آنحضرت ﷺ کو بھی ان کے ساتھ نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے۔ ایک بار آپ سفر میں تھے۔ ازواج مطہراتؓ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ سوء اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینبؓ کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے۔ آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہؓ کو دے دو۔ انھوں نے کہا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دوں؟ اس پر آنحضرت ﷺ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک ان کے پاس نہ گئے [2]۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے ان کے قد و قامت کی نسبت چند جملے کہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ ایسی بات کہی کہ اگر سمندر میں چھوڑ دی جائے تو اس میں مل جائے [3]۔ (یعنی سمندر کو بھی گدلا کر سکتی ہے)۔

ایک بار آپ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ آپ نے رونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ "عائشہ اور زینب کہتی ہیں کہ "ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں"۔" آپ نے فرمایا "تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ "ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا اور محمد (ﷺ) میرے شوہر ہیں۔ اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہو سکتی ہو"" [4]۔

سفرِ حج میں حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیٹھ گیا تھا۔ اور وہ سب سے پیچھے رہ گئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ ادھر سے گذرے تو دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں۔ آپ نے رداء اور دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھے آپ آنسو پونچھتے جاتے تھے اور وہ بے اختیار روتی جاتی تھیں [5]۔ آخر کار آپ نے تمام قافلہ کو رک جانے کا حکم دیا [6]۔

حضرت صفیہؓ سیر چشم اور فیاض واقع ہوئی تھیں۔ چنانچہ جب وہ ام المومنین بن کر مدینہ میں آئیں تو حضرت فاطمہؓ اور ازواج مطہرات کو اپنی سونے کی بجلیاں تقسیم کیں [7]۔

۱۔ مسند۔ جلد ۶۔ ص ۱۴۵ ۲۔ اصابہ۔ جلد ۸۔ ص ۱۲۶ بحوالہ ابن سعد ۳۔ ابوداؤد۔ جلد ۲۔ ص ۱۹۳
۴۔ صحیح ترمذی۔ ص ۶۳۹ ۵۔ زرقانی۔ جلد ۳۔ ص ۲۹۶ ۶۔ مسند۔ جلد ۶۔ ص ۳۳۶
۷۔ زرقانی۔ جلد ۳۔ ۲۹۶

کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھیں۔ اور آنحضرت ﷺ کے پاس تحفہ بھیجا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے گھر میں آنحضرت ﷺ کے پاس انھوں نے پیالہ میں جو کھانا بھیجا تھا اس کا ذکر بخاری اور نسائی وغیرہ میں آیا ہے۔

(۷) حضرت ماریہ قبطیہؓ

نام ونسب : ماریہ نام، ام ابراہیم کنیت۔ قبطیہ[1] ان کی قومی نسبت تھی۔ مصر کے ایک ضلع انصایا انص کا ایک گاؤں حفن ان کا آبائی وطن تھا۔

خدمت نبوی میں آمد : ۷ھ میں رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام کے لئے شاہانِ وقت کو جو خطوط لکھے تھے۔ ان میں ایک خط مقوقس عزیز مصر کے نام بھی تھا۔ جس کو حضرت حاطبؓ ابن بلتعہ لے کر مصر گئے تھے۔ مقوقس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ لیکن حضور ﷺ کے پیام اور پیامبر کی بڑی پذیرائی کی اور قیمتی ساز و سامان کے علاوہ دولڑکیاں جن کے ساتھ ان کے بھائی مابور بھی تھے۔ خدمت نبوی ﷺ میں تحفۃً بھیجیں[2]۔ ان لڑکیوں میں ایک تو سیرینؓ تھی۔ جن کا ابھی ذکر آچکا ہے دوسری یہی حضرت ماریہ قبطیہؓ تھیں۔

اسلام : حضرت ماریہؓ مصر سے حضرت حاطبؓ کے ساتھ آئی تھیں۔ اس لئے وہ ان سے بہت زیادہ مانوس ہوگئی تھی۔ حضرت حاطب نے اس انس سے فائدہ اٹھا کر ان کے سامنے اسلام پیش کیا۔ حضرت ماریہؓ اور ان کی بہن حضرت سیرینؓ نے تو اسلام قبول کرلیا۔ لیکن ان کے بھائی مابور اپنے قدیم دین عیسائیت پر قائم رہے۔

قیام گاہ : حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ماریہ کو پہلے ہمارے پڑوس میں حارثہؓ بن نعمانؓ کے مکان پر ٹھہرایا گیا اور ہم لوگ برابر ماریہ کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت ان کے پاس زیاہ ہونے لگی۔ تو ہم لوگوں نے ان کے پاس آنا جانا کم کردیا (کہ آنحضرت ﷺ کے سکون میں فرق نہ آئے)۔ وہ تنہائی کی وجہ سے گھبرانے لگیں، تو آنحضرت ﷺ نے انھیں مقام العالیہ میں جو اس وقت مشربہ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے منتقل کردیا[3]۔

---

[1] حضرت ماریہؓ کے ساتھ قبطی کی نسبت ہی اگر چہ ان کی عیسائیت کی دلیل کے لئے کافی ہے۔ لیکن میں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صاحب زرقانی کی تصریح اور بعض دوسرے قرائن کی بناء پر ان کو اس فہرست میں داخل کیا ہے۔ سیرین کے حالایت میں اس کی تصریح آچکی ہے۔　[2] اصابہ۔ جلد ۴۔ ۴۰۵　[3] فتح الباری۔ جلد ۸۔ ص ۵۱۳

۹ھ میں ایلا کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے حضرت ماریہؓ کا خاص تعلق ہے۔ اس کی تفصیل آخر میں آئے گی۔

عہد صدیقی و فاروقی : حضرت ماریہؓ گو ازرج مطہرات میں نہیں تھیں، لیکن رحمت عالم ﷺ ان کے ساتھ ازواج مطہرات ہی کے ایسا سلوک کرتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کے اعزاز و احترام کو باقی رکھا اور ہمیشہ ان کے نان نفقہ کا خیال کرتے رہے۔ حضرت صدیقؓ کے بعد حضرت فاروقؓ نے بھی ان کے ساتھ یہی سلوک مرعی رکھا۔

وفات : حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ خلافت میں محرم ۱۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا[1]۔

تدفین : حضرت عمرؓ کو ان کی وفات کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے خود تمام اہل مدینہ کو جمع کیا اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی مدینہ کے عام قبرستان بقیع میں سپرد خاک کی گئیں[2]۔

اولاد : آنحضرت ﷺ کی جتنی اولادیں ہوئیں وہ سب حضرت خدیجہؓ کے بطن سے ہوئیں ان کے بعد صرف حضرت ماریہؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور ۱۷ یا ۱۸ ماہ زندہ رہ کر داغ مفارقت دے گئے۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی وفات کا بیحد غم ہوا تھا۔

حلیہ : قدرت نے حسن باطن کے ساتھ ساتھ حسن ظاہر سے بھی نوازا تھا بال نہایت گھنے اور خوب صورت تھے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے جتنا رشک ان پر آتا تھا کسی دوسرے پر نہیں[3]۔

رقت قلب : نہایت رقیق القلب تھیں حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو رقت قلب کی وجہ سے ان کو اپنے اُوپر قابو نہیں رہا اور بے اختیار رونے لگیں[4]۔

فضائل : رسول اللہ ﷺ کو حضرت ماریہؓ سے بیحد محبت تھی اور اس وجہ سے ان کے پاس آپ کی آمد رفت بہت زیادہ رہتی تھی گو وہ کنیز[5] تھیں۔ لیکن ازواج کی طرح ان کو بھی آپ نے پردے میں رہنے کا حکم دیا تھا[6]۔ ان کے فضل کے لئے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مبارک کافی ہے : کہ

"استوصو بالقبط فان لهم ذمةً ورحمًا ورحمهم ان اُم اسمٰعيل بن ابراهيم واُمه ابرهيم بن النبى منهم "۔ (ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۴)

---

[1] ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۶۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے ۵ برس بعد ان کی وفات ہوئی۔ اس حساب سے ان کی وفات ۱۵ھ میں ہوئی۔ لیکن دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس لئے کہ ۱۶ھ کے پہلے مہینے میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اس لئے ۵ برس کا تعین غلط نہیں ہے۔ [2] اصابہ [3] ابن سعد۔ جلد ۸۔ ص ۱۵۲

[4] ایضاً۔ ص ۱۵۵ [5] جاریات یعنی کنیزوں کے لئے پردہ کی ضرورت نہیں [6] اصابہ وابن سعد

''قبطیوں کے (مصر کے عیسائی) ساتھ حسن سلوک کرو، اس لئے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ (حضرت ہاجرہ) اور میرے لڑکے ابراہیمؓ دونوں کی ماں اسی قوم سے ہیں اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے''۔

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے :

'' كانت مارية هذا من الصالحات الخيرات الحسان '' ۔

(البدایہ۔ جلد ۷۔ ص ۳۴۷)

''اور ماریہؓ نہایت صالح، پاکیزہ اور نیک سیرت تھیں''۔

ایلا : ۹ ھ میں رسول اللہ ﷺ نے بعض خانگی اور ازواجی معاملات کی بنا پر ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اسی واقعہ کو ایلا کہتے ہیں جن اسباب کی بنا پر آپ نے علیحدگی کا فیصلہ کیا تھا اس کے بارے میں مفسرین و محدثین میں باہم اختلاف ہے اور انھوں نے ایک دوسرے سے بہت متضاد اور متخالف باتیں کہی ہیں۔

ان اسباب میں ایک سبب حضرت ماریہؓ کے واقعہ کو بھی جس کا ذکر آگے آتا ہے قرار دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایلا کے واقعہ سے حضرت ماریہؓ کے واقعہ کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ صرف حضرت ماریہؓ اور حضرت حفصہؓ کا معاملہ تھا۔ روایتوں میں دونوں واقعے غلط ملط ہو گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے واقعات کی اصل نوعیت سامنے نہیں آنے پاتی۔ اب ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں تا کہ واقعہ کی اصل حقیقت واضح ہو جائے۔

بات یہ تھی کہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو آنحضرت ﷺ سے غایت درجہ تعلق اور محبت تھی۔ اس وجہ سے ہر ایک آپ کی صحبت کو باعث سعادت سمجھتیں تھیں۔ ان میں سے جن کو بھی تقرب و اختصاص کا موقع ملتا تھا۔ اس میں کسی کی شرکت کا شائبہ بھی ان کو بہت گراں گذرتا تھا اور پھر باقتضائے بشریت آپس میں کچھ جذبۂ رشک و مسابقت بھی موجود تھا۔ اس وجہ سے کبھی کبھی آپس میں شکر رنجی بھی ہو جایا کرتی تھی، اور اس مصیبت میں ایک مرتبہ حضرت ماریہؓ بھی مبتلا ہو گئیں۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ کی باری کا دن تھا۔ آنحضرت ﷺ حسب معمول ان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت حفصہؓ موجود نہیں تھیں۔ اس اثناء میں آنحضرت ﷺ حضرت ماریہؓ سے جو حضرت حفصہؓ کے پڑوس ہی میں رہتی تھیں باتیں کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت حفصہ واپس آئیں تو آپ کو اپنے گھر میں حضرت ماریہؓ سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھا، باقتضائے بشریت ان کو بڑا رنج ہوا اور

حضور ﷺ سے فرمایا کہ اپنی تمام بیویوں میں آپ صرف میرے ہی ساتھ ایسا کرتے ہیں[1]۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ماریہؓ سے کنارہ کشی کا عزم کرلیا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت حفصہؓ نے آنحضرت ﷺ سے غصہ میں بات کی، اس پر آپ نے حضرت ماریہؓ سے علیحدگی کی قسم کھالی، جس پر سورہ تحریم کی ابتدائی آیتیں نال ہوئیں۔

لیکن صحیح یہ ہے کہ سورۂ تحریم کی یہ ابتدائی آیتیں آپ کی شہد نوشی اور اس کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی وجہ سے نازل ہوئیں۔ لیکن جیسا کہ بخاری وغیرہ میں تصریح موجود ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ کہ ایلاء کا واقعہ بھی اسی زمانہ میں پیش آیا ہو، جس زمانہ میں آپ نے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی کرلی تھی۔ اور دونوں واقعے نزول آیات کا سبب بنے ہوں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تمام روایتوں کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"ان تکون الایة نزلت فی سببین "[2]۔

"ہوسکتا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب دونوں واقعے ہوں"۔

بہر حال حضرت ماریہؓ سے علیحدگی اور ایلاء کے واقعہ میں ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت میں حضرت ماریہؓ کے واقعہ کے سلسلہ میں جتنی روایتیں ہیں۔ ان سب پر جرح کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے

لیکن جہاں تک میری تحقیق کا تعلق ہے اس کے لحاظ سے یہ تو صحیح ہے کہ آیت کے نزول کا سبب حضرت ماریہؓ کا واقعہ نہیں ہے، لیکن نفسِ واقعہ کے عدم وقوع و عدم صحت کا ثبوت نہیں ملتا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں دو تین باتیں کہی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے دوسرے یہ کہ امام نووی نے اس کی صحت پر کلام کیا ہے۔ تیسری یہ کہ یورپ کے اکثر مورخوں نے اسی قسم کی روایتوں کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے اخلاق پر حرف گیریاں کی ہیں۔

۱۔ صحاح کی پانچ کتابوں میں تو یہ روایت یقیناً نہیں ہے لیکن نسائی باب الغیر ۃ میں حضرت انسؓ سے یہ روایت موجود ہے۔ اگر چہ اس میں بھی حضرت ماریہؓ کا نام نہیں ہے لیکن روایت کے سیاق وسباق اور دوسرے قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ماریہؓ ہی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس روایت میں چار راوی ہیں[3]۔ اور ان میں سے کسی کی بھی وثاقت اور عدالت پر کلام نہیں کیا گیا ہے۔

---

[1] فتح الباری۔ جلد ۸ ص ۵۰۲ [2] [3] ابراہیم اور ان کے والد یونس، حماد بن سلمہ ثابت بن اسلم البنانی تہذیب میں ان سب کا تذکرہ موجود ہے۔ ائمہ رجال نے ان میں سے کسی کو مجروح یا غیر ثقہ قرار نہیں دیا ہے۔

بالکل یہی روایت حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں نقل کی ہے اس روایت کے اوپر کے دو راوی حضرت انسؓ اور ثابت البنانی ہیں۔ لیکن اس کے بعد چار راوی دوسرے ہیں حاکم نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے۔

"هذا حديث صحيح على شرط مسلم"۔ (جلد ۴۔ ص ۴۹۳)

"یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط پر پوری اُترتی ہے"۔

حافظ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس روایت پر کوئی جرح نہیں کی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ روایت میں کوئی سقم نہیں ہے۔

نسائی اور مستدرک میں ماریہؓ کے حضرت حفصہؓ کے گھر میں موجود ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ طبرانی اور بزار نے بھی اس روایت کی تخریج کی ہے بزار کی روایت کے متعلق حافظ نور الدین ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے کہ

"رجال البزار رجال الصحيح غير بشر بن آدم الاصفر و هو ثقة"۔

(ج ۷۔ ص ۱۲۶)

"بزار کے تمام رواۃ صحیح حدیث کے رواۃ ہیں۔ بجز بشر بن آدم کے لیکن ان کے ثقہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے"۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کے بعد اور طرق ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ هذه طرق يقوى بعضها بعضاً ۔ یہ روایت بہت سے طریقوں سے مروی ہے اور ان میں ایک روایت دوسری روایت کو قوی کرتی ہے (یعنی غیر صحیح نہیں ہے)۔

امام نووی نے یقیناً لکھا ہے۔

"ولم تات قصة مارية من طريق صحيح"

"ماریہ کا قصہ صحیح طریق سے ثابت نہیں ہے"۔

لیکن اس کے ساتھ حافظ ابن کثیر حافظ ابن حجر، ابوبکر ہیثمی، امام ذہبیؒ اس کی صحت کے قائل ہیں۔ دوسرے بزرگوں کی رائے کو بھی آسانی سے رد نہیں کیا جاسکتا۔

"ان ذلك فى تحريم الاصل"۔

"آیت کے نزول کا سبب آپ کا شہد کو حرام کر لینا تھا"۔

لیکن حضرت ماریہؓ کے واقعہ سے انہوں نے انکار کیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ ایلا کا مشہور واقعہ جس میں ازواج مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور حضرت ماریہؓ کا واقعہ دونوں الگ الگ ہیں۔ حضرت ماریہؓ کے قصہ کا تعلق حضرت حفصہؓ یا بعض روایتوں کے مطابق حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں سے تھا۔

۲۔ سورۂ تحریم کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا اصلی سبب آپ کی شہد نوشی اور اس کی تحریم ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں حضرت ماریہؓ کا واقعہ بھی پیش آیا ہو، اور بعضوں نے اس کو ان آیات کا سبب نزول سمجھ لیا ہو۔

۳۔ حضرت ماریہؓ سے آپ کی کنارہ کشی کا واقعہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ صحیح روایات میں لغو واقعات شمول نہیں ہیں۔ چنانچہ نسائی اور مستدرک کی روایات اس سے خالی ہیں۔

۴۔ اگر امام نوویؒ نے اس روایت کی صحت پر کلام کیا ہے تو دوسرے ائمہ حدیث نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔

۵۔ اس قسم کی روایات پر یورپین مورخین کو اگر آنحضرت ﷺ پر حرف گیری کا موقع ملتا ہے تو اس سے آنحضرت ﷺ کی بلندی ونزاہت اخلاق پر کس کا سارا زمانہ گواہ ہے، کہاں حرف آسکتا ہے۔ قرآن کی صحت پر کس کو کلام ہے۔ لیکن کیا وہ ان کی خردہ گیری کی زد سے بچ گیا۔ آنحضرت ﷺ کے اخلاق حسنہ کی تعریف آپ کے زمانہ کے دشمنوں نے کی ہے۔ لیکن یورپ کو آپ میں (نعوذ باللہ) کوئی نیکی نظر نہیں آتی۔ آپ کے معیار اخلاق پر حرف گیری کے لئے اس قسم کی روایات تو الگ رہیں، جن کا بیشتر حصہ موضوع جعلی، نا قابلِ اعتبار ہے۔ خود تعداد ازواج اور کنیزوں سے انتفاع جنسی جیسے معلم و محقق مسائل تک کو لے لیا گیا ہے۔

''ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است''

ان کے مقابلہ میں سکوت ہی (اولیٰ تر) کافی ہے۔

بہر حال کسی روایات کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہئے کہ اس سے غیروں کو اعتراض کا موقع ملتا ہے۔ پھر اس واقعہ کو معاشرتی اور ازواجی نقطہ نظر سے دیکھا جائے اور پیش نظر رکھا جائے کہ آپ کی صحبت میں متعدد ازواج کے ساتھ جاریات بھی تھیں۔ تو اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نظر نہیں آئی۔ صورت واقعہ کو ایک بار پھر اپنے سامنے لائے تو اس کی صحیح نوعیت سامنے آجائے گی۔

۶۔ جس دن یہ واقعہ پیش آیا، اس دن حضرت حفصہ ؓ کی باری کا دن تھا۔ لیکن اس روز وہ گھر میں موجود نہیں تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے ملنے گئیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ حسبِ معمول ان کے ہاں تشریف لے گئے، تو مکان خالی پایا۔

حضرت ماریہؓ جیسا کہ اُوپر حضرت عائشہؓ کا بیان گزر چکا ہے، حضرت حفصہؓ کے پڑوس میں ہی رہتی تھیں۔ قیاس ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر یا اسی طرح کسی ضرورت سے حضرت حفصہؓ کے مکان پر آئی ہوں گی، اور آنحضرت ﷺ ان سے گفتگو فرمانے لگے ہوں گے، اس اثنا میں حضرت حفصہ ؓ آ گئیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ تنہا دیکھ کر بتقاضائے صنف لطیف ناراضگی کا اظہار کیا اور آنحضرت ﷺ نے ان کی خاطر کچھ دنوں کے لئے حضرت ماریہؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ تو اس میں کونسی بات یا اخلاقی معیار سے گری ہوئی ہے، یا اس میں ازواجی نقطۂ نظر سے کونسا ستبعا نظر آتا ہے۔

(۸) حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ

امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں ایک باب "عرض الاسلام علی أم النصرانیه" باندھا ہے۔ جس کے تحت حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے۔ ابوکثیر بیان کرتے ہیں :

"سمعت ابی هریرةؓ یقول ماسمع بی احد یهودی ولانصرانی الااجنبی ان امی کنت اریدها علی الاسلام فتابی"۔

''میں نے ابوہریرہؓ سے یہ واقعہ سنا وہ فرماتے تھے کہ جس یہودی یا نصرانی نے یہ بات سنی کہ میں اپنی والدہ کو حلقۂ اسلام میں لے آنا چاہتا ہوں مگر وہ انکار کرتی ہیں (اور میں برابر ان کی خدمت کرتا رہتا ہوں اور کچھ نہیں کہتا۔ تو اس نے میرے اس طرزِ عمل کو پسند کیا''۔

صحیح مسلم اور مسند میں بھی ان کے اسلام کا ذکر موجود ہے۔ مگر اس میں ان کے نصرانی ہونے اور اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اربابِ رجال نے بھی ''ام ابی ہریرہ'' کے عنوان سے حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی ان کے نصرانی ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ مگر امام بخاریؒ نے ان کے نصرانی ہونے کی تصریح کر دی ہے اس لئے ان کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا نسبی تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ جو یمن کا ایک ممتاز قبیلہ تھا اور معلوم ہے کہ یمن کے متعدد ممتاز قبائل نے نصرانیت قبول کر لی تھی۔ اس لئے ممکن ہے کہ دوس میں بھی کچھ لوگوں نے نصرانیت اختیار کر لی ہو۔ جن میں یہ خاتون بھی شامل ہوں۔

جیسا کہ اس واقعہ کے ابتدائی ٹکڑے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پڑوس میں کچھ یہودی و نصرانی آباد تھے۔ **واللہ اعلم بالصواب**



" تابعات "

تماضرؒ

نام ونسب : تماضر نام تھا۔ حضرت اصبغ [1] تابعی کی جو دومۃ الجندل کے حکمران اور مذہباً عیسائی تھے۔ صاحبزادی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو تماضر کے قبیلہ میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ اس قبیلہ میں سب سے پہلے تماضر کے والد اصبغؒ مشرف بہ اسلام ہوئے اور آنحضرت ﷺ کے مشورہ سے انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن سے تماضر کا نکاح کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کچھ دن دومۃ الجندل ہی میں رہے پھر وہاں سے اپنی بیوی تماضر کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔

تماضر ان کے عقد نکاح میں آخر وقت تک رہیں لیکن مرض الموت میں میاں بیوی میں کچھ شکر رنجی ہوگئی۔ جس کی وجہ سے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے انہیں اپنے حبالہ عقد سے آزاد کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد انہوں نے حضرت زبیرؓ سے شادی کر لی۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان سے بھی جدائی ہوگئی۔

عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں تو کہیں ان کا تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اس حیثیت سے ان کا تذکرہ ملت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں حضرت عبدالرحمٰنؓ کے ترکہ سے حصہ دیا تھا۔

وفات کی تصریح نہیں ملتی لیکن یہ معلوم ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عہد تک زندہ ہیں۔

اولاد : حضرت عبدالرحمٰن کے صلب سے ان کے ایک صاحبزادے ابوسلمہ تھے۔

اُم محمد القرظیؒ

اہل رجال نے صحابیات یا تابعات کے ذکر میں ان کا نام نہیں لیا۔ ہے لیکن اصابہ اور صفوۃ الصفوۃ کی بعض روایتوں سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ صحابیات میں ہوں گی۔ لیکن ان کا صحابیات میں ہونا مشتبہ تھا۔ اس لئے ان کا تذکرہ آخر میں کیا جاتا ہے۔

---

[1] ان کا تذکرہ اُوپر آچکا ہے۔

حضرت کعبؓ کے حالات زندگی اور نیز ایک ضعیف روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ یہود کے قبیلہ نضیر سے تھیں۔ وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ دو کاہنوں میں سے ایک بڑا عالم پیدا ہوگا تو بڑے عالم سے مراد محمد بن کعب ہیں اور دو کاہنوں سے مراد بنوقریظہ اور بنونضیر ہیں۔ محمد بن کعب کے والد تو بنوقریظہ سے تھے اور ان کی والدہ ام محمد بنونضیر سے۔

بہر حال اس روایت کی بنا پر ان کا نام اس فہرست میں داخل کیا گیا ہے۔ زندگی کے اور حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

" رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم "



"ضمیمہ"

مقدمہ سے متعلق بعض چیزوں کے تلاش وتفحص کے سلسلہ میں کتابوں میں چند اور اہل کتاب بزرگوں کے ناموں پر نظر پڑی جو عہد نبوی میں اسلام لاچکے تھے۔ مگر چونکہ اس وقت تک کتاب چھپ چکی تھی اس لئے انکا تذکرہ بطور ضمیمہ آخر میں شامل کتاب کیا جاتا ہے۔

فروہ بن عمرو حاکم معان :

فروہ معان اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ میں قیصر روم کے عامل تھے ان کے پاس براہ راست اگرچہ اسلام کی دعوت نہیں بھیجی گئی مگر ان کو جب کسی ذریعہ سے بعثت نبوی اور دعوت حق کا علم ہوا تو بغیر کسی پس وپیش کے اس کو لبیک کہا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اس کے بعد اپنے خاص قاصد مسعود بن سعید کے ذریعہ بارگاہ رسالت میں اپنے اسلام کی اطلاع دی اور متعدد سواریاں عمدہ چادریں۔ اور قیمتی قبائیں خدمت اقدس میں تحفۃً بھیجیں رسول نے ﷺ ان کو قبول کیا اور قاصد کو اپنی طرف سے کچھ تحائف دے کر رخصت فرمایا۔

فروہ کے اسلام لانے کا معان اور اس کے ملحقہ علاقوں میں جہاں کے وہ حاکم تھے کیا ردعمل ہوا۔ اس کا ذکر کتابوں میں نہیں ملتا۔ مگر ظاہر ہے کہ حاکم کی حیثیت سے ان کے اسلام کا کافی چرچا ہوا ہوگا۔ بہت سے خواص اور عوام نے ان کے اثر سے اسے قبول کیا ہوگا اور کتنوں کے عقائد وایمانیات میں تزلزل آ گیا ہوگا۔ جس کو قیصر روم برداشت نہیں کرسکتا تھا۔

چنانچہ جونہی اس کو ان چیزوں کی اطلاع ہوئی۔ اس نے فروہ کو دھوکے سے دربار میں طلب کیا۔ پہنچتے ہی ان کو حبس دوام کی سزا کا جابرانہ حکم سنادیا گیا۔ جسے انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اور اسی قید کی حالت میں جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔ قیصر کو اس پر بھی تسکین نہیں ہوئی تو اس نے لاش شارع عام پر لٹکوادی[1]۔

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ نصرانی تھے مگر وہ قبیلہ جذام سے تعلق رکھتے تھے۔ جو معان کے قریب آباد تھا اور اس کے متعلق اوپر آچکا ہے کہ وہ نصرانی ہو گیا تھا اس بنا پر وہ بھی نصرانی رہے

---

[1] ہم نے ابن سعد کے بیان کو ترجیح دی ہے۔ زرقانی وغیرہ میں ہے کہ ان کو سولی دے کر شہید کردیا گیا۔ ابن سعد۔ جلد ۷۔ ق ۲۔ ص ۱۴۸ ، زرقانی۔ جلد ۴۔ ص ۵۲

ہوں گے۔ دوسرے معان چونکہ بری، بحری دونوں حیثیتوں سے بڑا اہم مقام تھا اس لئے قیصر کا ایسی جگہ پر کسی غیر نصرانی کو عامل مقرر کرنا کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔

ذوالکلاع اور ذوعمرو :

یہ دونوں بزرگ حمیری خاندان کے ممتاز لوگوں میں سے تھے۔ جن کے ہاتھ میں حکومت تو نہیں تھی، مگر اس کا اثر ان میں باقی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی کو اسلام کا پیغام دے کر ان کے پاس بھیجا۔ ایک دن حضرت جریرؓ ان کو احادیث نبوی ﷺ سنا رہے تھے کہ ذوعمرو نے کہا تم جن کی حدیثیں سنا رہے ہو، ان کا تو انتقال ہو گیا۔ جریرؓ یہ اندوہناک خبر سنتے ہی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں کچھ سوار ملے، جن سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ حضرت جریرؓ وہیں سے پھر واپس لوٹ آئے اور ان دونوں آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ذوالکلاع کے متعلق ذکر ہے کہ وہ ایک بار حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کو شام کی مہم پر بھیج دیا۔

محمد بن حبیب نے ذوعمرو کے متعلق لکھا ہے کہ یہودی تھے، لیکن ذوالکلاع کے مذہب و عقیدہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ مگر حمیری خاندان سے ان کا تعلق ان کی یہودیت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

غسان : عہد نبوی میں غسانیوں کے کسی فرد کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ عام طور سے کتابوں میں نہیں ملتا۔ مگر زرقانی اور ابن سعد نے نام کی تصریح کئے بغیر لکھا ہے کہ تین نیک فطرت غسانی (غالباً ۱۰ھ میں) حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں آئے اور یہ کہہ کر کہ آپ جو تعلیم لائے ہیں، وہ حق پر ہے، مشرف باسلام ہو گئے۔ جب واپس جانے لگے تو حضور نبوی ﷺ میں عرض کیا کہ جس دن کو ہم نے قبول کیا ہے اس کو ہم اپنی قوم کے پاس لئے جا رہے ہیں، معلوم نہیں وہ قبول کرے گی یا نہیں۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا ان لفظوں میں نقشہ کھینچا :

"وھم یحبون بقاء ملکھم وقرب قیصر"۔

"ان کا حال یہ ہے کہ اپنے ملک کی بقاء اور قیصر کے تقرب کو ہر چیز سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں"۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت فرمایا۔ وطن پہنچے تو قوم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی۔ مگر اس کے دل و دماغ پر مائیت کے اتنے تو بہ تو پردے پڑے تھے کہ نور حق سے وہ اپنے دل و دماغ کو روشن نہ کر سکے، اور اسلام کی رحمت عام سے محروم رہ گئے۔

غسانیوں نے ان داعیانِ حق کے ساتھ کچھ بُرا سلوک بھی کیا ہو تو تعجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ رومیوں کے زیرِ اثر تھے، اور رومی اپنے مقبوضات میں اسلام قبول کرنے والوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے۔ فروہ بن عمرو کا واقعہ اُوپر گزر چکا ہے۔ ان ہی بدسلوکیوں اور مظالم کے ڈر سے ان حضرات نے اپنے اسلام کو چھپانا مناسب سمجھا اور دعوت ترک کردی۔ ان میں سے دو بزرگ اسی غربت و اجنبیت کی حالت میں جان بحق ہو گئے اور ایک صاحب عہد فاروقی تک زندہ رہے اور جنگ یرموک کے دن حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالارِ لشکرِ اسلام کی خدمت میں آئے اور اپنے اسلام کی آپ کو اطلاع دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور یہ سلوک ان کے ساتھ آخر تک قائم رکھا[1]۔

بنو تغلب: بنو تغلب کے چند افراد کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے۔ مسند احمد اور طبقات ابن سعد میں حرب بن ہلال کی روایت سے یہ واقعہ درج ہے۔ کہ ایک تغلبی بزرگ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ بابرکت میں آئے۔ آپ ﷺ نے انہیں شرائع اسلام سکھائے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں پر جزیہ لگانے کے متعلق دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جزیہ یہود و نصاریٰ پر عائد ہوتا ہے۔ ان میں سے مسلمان ہو جانے والوں پر نہیں[2]۔

ان بزرگ کے مذہب کے متعلق کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ مگر بنو تغلب کے متعلق آ چکا ہے کہ یہ قبیلہ نصرانی تھا۔

دوسرے یہ کہ اسلام لانے کے بعد انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے اہلِ وطن مومنین اہلِ کتاب پر جزیہ لگانے کے متعلق استفسار کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ جو اہلِ کتاب اسلام قبول کرلیں، ان پر بھی جزیہ لگتا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے نفی فرمادی۔

تمت

---

[1] زرقانی۔ ص ۷۳، ابن سعد۔ جلد ۱۔ ص ۷۲　[2] ابن سعد۔ جلد ۶۔ ص ۳۹، مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۴۱۰